ریختی کا تنقیدی مطالعہ

جس پر دکرم یونیورسٹی نے مؤلف کو سنہ ۱۹۶۶ء میں
پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی تھی

از

ڈاکٹر خلیل احمد صدیقی مشیر
ایم۔ اے (اردو، معاشیات، انگلش) پی۔ ایچ۔ ڈی۔

قیمت مجلّد
بیس روپیہ

ناشر
نسیم بک ڈپو - لاٹوش روڈ لکھنؤ

ٹیلیفون آفس :- ۲۴۵۵۹
ٹیلیفون رہائش :- ۲۵۳۳۴

ناشر:- عزیز الرحمٰن ۔ بار اوّل اگست ١٩٧٤ء ۔ پرنٹر:- نظامی پ

فہرست

تمہید

ابھی تک اُردو ادب میں کوئی ایسی کتاب مکمل نہیں جس سے ریختی کی نوعیت یا اس کی تاریخی اہمیت کو تحقیق اور تنقید کی روشنی میں سمجھا جا سکے۔

ریختی کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ اس کی نوعیت اور اصلیت سے بہت ہی کم لوگ واقف ہیں اور بیشتر لوگوں کو تو اس کا بھی علم نہیں کہ ریختی کیا ہے؟ اور اُردو ادب کی توسیع میں ریختی نے کیا رول ادا کیا ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ ریختی کو ہمیشہ معیوب اور مبتذل صنف شاعری سمجھا گیا۔ نسوانی کے لئے تو اس کا سننا بھی حرام تھا متین اور سنجیدہ طبیعتوں پر یہ حد درجہ گراں تھی۔ لہٰذا ہمارے ادب کا ایک بڑا سرمایہ ہماری تنگ نظری اور کوتاہی کی وجہ سے فنا ہو گیا۔ کیونکہ جہاں تک ممکن ہوا اُردو تذکرہ نویسوں نے اُردو سے پہلوتہی کی ہے۔ زمانۂ حال کے سنجیدہ سے سنجیدہ تذکروں میں ایک تو ریختی گویوں کا ذکر ہی نہیں اور اگر ہے تو نہ ہونے کے برابر۔ تاہم ایسے شعرا کی ایک بڑی تعداد ہے جو ریختی گوئی کی طرف مائل تھے۔ تحقیق یہ بھی بتاتی ہو کہ ہماری ناعاقبت اندیشی اور تعصب کی وجہ سے ہمارے شعرا کی ایک بڑی تعداد گمنام اور غیر معروف رہی اور کسی نے ان بے گناہ شعرا کی جانب نگاہ نہ اٹھائی۔ جنھوں نے ساری زندگیاں ریختی ہی کی خدمت میں صرف کیں اور جو گمنامی اور ناقدری میں بھی ریختی کی ادبی شمع روشن کئے رہے۔ یہ ننگ

بیچلین، قدرت اور شبنم ان ہی بدقسمت شعرا میں شامل ہیں۔ یہ ایسے شعرا ہیں جن کا کسی تذکرہ یا تاریخ میں ذکر نہیں۔

اکثر ریختی گو شعراء غیر معروف یا گمنام رہے ہیں۔ اس لئے کافی چھان بین کے بعد ان شعرا کو اس مقالہ میں جگہ دی ہے تاکہ ریختی کی ایک مکمل تاریخ مرتب ہو سکے۔

اس مقالے میں ریختی کی نوعیت اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے تاریخی معاشی، سیاسی اور سماجی حالات کو سامنے رکھا گیا ہے۔ تاکہ تحقیق کا صحیح معیار قائم کیا جا سکے۔ کیونکہ کوئی بھی صنفِ ادب عصری میلانات اور سماجی پس منظر سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ لہذا کوئی تنقیدی جائزہ بھی اس وقت تک معقول اور معیاری نہیں ہو سکتا جب تک عصری میلانات اور سماجی پس منظر پیش نظر نہ ہوں ریختی کے مطالعہ میں عموماً اسی قسم کی بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ ایسی صورت میں صرف یہی کافی نہ تھا کہ ریختی پر تحقیقی مقالہ لکھ دیا جائے بلکہ اسکی بھی ضرورت تھی کہ اس کو اس کے زمانے کے میلانات اور سماجی حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تاکہ اس صنف کی صحیح ادبی اور تاریخی حیثیت نمایاں ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ ریختی بحیثیت صنفِ سخن کسی مقام کی مالک ہے یا اس کا ادب میں کیا مرتبہ ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ ریختی کا وہ سارا مواد یکجا ہو جائے جو ابھی تک منتشر تھا ــــ لہذا اس مقالے میں تمام ریختی کے بکھرے ہوئے مواد کو تحقیق کی روشنی میں یکجا کرنے کی کوشش کی ہے اور ان شعرا کو بھی صفحۂ ادب پر لایا گیا ہے جن کے اچھوتے مضامین سے دنیائے ادب ابھی تک نا آشنا تھی۔

تشکر

میں ان تمام اصحاب کا ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اس مقالے کی تکمیل میں میری مدد کی ہے۔

میں سب سے پہلے جناب ڈاکٹر سلیم حامد رضوی صاحب کا شکر گزار ہوں۔ یہ ان ہی کی گرانقدر رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ میں اس مقالہ کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔

اس سلسلے میں قبلہ حضور احمد صاحب، پروفیسر شبیر احمد صاحب، لکچرر محمد مختار صاحب، ڈاکٹر مسرور صدیقی اور ماسٹر شیخ محمد اسحاق جاوید صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہوں جنھوں نے اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف کرکے میرے مقالے کی تکمیل میں مدد کی۔

اس مقالے کے سلسلے میں جن لائبریریوں سے میں مستفید ہوا ہوں ان میں رضا لائبریری رامپور، صولت لائبریری رامپور، امیر الدولہ لائبریری لکھنؤ، سنٹرل لائبریری بھوپال، میونسپل لائبریری بھوپال، مسلم لائبریری اندور، نجمیہ (رشاب) لائبریری اندور کے منتظمین اور کارکنان کا حد درجہ مشکور و ممنون ہوں جنھوں نے مواد کی فراہمی میں میری مدد ہی نہیں کی بلکہ ہر قسم کی سہولتیں بھی دیں۔

آخر میں اپنے ان احباب اور بزرگوں کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے میری اس سعی میں حوصلہ افزائی کی ہے۔

خلیل احمد صدیقی نشتر
ہیڈ آف اردو ڈپارٹمنٹ
گورنمنٹ گرلس پی جی کالج
موتی تبیلہ اندور

پہلا باب

سیاسی و سماجی پس منظر

ریختی کا سیاسی و سماجی پس منظر

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالم گیر کا انتقال ہوا تو تاج و تخت کے لئے جھگڑا شروع ہوا اور آخر کار اعظم اور کام بخش دونوں مارے گئے اور معظم دو سال کی جد و جہد کے بعد مغلیہ سلطنت کا وارث قرار پایا۔ پانچ سال کی حکومت کے بعد ہی شاہ عالم کا انتقال ہو گیا۔ مورخین کے مطابق چار بیٹوں کے ہوتے ہوئے وہ بستر مرگ پر تنہا تھا[۱]۔ اس عہد میں خود غرضی سازش ساز باز اور جتھے بندی اپنا رنگ دکھاتی رہی۔ بادشاہ کی وفات کی خبر سنتے ہی چاروں شہزادوں نے حصول تخت کی جد و جہد شروع کر دی شاہی لشکر میں ابتری پھیل گئی اور کئی میدان گنج شہیداں بن گئے۔ دلی میں طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوا آخر کار ۱۷۱۲ء میں جہاندار شاہ کو تخت نشینی کا موقع ملا۔ لیکن اس وقت جبکہ مغل سلطنت کی دھاک ختم ہو چکی تھی اور راجپوت، مرہٹے، سکھ اور جاٹ موقع سے فائدہ اٹھا کر سلطنت مغلیہ کو ختم کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو چکے تھے۔ اس عہد سے سیاسی اور تہذیبی زوال کی وہ شدت نظر آتی ہے جس کی انتہا محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں ملتی ہے۔

خزانہ خالی ہو چکا تھا، سپاہیوں کی تنخواہیں چڑھ گئیں تو انھوں نے لوٹ مار کر کے اپنا کام چلایا۔ صنعت و حرفت تباہ ہو گئی۔ لوگوں کے

---

[۱] تاریخ ہند جلد ہشتم ص ۱۹ IRVIN - CATER MUGHAL VOL I 19

اخلاق کا دیوالہ نکل گیا۔ جان اور مال کی حفاظت کا کوئی ذمہ دار نہیں رہا۔ عام طور پر ہر شخص پر سراسیمگی کا عالم طاری تھا۔ بقول محمد ہادی کا مورخان "عزیز اور رشتہ دار بھی اپنے اقرباء کو پناہ نہ دے سکتے تھے۔ امراء میں سے کسی کو اپنی زندگی کی خیر نظر نہیں آتی تھی۔ نہ باپ اپنے بیٹیوں کو بچا سکتے تھے اور نہ بیٹے اپنے والدین کو پناہ دے سکتے تھے"[1] ادھر یہ حالات تھے اُدھر جہاں دار شاہ نے اپنے کو لال کنور نام کی طوائف کی ناز برداری کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اس نے اعزاء کو مناصب جلیلہ دئے جو امراء کی سخت ناراضگی کا سبب بنا۔ لال کنور کے اعزاء سب ڈوم میراثی اور دھاڑی تھے جن کو صوبہ دار تک بنا دیا گیا تھا۔ جہاں دار شاہ اور لال کنور کی حرکاتِ رذیلہ نے شہنشاہی کے رہے سہے وقار کا بھی خاتمہ کر دیا۔

آخرکار ان حالات سے تنگ آکر اس کے بھتیجے فرخ سیر نے ساداتِ بارہہ کی مدد سے جہاں دار شاہ کو معزول اور قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اور ایک بار پھر اہلِ دہلی کو قیامتِ صغرا کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد چھ سال کے قلیل عرصہ میں یہ تیسرا خونی انقلاب تھا جسے دلی والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ساداتِ بارہہ کا زور بڑھا۔ انفرادی حسد اور رشک و رقابت نے درباری امراء کو ایک دوسرے کا حریف بنا دیا۔ سازشوں کا زور رہا۔ نا اہلوں کو فروغ ہوا۔ ادھر سکھوں مرہٹوں اور راجپوتوں نے دھاوے مارنا شروع کر دئے غرض فرخ سیر کا پورا وقت درباری سازشوں، آپس کے اختلافات اور بیرونی حملوں کے رفع دفع کرنے میں گزرا۔ فرخ سیر نے کوشش کی کہ سیدوں سے اپنا

[1] تاریخ ہند جلد ہشتم۔ ص ۱۹۷

پیچھا چھڑائے، لیکن اپنے جال میں خود پھنس گیا۔ اور سید دل نے اسے بھی معزول کر کے قتل کر دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے دو بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ دوسری طرف امراء نے اپنا ایک نمائندہ تخت پر بٹھایا غرض کہ ایک مسلسل خانہ جنگی کے بعد محمد شاہ بادشاہ کی باری آئی۔ جس نے ۱۷۱۹ء سے ۱۷۴۸ء تک حکومت کی۔

سیاسی اور ادبی نکتہ نظر سے یہ زمانہ ہر حیثیت سے ممتاز ہے سلطنتِ مغلیہ اسی دور میں پارہ پارہ ہو گئی، سید برادران کا خاتمہ ہوا۔ جاٹوں نے آگرہ تک کے علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ خود بادشاہ بزدل اور عیاش تھا اس میں یہ صلاحیت ہی نہ تھی کہ سلطنت کے انتشار کا سدباب کر سکے۔ مرہٹوں، جاٹوں اور روہیلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اسی عالم میں ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ عذاب الٰہی بن کر ہندوستان پر نازل ہوا۔ محمد شاہ کو شکست دے کر دلی میں داخل ہوا۔ دلی میں قتل عام ہوا۔ سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں۔ عوام و خواص ذہنی انتشار، ہراس اور مایوسی کا شکار ہو گئے۔ دلی ایسی تباہ ہوئی کہ پھر نہ سنبھل سکی۔ ارباب فضل و کمال سر چھپانے اور پیٹ بھرنے کے لئے دلی کو چھوڑ کر دوسرے شہروں کی خاک چھاننے پر مجبور ہوئے۔ دلی کا سہاگ لٹ گیا دوسرے شہروں اور ریاستوں نے رونق پائی انھیں میں فیض آباد اور لکھنؤ بھی ہیں۔ یہی لکھنؤ وہ ریاست ہے جس کا تعلق ریختی کی ابتدا اور ارتقا سے ہے اور جو اس مقالہ کا موضوع ہے۔ یہی وہ دور ہے جس نے میر، سودا اور مصحفی وغیرہ سے شہر آشوب لکھوائے۔ اردو

شاعری نے اگرچہ بڑی ترقی کی لیکن اس میں محمد شاہ رنگیلے کے ذاتی رجحان کی بدولت سوز و گداز رنج و الم اور سوگوارانہ کیفیت کے ساتھ عشق مجازی کا نہایت ہی مبتذل معیار نظر آتا ہے۔

اسی زمانہ میں محمد امین سعادت خاں جو ایک ایرانی تھے ترقی کر کے ہنڈول اور بیانہ کی فوجداری حاصل کی سادات باریہہ کو ختم کرنے کی سازش میں محمد امین سعادت خاں بھی شامل تھے اس لئے محمد شاہ نے انھیں پنج ہزاری منصب عطا کیا پھر اکبر آباد کی صوبہ داری دی آخر میں اودھ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ محمد امین سعادت خاں نے بہت جلد اپنی تلوار کے زور سے اودھ میں ایک آزاد حکومت قائم کر لی جو سوا سو سال سے زیادہ قائم رہی۔

نواب سعادت خاں برہان الملک (۱۷۱۲ء - ۱۷۳۹ء)

اٹھارھویں صدی عیسوی میں اِدھر سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہوا اُدھر سلطنت اودھ کی بنیاد پڑی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد سعادت خاں جیسے ذی استعداد امیر کی قدر دانی نہ کی گئی اور انھیں اودھ کا صوبہ دار بنا کر روانہ کر دیا گیا چنانچہ سعادت خاں نے اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں یعنی ۱۷۱۲ء میں اس سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ان کا اصلی نام محمد امین تھا۔ ۱۷۰۸ء میں نیشاپور سے ہندوستان آئے تلاش معاش کی فکر تھی اِدھر اُدھر سرگرداں رہنے کے بعد دہلی پہونچے یہ فرخ سیر کی بادشاہت کا زمانہ تھا۔ ذی جوہر پا ہی تھے۔ چند دنوں کے بعد دربار میں رسائی ہو گئی۔ شہزادوں کی جاگیر کا ٹھیکہ مل گیا۔ چند ہی روز میں لیاقت کی بدولت دربار شاہی کے معزز امیروں اور منصب داروں میں

شامل ہوئے یہ صوبہ دار اکبر آباد کی دامادی حاصل کی انھیں دنوں سادات بارہہ کا زور تھا جن کے اقتدار کو بادشاہ توڑنا چاہتا تھا۔ محمد امین سعادت خاں نے ان کے خلاف سازش میں حصہ لے کر سید برادران کا خاتمہ کر دیا جس کے صلہ میں ہفت ہزاری منصب اور برہان الملک بہادر جنگ کا خطاب ملا اور اکبر آباد کے صوبہ دار ہوئے اور محمد شاہ کے عزیز ہو گئے۔ ان دنوں صوبہ اودھ آئے دن شورشوں کا سبب تھا۔ برہان الملک کی فوجی لیاقت اور مدبرانہ صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سعادت خاں کو اودھ کا صوبہ دار بنا دیا۔ سعادت خاں نے جلد ہی زمینداروں، راجاؤں اور لکھنؤ کے شیخ زادوں کو زیر کر کے پورے اودھ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس طرح سعادت خاں اودھ میں ایک جدید سلطنت کے بانی ہوئے

پہلے صوبۂ اودھ کی سالانہ آمدنی ستر لاکھ تھی لیکن حسن انتظام سے دو کروڑ تک پہونچ گئی۔ برہان الملک نے اجودھیا سے چار میل کے فاصلہ پر ایک نیا دارالخلافہ بنانے کی غرض سے اپنا مسکن تعمیر کیا۔ ایک بلند مقام پر چاروں طرف کچی دیوار کھنچکر چار گوشوں پر چار برج بنائے۔ وسط میں ایک خس پوش چھپر کا بنگلہ بنایا جو برہان الملک کا محل تھا۔ بیگمات کے لئے بھی کچے محل تعمیر کیے گئے اس بستی کا نام بنگلہ پڑ گیا جو صفدر جنگ کے عہد میں فیض آباد کے نام سے مشہور ہوا۔ آہستہ آہستہ بنگلہ کے چاروں طرف امراء، سرداران لشکر اور بیوپاریوں نے مکانات اور بازار بنائے ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا چنانچہ برہان الملک کو دہلی بلا لیا گیا۔ انھوں نے اودھ میں اپنے بھانجے اور داماد صفدر جنگ کو چھوڑا اور خود دہلی چلے گئے جہاں پہونچ کر انھوں نے نادر شاہ سے

خوف زدہ ہو کر خودکشی کر لی۔

مرزا مقیم ابو المنصور خاں صفدر جنگ (۱۷۳۹ء تا ۱۷۵۴ء)

ابو المنصور خاں صفدر جنگ اپنے ماموں اور سسر کی جگہ مسند نشین ہوئے ان میں برہان الملک کی سادگی اور بہادری نہیں تھی پھر بھی ایک اچھے منتظم فیاض اور بلند حوصلہ رعایا پرور تھے۔ صفدر جنگ اودھ کی نائب صوبہ داری کے عہدہ پر برہان الملک کے ہی زمانہ میں مامور تھے اور امور ملکی سے کافی واقفیت تھی پھر بھی صفدر جنگ کو صوبہ کے معاملات سلجھانے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح صفدر جنگ کا زمانہ نہایت پُر آشوب تھا مگر انھوں نے اپنی ذاتی لیاقت اور حکمتِ عملی سے حالات ساز گار بنا لئے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب دہلی تباہیوں کا مرکز تھی۔ آئے دن انقلابات رونما ہو رہے تھے۔ دلی میں امن و سکون کا نام تک مٹ چکا تھا۔ لوگ پریشان اور غیر مطمئن تھے ایسے پُر آشوب حالات میں صفدر جنگ نے جو ترقی کی وہ واقعی لائق تحسین ہے انھیں کے دور میں بنگلہ کا نام فیض آباد پڑا۔ انھوں نے لکھنؤ کی توسیع کی طرف بھی توجہ کی۔ لیکن صفدر جنگ کو پانچ برس بعد ہی دہلی جانا پڑا۔ جہاں روہیلہ پٹھانوں سے لڑنا پڑا۔ ۱۷۵۳ء میں صلح ہو گئی لیکن اسی سال صفدر جنگ کا انتقال ہو گیا۔ پہلے فیض آباد میں دفن کئے گئے بعد میں ان کی ہڈیاں دہلی لے جا کر دفن کی گئیں۔ ان کا عالی شان مقبرہ اب تک موجود ہے۔

شجاع الدّولہ (۱۷۵۳ء تا ۱۷۷۵ء)

صفدر جنگ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شجاع الدّولہ ۱۷۵۳ء میں تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے لکھنؤ بسایا اور بعد میں فیض آباد ہی میں

رہنے لگے۔ یہاں کے حصار کو از سر نو تعمیر کیا جو ایک مضبوط شہر پناہ بن گئی۔ ان کے دم سے فیض آباد کو ایسی رونق حاصل ہوئی کہ دوسری دلی معلوم ہونے لگی۔

اس کا دور بڑے بڑے فتنوں اور انقلابوں سے بھرا ہوا تھا۔ دنیا کی دو زبردست تاریخی قوموں اور حکومتوں کی قسمت کا فیصلہ انہی کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ پہلی پانی پت کی محشر انگیز لڑائی جس میں احمد شاہ درانی شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ کے ساتھ خوانین روہیل کھنڈ کی تمام زبردست فوجیں ایک طرف تھیں اور مرہٹوں کا ٹڈی دل دوسری طرف۔ اس لڑائی نے ۱۷۶۱ء میں ایک ہی دن کے اندر فیصلہ کر دیا کہ ہندوستان چاہے مسلمانوں کا رہے یا نہ رہے مگر مرہٹوں کا نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد بکسر کا قیامت خیز میدان گرم ہوا جس میں انگریزوں کی باقاعدہ فوج ایک طرف تھی اور شجاع الدولہ کا لشکر کثیر ایک طرف۔ اس لڑائی نے جنگ پانی پت کے چار سال بعد ۱۷۶۴ء میں چوبیس گھنٹے کے اندر اس بات کا تصفیہ کر دیا کہ ہندوستان اب مسلمانوں کا نہیں انگریزوں کا ہے۔[1]

نواب شجاع الدولہ ابتدا میں لکھنؤ میں رہے لیکن بکسر کی جنگ کے بعد فیض آباد میں رہنے لگے اور اسی کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اب یہاں انہوں نے نئی فوج بھرتی کی اور نئی عمارتیں بنوانا شروع کیں۔ ملازموں اور سرکاری افسرانِ فوج کو ترغیب دی کہ اپنی حیثیت اور حالات کے مطابق قطعاتِ زمین لے کر مکانات تعمیر کریں" جیسے ہی یہ خبر مشہور ہوئی کہ شجاع الدولہ نے فیض آباد کو اپنا مستقر قرار

---

[1] گزشتہ لکھنؤ۔ ص ۲۵۱۔

دیا ہے ایک دنیا کا رُخ اِدھر پھر گیا۔ ہزارہا خلقت آ کے آباد ہونا شروع ہوئی۔ شاہجہاں آباد میں یہ حالت تھی کہ جسے دیکھئے فیض آباد جانے کے لئے تیار ہے چنانچہ دہلی کے اکثر باکمالوں نے وطن کو خیرباد کہا اور پورب کا رُخ کیا۔ شب و روز لوگوں کے آنے کا تانتا بندھا رہتا تھا اور قافلے پر قافلے آتے تھے جو آ آ کے یہاں بستے اور فیض آباد کے سواد میں کھنچے جاتے تھے۔ چند ہی روز کے اندر ہر قوم و ملت کے خوش باش اہلِ قلم، اہلِ سیف، تاجر، صنّاع اور ہر طبقے اور ہر درجہ کے لوگ یہاں جمع ہو گئے۔"[1]

شجاع الدولہ نہایت قابل تھے۔ فیّاضی اور انصاف ان کی اعلیٰ صفات تھیں۔ شجاع الدولہ کی فیّاضی اور سخاوت کو سن کر تمام ماہرین فن مثلاً شعرا، ادیب، معمار وغیرہ دوسرے شہروں کو چھوڑ کر فیض آباد آ آ کر آباد ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر شجاع الدولہ کچھ روز اور زندہ رہتے تو فیض آباد دوسرا دہلی بن جاتا۔ شہر میں بہت رونق تھی ہر قسم کی چہل پہل موجود تھی امراء اور شہزادے بے فکر اور مطمئن تھے ہر قسم کی رنگ رلیوں میں دل کھول کر حصّہ لیتے تھے شہر اور سوادِ شہر میں تقریباً ایک لاکھ فوج رہتی تھی۔ سپاہیوں کے ہجوم نے شہر کو گنجان آباد کر دیا تھا۔ مختلف ملکوں سے تجارت کا مال برابر آتا جا رہا تھا۔ بازاروں کی رونق میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر قسم کا سامانِ عیش و عشرت بازاروں سے بآسانی فراہم کیا جا سکتا تھا۔ رئیسوں اور شوقین مزاج لوگوں کے لئے فیض آباد ایک ایسا مقام تھا جسے لوگ جنت سے تعبیر کرتے تھے۔

[1] گذشتہ لکھنؤ۔ ص ۴۲

بقول شرر:" آدمیوں کی کثرت اور سپاہیوں کے ہجوم سے شہر کے اندر خصوصاً چوک میں اس قدر بھیڑ لگی رہتی کہ گزرنا دشوار تھا۔ فیض آباد نہ تھا۔ انسانوں کا جنگل تھا۔ بازار میں دیکھیئے تو ملکوں ملکوں کا مال ڈھیر تھا۔ اور یہ خبر سن کر کہ فیض آباد میں نفیس مزاج رئیسوں اور شوقین مزاج امیروں کا انتخاب جمع ہے ہر طرف سے تاجروں کے قافلے لدے پھندے چلے آتے تھے اور جو بچہ کیسا ہی قیمتی مال ہو ہاتھوں ہاتھ بک جاتا تھا۔[۱]

منشی فیض بخش جو شجاع الدولہ کے ہم عصر تھے اپنی کتاب فرح بخش میں اس زمانہ کے چشم دید حالات یوں بیان کرتے ہیں۔ "اپنے گھر سے پہلی مرتبہ نکلا تو تماز نگر پہونچا یہ مقام شہر کے مغربی دروازے سے چار میل کے فاصلہ پر ہے یہاں دیکھا تو ایک بازار لگا ہوا تھا اور خرید فروخت کی گرم بازاری تھی۔ انواع و اقسام کے کھانے، مٹھائیاں شربت، فالودہ، کباب، پراٹھے، نان خطائیاں نظر آتی تھیں۔ راہگیر خریدنے میں سبقت کرتے اور ایک دوسرے پر کثرت انبوہ میں گرے پڑتے تھے یہ ہنگامہ اور رونق دیکھ کر خیال گزرا کہ میں شہر میں داخل ہو گیا ہوں اور خاص چوک میں ہوں۔ لیکن کسی نے مجھے بتایا کہ ابھی تو میں شہر پناہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوا تھا۔ آخر کار میں شہر میں پہونچا ہر جگہ ناچنے گانے والے طائفے دیکھے جنھیں دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ صبح سے شام تک اور غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک نوبتوں کے ڈھولوں اور باجوں کی آوازیں برابر چلی آتی تھیں۔ گھڑیالوں کی صداؤں سے کان بہرے ہوئے جاتے

---

[۱] گزشتہ لکھنؤ۔ ص ۵۳

تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لباس فاخرہ پہنے شرفائے دہلی کے اعزاء اور خستہ دار اطباء۔ ہر شہر کے گانے بجانے والے قوال بھانڈ اور طوائفیں گلی کوچوں میں نظر آتی تھیں چھوٹے اور بڑے سب کی جیبیں زر و جواہر سے بھری تھیں۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی مفلسی اور ملاکت کا گذر نہ تھا[۱]

شجاع الدولہ کا طبعی میلان مہ جبیں عورتوں اور رقص و سرود کی طرف مائل تھا جس کی وجہ سے بازاری عورتوں اور گانے والی طوائفوں کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ ہر گلی کوچہ میں وہ نظر آنے لگیں۔ نواب وزیر کے انعام و اکرام سے وہ اس قدر خوش حال اور دولتمند ہوگئیں کہ بیگمات کی سی زندگی گزارتی تھیں۔ ان میں اکثر ڈیرا دار تھیں۔ جن کے خیمے نواب کے دوش بدوش رہا کرتے تھے۔ نواب وزیر جب اضلاع کا دورہ کرتے تھے تو ان کے ڈیرے بھی نواب کے ڈیروں کے ساتھ چلا کرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ فوجی حکام اور امراء نے بھی اپنے آقا کی وضع اختیار کر لی اور رنڈیوں اور طوائفوں سے دل چسپی عام ہوگئی۔ اس طرح لکھنوی تہذیب جس بے شرمی اور بے حیائی کا آئینہ دار ہوئی اس کی بنیاد شجاع الدولہ کے عہد میں پڑی" اس میں شک نہیں کہ ان خواہان بازاری کی کثرت اور شوقین مزاجی سے شہر کی رونق بدرجہا زیادہ بڑھ گئی تھی اور فیض آباد

---

[۱] I SHUJAUD - DAULA V. II PAGE 345

[۲] گزشتہ لکھنؤ۔ ص ۔۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری۔

دلہن بن گیا تھا۔"[1]

یہ ظاہر ہے کہ جہاں دولت اور امن بھی ہو وہاں عورت تعیش اور بوالہوسی کا ذریعہ بن جایا کرتی ہے۔ اور جب حاکم کی عورت پرستی سے اس کی تائید ہو جائے تو پھر عوام کو اس امر میں کوئی تکلف باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اودھ کی بنیاد ہی تعیش پسندی کے تحت پڑی اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ۔ "زمیندار اور سرکاری حکام تعیش کی زندگی بسر کرتے تھے طبقۂ متوسط بھی بہت خوش حال تھا۔ شراب خوری کے ساتھ تعیش اور بوالہوسی عام تھی کئی بیویاں اور داشتائیں رکھنے کا عام رواج تھا۔ امراء اور متوسط درجہ کے لوگوں کا اخلاق بہت پست تھا۔"[2]

"شجاع الدولہ کے کردار میں سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ وہ عورتوں سے غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے اور ان کی تفریح میں جنسی مشاغل کو بہت دخل تھا۔"[3]

"شجاع الدولہ کی عیاشی کی حد یہ تھی کہ "اگرچہ اٹھارہویں صدی میں ہندستانی اور یورپین حکمراں بداخلاقی کے لحاظ سے یکساں تھے لیکن شہوت پرستی میں شجاع الدولہ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا ان کے حرم میں دو ہزار سات سو بارہ عورتیں تھیں اُن سے اِن کے ۲۲ لڑکے اور ۱۹ لڑکیاں تھیں۔"[4]

---

[1] گزشتہ لکھنؤ۔ ص ۱۲
[2] FIST NAWAB OF OUDH PAGE 269
[3] SHUJAUD-DAULA PAGE 290
[4] SHUJAUD-DAULA PAGE 299

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ دلی پوری طرح تباہ ہو چکی تھی سیاسی اقتدار کے ساتھ دولت اور اطمینان بھی ناپید تھا رفتہ رفتہ حالات اس قدر بگڑے کہ دہلی ان کے رہنے کی جگہ نہ رہی، حالات ناقابلِ برداشت تھے عوام و خواص پریشان حال تھے چنانچہ لوگوں نے دہلی کو خیرباد کہنا شروع کیا۔ تمام اہلِ فن دہلی سے نکلنے لگے اسی زمانہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں آباد ہوئیں۔ ان کے دربار سجے فیض آباد بھی اپنے دربار کے ساتھ رونما ہوا۔ فیض آباد میں امن و سکون کی لہر تھی۔ وہاں کے نوابوں کی فیاضی کی شہرت عام تھی چنانچہ اکثر شعراء شجاع الدولہ کے عہد میں آئے۔ سوداؔ، میر سوزؔ اور میر ضاحکؔ اسی دربار سے وابستہ تھے۔

۱۷۷۵ء میں شجاع الدولہ کا انتقال ہوا انہیں کے ساتھ فیض آباد کی ترقی کا دور بھی ختم ہو گیا۔

نواب آصف الدولہ (۱۷۷۵ء تا ۱۷۹۷ء)

اس وقت حکومت اودھ میں سب سے زیادہ اثر شجاع الدولہ کی بیوی بہو بیگم کا تھا جو نہایت دولت مند تھیں ان کی منظوری سے نواب آصف الدولہ تخت نشین ہوئے، آصف الدولہ بچپن ہی سے بری صحبت کے عادی تھے ان کے مصاحب بھی بہت ہی ادنیٰ درجہ کے لوگ تھے ان کے اخلاق حد سے زیادہ پست تھے مصاحبوں کی یہ کوشش رہی کہ ماں بیٹوں میں جس حد تک ممکن ہو تعلقات خراب رہیں چنانچہ انکے مشوروں کے مطابق نواب آصف الدولہ نے فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو اپنا مستقر بنایا جبکہ بہو بیگم زندہ رہیں انھوں نے فیض آباد کو ایک معمولی قصبہ بنا دیا لیکن ان کے بعد یہ چمن ویران ہو گیا اور لکھنؤ نے اس کی جگہ لی۔

"یہی وہ زمانہ ہے جب سے دربار اودھ کی قوت فرمانروائی گھٹنے

اور لکھنؤ کی ظاہری رونق بڑھنے لگی۔ دربار میں انگریزوں کا عمل دخل بڑھا۔ آصف الدولہ کے تخت نشین ہوتے ہی لکھنؤ نے پلٹا کھایا ترقی کی۔ فیض آباد کی رونق دن بدن کم ہوتی گئی۔ تمام عملہ داروں نے دھیرے دھیرے فیض آباد کو چھوڑنا شروع کر دیا اور لکھنؤ بسنے لگا۔ بقول میر تقی میر "سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ فنون لطیفہ کی ترقی اور اودھ کی تہذیب و تمدن کا زمانہ یہیں سے شروع ہوتا ہے[۲]"

آصف الدولہ کے زمانے میں انگریزوں کا عمل دخل امور سلطنت میں حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ انگریزوں نے نواب کو بڑی ترکیب سے اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ فوجی اصلاح کی طرف سے بے پرواہ رہیں اور دوسرے مشاغل سے جی بہلائیں اس لئے انھوں نے تھوڑی سی فوج رکھ کر باقی مسترد کر دی اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے۔ آصف الدولہ نے کمپنی کے مطالبات ادا کرنے کے لئے اپنی ماں کو انگریزوں کی مدد سے خوب لوٹا۔ آصف الدولہ کی عام فیاضی اور عیش پرستی نے ساری رعایا کو بھی عیش طلب بنا دیا۔ چنانچہ وہ محسوس بھی نہ کر سکے کہ حکومت میں کس طرح انگریزوں کا عمل دخل تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔

اس ظاہری عیش پرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لکھنؤ دربار کی شان و شوکت اس درجہ بڑھ گئی جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی ہے اور ایسا سامانِ عیش جمع ہو گیا تھا جو کسی [illegible] نہ نظر آتا۔ ان دنوں شہر لکھنؤ ایسی رونق پر تھا کہ ہندوستان ہی نہیں [illegible] دنیا کا کوئی شہر لکھنؤ کے اوج و

۱؎ گزشتہ لکھنؤ۔ ص ۲۶

۲؎ بحوالہ آخری تاجدار اودھ۔ ص ۱۹

عروج کا مقابلہ نہ کر سکتا ہوگا"[1]

فیض بخش کے بیان کے مطابق آصف الدولہ کے ادصاف یہ تھے
"رات دن کم مرتبہ ہندوؤں کے ساتھ نشہ شراب میں مدہوش رہتے اور ایسے پوچ لوگوں کی رائے اور پند کے موافق جو ذلیل اور سبک خوتی ہوئے ہیں ان میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑتے اس قدر بے حجابی نامشروع اور خارج از عبرت و حیا کاموں میں اختیار کی کہ پوچ لوگ اور بازاری آدمی بھی مات ہو گئے ـــــ کسی رذیل سے رذیل قوم کا ادنی الطبع آدمی ایسا نہ تھا کہ جس کو ایسے بے باک و بیہودہ خیال نواب کے ترقی و ثروت نہ دی ہو"[2]

فیض بخش نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ" آصف الدولہ کے بدوضع ہم نشیں خلاف وضع فطری کام میں رہتے تھے[3] "

آگے چل کر مؤلف سیر المتاخرین لکھتا ہے" مجھ کو مکرر آصف الدولہ کی حضوری خلوت میسر آئی۔ ظاہرا شعور و خرد سے بے نصیب تھے نہایت درجہ صحبت ارذل اور پوچ نوکروں میں مصروف تھے اور بجز لہو و لعب کے کسی کی طرف راغب نہ تھے[4]"

مفتی ذکاء اللہ اور دوسرے مصنفوں کے بیانات سے بھی ان باتوں کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آصف الدولہ کی نیا بتیوں نے

---

[1] گزشتہ لکھنؤ - ص ۲۸
[2] فرح بخش بحوالہ تاریخ اودھ جلد دوم - ص ۲۰۳
[3] " " " " ص ۲۰۴
[4] بحوالہ تاریخ اودھ ص ۲۰۷

اہلِ لکھنؤ کو معاشی افکار سے فارغ البال کر رکھا تھا مگر ساتھ ہی ساتھ اخلاقی حیثیت نہایت بدتر تھی۔ اس اخلاقی گراوٹ نے سماج میں گندگی اور عفونت پیدا کر دی۔

تمراب، بھنگ اور افیون کی بدولت صحت خراب ہو گئی آخر کار ۱۷۹۷ء میں انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے کو تخت نشین کیا گیا لیکن چار ماہ کے بعد ہی وزیر علی خاں کو نطفۂ نا تحقیق قرار دے کر نوابی سے ہٹا دیا گیا اور ان کی جگہ ان کے بھائی سعادت علی خاں کو نواب بنا دیا گیا۔

نواب سعادت علی خاں (۱۷۹۸ء تا ۱۸۱۴ء)

نواب سعادت علی خاں نے کمپنی کی مدد سے نوابی حاصل کی جس کے صلہ میں ان کو اودھ کی نصف سلطنت کمپنی کو دینا پڑی اس کے علاوہ فوج کے مصارف کے لئے ۷۶ لاکھ سالانہ دینے کا معاہدہ کیا۔ سعادت علی خاں کو آدھی سلطنت کے نکل جانے کا بڑا غم تھا اس لئے انھوں نے بڑی کفایت شعاری، بیدار مغزی اور مستعدی سے امور سلطنت کو انجام دے کر خزانہ میں ۲۲ کروڑ روپیہ جمع کرایا۔ آصف الدولہ نے مصارف حد سے زیادہ بڑھا رکھے تھے چنانچہ انھیں دربار کے مصارف گھٹانا پڑے حسابات کی سختی سے جانچ کی۔ سمجھدار لوگ ان کی اس لیاقت اور خوش تدبیری کے قائل ہو گئے مگر عوام میں بے انتہا ناراضگی پھیل گئی۔ انھوں نے فوج میں بھی تخفیف کی جس کی وجہ سے فوجی بھی بہت ناراض تھے ان کی زندگی کو ہر وقت خطرہ تھا اس لئے جان کی حفاظت کے لئے انگریزی فوج رہنے لگی۔ نواب سعادت علی خاں گو کہ بہت کفایت شعار تھے مگر انھیں تعمیرات کا بھی کافی شوق تھا۔ انھوں نے لکھنؤ میں بے شمار عمارتیں تعمیر کیں، محلے آباد کئے

اور نئی سڑکوں کے علاوہ پل بھی بنوائے۔

نواب سعادت علی خاں اودھ کے تمام فرمانرواؤں سے زیادہ بیدار مغز اور مدبّر تھے۔ کفایت شعاری میں اگر ان کو بخیل کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ملکی انتظام میں انھوں نے غیر معمولی ہوشیاری اور خوبی دکھائی اس میں ذرا شک نہیں کہ اگر ان کو آخر عہد تک پورا اطمینان نصیب ہو جاتا تو وہ یقینی گزشتہ بدنظمیوں اور خرابیوں کا ازالہ کر لیتے۔ اور ملک کی ان کے عہد میں کافی اصلاح ہو جاتی مگر خرابی یہ ہوئی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے نہیں رہے نواب سعادت علی خاں علم و فن کے بڑے قدرداں تھے وہ اربابِ کمال سے نہایت اچھی طرح پیش آتے تھے خود بھی ایک اچھے زباں داں تھے۔ بقول محمد نجم الغنی" انشاء اللہ خاں دریائے لطافت میں سعادت علی خاں کی فصاحت لسانی کی بڑی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس شخص کو میرے قول میں خوشامد کا گمان ہو اس کا نواب کے حضور میں خاص کر ہولی کے موسم میں آنا شرط ہے تاکہ دیکھے کہ راجہ اندر پریوں کے اکھاڑے میں اچھا معلوم ہوتا ہے یا نواب حور زادوں کے مجمع میں اور اس قدردانی کی وجہ سے دہلی کے تمام اہلِ کمال لکھنؤ میں چلے آئے اور جو کچھ اہلِ دہلی کو نواب کے سایۂ عاطفت میں میسر ہے وہ دہلی میں خواب میں بھی میسر نہیں"[1]۔

نواب سعادت علی خاں بذاتِ خود ایک اچھے ظریف تھے بذلہ گوئی فطرت میں داخل تھی۔ شعر و شاعری سے گہرا لگاؤ تھا۔ سید انشاء خود انھی کی ان صفات کے قائل تھے۔

---

[1] تاریخ اودھ جلد سوم۔ ص ۲۱-۲۰

"(نواب سعادت علی خاں) کی ذات بابرکات ہے۔ خدا کی قسم حضور کی اُردو میں تقریر مقامات حریری یاد دلاتی ہے نہ کوئی ایسا فصیح زبان اور شگفتہ بیان ہوا اور نہ ہو۔ کسی وقت کی آپ کی بات لطیفہ سے خالی نہیں ہوتی، کبھی تجنیس ہے تو کبھی ایہام، کبھی طباق ہے تو کبھی ترشیح اور محتمل ضدین۔۔۔۔۔ ۱؎"

سعادت خاں کے دور میں لکھنؤ نے کافی ترقی کی، بازاروں کی چہل پہل کے ساتھ علم و ادب کا بازار بھی گرم تھا۔ بقول شرر "مگر سب سے عجیب بات یہ ہے کہ بازاروں کی ترقی اور تجارت کے فروغ کے ساتھ اُن کے دربار میں باکمالوں اور قابلِ قدر لوگوں کا اتنا بڑا مجمع ہو گیا تھا کہ اس وقت ہندوستان کے اور کسی دربار میں ایسے صاحبانِ کمال نہ نظر آسکتے تھے ۔۔۔ جو قابل آدمی جہاں ہوتا سعادت علی خاں کی قدردانی کی شہرت سنتے ہی اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر لکھنؤ کا رُخ کرتا اور یہاں آکے ایسا آرام پاتا کہ پھر کبھی وطن کا نام نہ لیتا ۲؎"

یہ دور لکھنؤ میں بڑی ارزانی کا تھا۔ غلہ کی افراط تھی غریب سے غریب خوش حال تھا۔ شہر میں اسبابِ امارت کی افزائش تھی۔ نواب سعادت علی ارباب کمال کے ساتھ لطف و عنایت سے تو پیش آتے ہی تھے مگر اربابِ نشاط کے ساتھ بھی ان کا دہی رویہ تھا۔ وہ رقص و نشاط کی محفلوں کے شوقین تھے ارباب نشاط کے بڑے قدرداں تھے۔

"نواب سعادت علی خاں اربابِ نشاط کے بھی بڑے قدرداں تھے

۱؎ دریائے لطافت۔ ص۔ ۹۷

۲؎ گزشتہ لکھنؤ۔ ص، ۲۰

ایک شخص پرکاش نامی الہ آباد سے آیا تھا اور لکھنؤ میں اپنے فن داؤں سے گوئے سبقت لے گیا تھا۔ ناچتے اور کوڑی پر رقص کرتا تھا اور کوئی دقیقہ علم موسیقی کا اس سے فروگذاشت نہیں ہوتا تھا۔ نواب تک پہونچا نواب نے اس کی بیش قرار تنخواہ مقرر کر کے جا بجا جانے کی ممانعت کی ...... [1]"

نواب کو حسن سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ وہ اکثر حسن کو دیکھ کر بے تابو ہو جاتے تھے حسن پرستی ان کی زندگی کا ایک اہم جزو بن کر رہ گیا تھا اور وہ اس معاملہ میں کسی سے کم نہ تھے۔" نواب ایسے حسن دوست تھے کہ اہلِ شہر حسن پرستی کا لفظ ان کی نسبت اطلاق کرتے تھے۔[2]"

محمد نجم الغنی نے نواب سادت علی خاں کے جنسی لگاؤ کے متعلق ایک طوائف کا قصہ بیان کیا ہے۔ جو نواب آصف الدولہ کی نوکر تھی۔ لکھتے ہیں۔

" خیال گانے میں یکتا اور حسن میں بے مثل تھی۔ نواب سعادت علی خاں اس کے حسن پر فریفتہ ہو کر جویائے مواصلت تھے۔ جب نواب ہوئے تو وہ طوائف سید قاسم علی فرزند میر الور داستان گو پر فریفتہ تھی۔ نواب نے یہ خبر سن لی تو اکثر اس سے ارشاد فرماتے تھے کہ ہر چند دل سے تجھ پر رغبت ہے۔ لیکن تیری طبیعت دوسری جانب گرفتار ہے اس لئے مجھ کو تیرے وصل سے انکار ہے کہ بے لذت ہے۔ غرض اس قدر طبیعت پر قابو تھا کہ گو اس پر مائل تھے لیکن عالم مے کشی میں بھی

---

[1] ۔ تاریخ اودھ جلد سوم ص ۲۹۱

[2] ۔ " " " " ص ۲۹۱

کہ حیا و حجاب کا خون کرتی ہے اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اور انعام و اکرام دیتے رہے۔" [۱]

اس عہد کی فارغ البالی نے عیاشی کو اور بھی ہوا دی اور کیفیت یہ ہو گئی کہ "عیش و عشرت لہو و لعب اور رنگینی و مذاق کی تمام گلزار لکھنؤ میں بہار تھی۔ اگرچہ شگفتہ طبعی ہر جلیتے جی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور ہے مگر نہ اس قدر جیسا کہ اہلِ لکھنؤ نے اس میں حصہ لیا تھا۔" [۲]

غازی الدین حیدر (۱۸۱۴ء تا ۱۸۲۷ء)

غازی الدین حیدر میں نہ تو باپ کی سی بیدار مغزی تھی اور نہ اگلے فرمانرواؤں کی طرح فوجی سرگرمی اور تدبر، ہاں آصف الدولہ کی طرح آرام طلبی اور عیش پرستی ضرور تھی۔ چنانچہ غازی الدین حیدر کا عہد آرام طلبی اور عیش پرستی کا زمانہ تھا۔ بادشاہ کی پوری زندگی نفس پروری کے لئے وقف تھی۔ باپ کا کروڑوں روپیہ پانی کی طرح عیش پرستی میں بہایا جا رہا تھا۔ مرفہ حالی کی بدولت عوام میں دولت بڑھ گئی اور گلی کوچہ میں مینا بازار لگ گیا۔ [۳]

ابھی تک تمام فرمانروایانِ اودھ نواب وزیر کہلاتے تھے لیکن کمپنی نے انھیں بادشاہ کا لقب عطا کیا یہ بھی روپیہ کا کھیل تھا۔ دولت اور عزت کا ساتھ آنا تھا کہ عیش و نشاط کی لے بڑھی خود فراموشی اور سیاہ مستی کا دَور دورہ ہوا ملک گیری اور بلند حوصلگی جاتی رہی اور ساری شہنشاہیت

---

[۱] تاریخ اودھ جلد سوم۔ ص ۲۹۱

[۲] " " " " ص ۲۹۵

[۳] شبابِ لکھنؤ، ص ۲۶

عیش و نشاط میں ڈوب گئی۔ بقول احمد علی "ملک گیری کی بلند حوصلگی تو عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی۔۔ ۔۔۔ ۔۔ ادھر لارڈ ہیسٹنگز کی گورنر جنرلی کا زمانہ آگیا وہ ہر طرح سے عنایت اور ہمدردی پر آمادہ تھا۔ سب سامان فارغ البالی جمع ہو گئے ان سب پر مستزاد یہ کہ سعادت علی خاں کے جمع کئے ہوئے ستر ہ اٹھارہ کروڑ روپیہ نے نہیں معلوم کتنی بوتلوں کا نشہ دیا کہ نواب اور نائب بلکہ سارا دربار ۔۔ ۔۔۔ متوالا ہو گیا عیش و نشاط کی لے بڑھی خود فراموشی اور سیاہ مستی کا رواج ہوا۔"[۱]

چنانچہ سعادت علی خاں کی گاڑھی کمائی ٹھکانے لگائی جانے لگی ارباب نشاط کا زور بڑھا۔ حسینانِ عالم جمع ہوئے اور حسن پرستی کا غلبہ عام ہو گیا۔ حسن پرست بے فکروں کے دم قدم سے ہر طرف تازہ چہل پہل شروع ہو گئی۔[۲] محل سے رشتے وابستہ ہونے لگے، حسن کی دلالی کا رواج ہوا اور اسی سے بلند مراتب کے حصول میں آسانی ہوئی چنانچہ جس نے کسی محل سے کچھ سلسلہ ملایا بازارِ حسن میں دلالی کی اُسی کا مرتبہ بلند ہو گیا۔[۳]

شراب نوشی میں اضافہ ہوا۔ بادشاہ صبح سے شام تک شراب کے نشہ میں دھت رہتا۔ دربار کے اعلیٰ افسران سیاہ و سفید کرتے اگر بادشاہ کسی وقت ہوش میں آکر امورِ سلطنت کی طرف رجوع ہوتا تو یہ خود غرض عملہ انھیں مے نوشی کی طرف راغب کر دیتا۔ بادشاہ پہلے سے ہی امراض ورمِ جگر میں مبتلا تھے اس مے نوشی نے ان کی صحت پر بُرا اثر ڈالا بقول محمد نجم الغنی "بادشاہ

۱؎ مرقع اودھ، ص، ۱۴۱

۲؎ " " " "

۳؎ " " ص ۱۴۲

جو امراض ورم جگر و استسقا اور صلابت معدہ وغیرہ میں مبتلا تھے۔ حکیم مرزا علی وغیرہ اطبائے سلطانی سارو رسے جام شراب اور پیالہ تھنگ پر گو انکار دکھ لیا۔ اور افراط کی نوبت اگر حد کو پہونچی کہ شام سے صبح تک اور صبح سے شام تک عالم مخموری اور نشہ میں گزرتی تھی۔ اتفاقاً اگر کسی وقت بادشاہ ہوش میں آکر امور سلطنت کی طرف توجہ فرماتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ تو معتمد الدولہ سرادر مختاران کے کھتر ہاتھ رکھ کر عرض کرتے تھے کہ پہلے حضور جام صحت بخش جو باعث تندرستی اور اعتدال مزاج عالی ہے نوش فرمائیں۔[1]

مذہبی معاملات میں بھی عجیب و غریب رسمیں داخل ہوئیں شیعہ فرقے کا زور بڑھا۔ فرنگی محل کے علماء کی طرف سے توجہ ہٹ گئی اور شیعہ مذہب کی ناجائز رسموں سے مذہب کی خدمت کی جانے لگی ۔ بادشاہ سے زیادہ ان کی زوجہ بادشاہ بیگم کو مذہبی معاملات میں انہماک تھا بادشاہ بیگم نے نئی نئی بدعتیں ایجاد کیں جن سے شیعہ مذہب میں عجیب طفلانہ رسمیں داخل ہو گئیں۔ سب سے پہلے بادشاہ بیگم نے صاحب الزماں کے لئے چھٹی کی رسم ایجاد ہوئی اور جنم اشٹمی کے ہوم کی طرح دوازدہ خانہ مرتب کیا جانے لگا اور صحیح النسب سیدوں کی خوبصورت لڑکیاں فراہم کرکے ائمہ اثنا عشر کی بیبیاں قرار دی گئیں جن کا نام اچھوتیاں رکھا گیا ۔ ان کے یہاں اماموں کی ولادت بھی ہونے لگی۔

محمد نجم الغنی نے وقائع دلپذیر کے حوالہ سے بادشاہ بیگم اور غازی الدین حیدر کے ان عقائد اور رسموں کی بخوبی ترجمانی کی ہے۔ ہم یہاں تاریخ اودھ، جلد سوم کے کچھ اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے ان رسموں کی

---

[1] تاریخ اودھ جلد سوم۔ ص ۹۲

اصلیت واضح ہو جائے گی۔

"....... بیگم صاحبہ کی طبیعت اگرچہ عبادت اور تلاوت قرآن و ادعیہ ماثورہ کی طرف نہایت مائل تھی لیکن حکومت وجاہ طلبی اور خود رائی اور خودسری اور مغلوب التعصبی اور امور مذہب اثنا عشریہ میں اختراع و جدت ان میں اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ بیان سے باہر ہے..... اختراع امور دینیہ کی یہ کیفیت ہے کہ اوّل اپنی طبیعت سے ایک چھٹی صاحب الزماں کے واسطے ایجاد کی۔ چھٹی یہ ہے کہ عورت بچہ جننے سے چند دن کے بعد مع بچہ کے غسل کرتی ہے اور عمدہ لباس پہن کر جلسہ کرتی ہے۔ اعزہ کو مہمان بلاتی ہے۔ بادشاہ بیگم اس رسم کو امام عالی مقام کی طرف منسوب کر کے ہر سال ماہ شعبان میں ادا کرتیں اور بہت سا روپیہ خرچ کرتی تھیں.... دوسرے اشرافوں کی دوشیزہ اور خوبصورت لڑکیاں روپیہ خرچ کر کے ...... بہم پہونچا کر ائمہ اثنا عشری کی ان کو ازدواج بنا..... ان لڑکیوں کا نام اچھوتی رکھا..... اچھوتی اس چیز کو کہتے ہیں جو چھونے کے قابل نہ ہو کہ مبادہ آلودہ نجس نہ ہو جائے مگر حضرت فاطمہ زہرہؑ پاسداری کی وجہ سے حضرت علیؑ کے لئے کوئی عورت تجویز نہیں کرتی تھیں اور ہر ایک اچھوتی کے لئے تین نوکریں خدمت گذاری کے لئے رکھتی تھیں۔ ان کو عمدہ کھلاتی اور نفیس کپڑے پہناتی تھیں ...... خاطر ادب کرتیں ...... ہر صبح اٹھ کر پہلے ان کی زیارت اور سلام کرتیں تب کوئی دوسرا کام کرتیں اگر ان میں سے کوئی جوان ہو جاتی اور دل اس کا مناکحت چاہتا تو مانع آتیں...... وہ بے چاریاں شہوت میں گرفتار نہ رہنے کی طاقت..... ان میں سے ایک اتنی شہوت کے ہاتھوں مغلوب

ہوئی کہ اس نے ایک عجیب شعبدہ کھڑا کیا ۔ ۔ ۔ خواب سے مضطربانہ اٹھکر زار زار سے رونے ۔ ۔ ۔ لگی ۔ ۔ ۔ شور و غل سن کر محل کی تمام عورتیں جمع ہوگئیں ۔ ۔ ۔ بادشاہ بیگم سے عرض کیا ۔ ۔ ۔ حال دریافت کیا تو اس اچھوتی نے روتے ہوئے لہجہ میں جواب دیا کہ اس وقت میں نہایت بے خبر سو رہی تھی کہ یکایک خواب میں کیا دیکھتی ہوں کہ صاحب الامر العزیٰ میرے پاس پہونچے ۔ ۔ ۔ اور فرمایا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور اپنی زوجیت سے جدا کیا ۔ ۔ ۔ تو میں اپنی سیہ بختی پر رونے لگی ۔ ۔ ۔ بادشاہ بیگم نے یہ بات سُن کر اس عورت کو فوراً ۔ ۔ ۔ اس کے باپ کے گھر پہونچا دیا ۔ ۔ ۔ اور اچھوتے کی رسم بھی انھوں نے ایجاد کی ۔ ۔ ۔ اچھوتا بھی ایسی چیز کو کہتے ہیں کہ جو بوجہ طہارت و نفاست کے مس کرنے کے قابل نہ ہو، تاکہ نجس نہ ہو جائے۔ اچھوتے کی حقیقت یہ ہے کہ بیگم نے محل کے اندر ایک حجرہ آئنہ ۔ ۔ ۔ اسکے واسطے مخصوص کیا تھا کوئی آدمی اس میں آنے جانے کی قدرت نہیں رکھتا تھا۔ جب کسی امام کی پیدائش کا دن آتا تو اس حجرہ کو طرح طرح کے نفیس فرش و فروش سے آراستہ کیا جاتا اور زر بفت کی مسندیں بچھائی جاتیں اور اس امام کے نام نہاد اچھوتی عورت کو زر و زیور سے ۔ ۔ ۔ آراستہ کرکے بیگم اس مسند زرنگار پر بٹھاتیں اور نہایت ادب تعظیم کے ساتھ اس کو نذر دکھاتیں ۔ ۔ ۔ تمام زر و زیور اس عورت کو دے دیتیں۔ اور حجرہ کا دوسرا تمام اسباب محل کے کسی نوکر کو بخش دیتیں ۔ ۔ ۔ جنوں کا بادشاہ بھی بادشاہ بیگم کے پاس آتا جو انپر عاشق تھا ۔ ۔ ۔ بادشاہ بیگم اپنی زبان سے کہا کرتی تھیں آج اس جن کی آمد ہے چنانچہ کوئی خواص کہتی کہ ہم نے ۔ ۔ ۔

کانوں سے حقہ پیتے سُنا اور کوئی کھتی بیگم سے بات چیت ہونے کی آواز آتی تھی
اس تقریب کے لئے عمدہ مکان آراستہ کیا تھا ۔ ۔ ۔ گانے بجانے
کا جملہ سامان وہاں جمع رہتا تھا۔ خوش گلو عورتیں اس جلسہ میں گایا کرتی تھیں
اس جلسہ کا نام ہندی میں بیٹھک تھا ۔ ۔ ۔ نصیرالدین حیدر جو خاص بیگم صاحبہ
کے پاس پلے تھے ان کو بھی لڑکپن سے اس میں بیٹھنے کی عادت تھی ۔ ۔ ۔
جوئل کا بادشاہ، بادشاہ بیگم کے پاس اور شہزادہ، شہزادے کے پاس آیا
کرتا تھا اور پریاں بھی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں ۔ ۔ ۔ ہر ہفتہ ال، بیٹے
اس تقریب سے خلوت میں بیٹھتے ۔ ۔ ۔ اور ڈومنیاں گانے کے واسطے
آتی تھیں ان کو انعام ملتا تھا ۔ ۔ ۔ اس تقریب میں کم سے کم چار سو اور
کبھی ہزار ہزار روپے صرف میں آتے تھے"[1]

ادھر معتمد الدولہ وزیر نے خزانہ کا روپیہ بے پروائی سے خرچ کیا ادھر
غازی الدین حیدر نے عیش پرستی اور شراب نوشی میں زر پھونکا، یہی نہیں
بلکہ بادشاہ بیگم نے ائمہ اثنا عشر کی نئی نئی بدعتیں نکال کر ان طفلانہ رسموں پر بھی
بے حد روپیہ صرف کیا۔

بادشاہ کو دوام جگر کی شکایت تھی۔ شراب نوشی مہلک ثابت ہوئی۔ ان حالات
میں شاہی خزانے اور نظام حکومت کا جو حال ہوگا وہ ظاہر ہے، غازی الدین
حیدر ابتدا ہی سے جنسی خواہشات کا شکار رہے۔ دوسرے شاہان اودھ کی
طرح خود بھی حسن و جمال کے عاشق تھے حسین عورتوں سے قربت اور ان سے
اختلاط کے ہمیشہ خواہش مند رہے۔ بادشاہ بیگم پر صاحبزادگی کے زمانے سے
فریفتہ تھے۔ یہی نہیں بلکہ شادی ہوجانے کے بعد بادشاہ بیگم کے ساتھ آئی ہوئی

---

[1] تاریخ اودھ، جلد سوم ص ۱۰۳، ۱۰۱، ۱۰۵

ایک خواص کو دل دے بیٹھے۔ اس خواص کا نام صبح دولت تھا۔[1] عشق و محبت کی آگ اتنی بھڑکی کہ اس کے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ بادشاہ بیگم اس واقعہ سے کافی برہم ہوئیں اور انھوں نے اس خواص کو مروا ڈالا۔ بچہ کی پرورش میں بھی انھیں کافی پس و پیش تھا بہ ہزار دقت اس کی پرورش پر آمادہ ہوئیں اور اس بچہ کا نام نصیر الدین حیدر رکھا۔[2]

بادشاہ بیگم کے رقیبانہ جذبے نے بھی غازی الدین حیدر کی چاہیتی جو گل جس کا خون کیا ادھر وزیر معتمد الدولہ کی ترغیب سے غازی الدین حیدر نے دو عیسائی عورتوں کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر نکاح کر لیا اور ان کو خطابات اور جاگیریں عطا کیں۔ بادشاہ کی بیماری نے طول پکڑا۔ شراب نوشی اور عیش پسندی نے ان کو ورم جگر اور استسقا کے امراض پر سبم قاتل بنے اور آخرکار ۲۷ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

نصیر الدین حیدر (۱۸۲۷ء تا ۱۸۳۷ء)

۲۸ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ[3] مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو ۲۵ برس کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔[4] بادشاہ ہوتے ہی عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے۔ طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل تھی چنانچہ جلد کاروبار ریاست سے غافل ہو تے گئے۔ اور سلطنت کے معاملات سے انھیں کوئی دلچسپی

---

[1] تاریخ اودھ، جلد سوم، ص ۱۰۲

[2] ״ ״ ״ ״ ״

[3] ״ ״ ״ ص ۱۲۶

[4] مخمخانہ جاوید، جلد دوم، ص ۲

تاریخِ فقہ

اردو

تالیف عربی

امہ شیخ محمد خضری بک

روفیسر جامعہ مصریہ

ترجمہ اردو

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی

مولانا حبیب احمد ہاشمی

س میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آجتک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مکمل تاریخ

ی خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں ائمہ

نی حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور

کے شاگردوں کے حالات اور انکے علمی کارنامے اور تصانیف کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے

اسلامی کتابوں کا مرکز

مکتبہ عثمانیہ نمبر 2280 بی-آئی-بی کالونی کراچی ۵

ناشر

دار الاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

[illegible]

اشاعت اول .... جنوری ۱۹۶۵ء

تعداد طبع .... ایک ہزار

باہتمام .... محمد رضی عثمانی

طباعت .... مطبوعہ جاوید پریس

قیمت .... نو روپے

اشاعت .... مئی ۱۹۶۷ء

ناشر

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی

ملنے کے پتے

(۱) ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

(۲) ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

(۳) قرآن محل مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی نمبر ۱

حرفِ آغاز

(از محمد رضی عثمانی)

مصر کے مشہور مصنّف اور دانشور علامہ شیخ محمد خضری بک کی مشہورِ عالم کتاب تاریخ تشریع الاسلامی کا اردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ فقہ اسلامی کی تاریخ پر اُردو زبان میں ابتک کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہیں تھی جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ آیا فقہ اور قانون اسلامی کوئی جامد چیز ہے یا بدلتے ہوئے زمانہ کی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں رد و بدل ہوتا رہا ہے اور یہ کہ فقہ اسلامی موجودہ زمانہ کے ساتھ کس حد تک ہم آہنگ ہے۔ اس کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ اسلامی فقہ کے تمام ادوار کی مفصل تاریخ مرتب کی جائے جس میں ہر دور میں فقہی تغیرات، انقلابات اور اس دور کی خصوصیات دکھائی جائیں اور زیرِ نظر کتاب ان تمام ضروریات کو اور مقاصد کو پورا کرتی ہے فاضل مصنّف نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر ملک و ملت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک ہر دور کے فقہ اسلامی کی مفصل تاریخ اور خصوصیات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی چاروں مشہور ائمہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے تلامذہ کے حالات اور اُن کے علمی کارنامے اور تصانیف کا تذکرہ نہایت شرح و بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ کرنے کے لئے احقر نے اپنے برادر عزیز مولانا محمد تقی صاحب عثمانی سے کہا جو ماشاء اللہ نوجوان ہونے کے باوجود عربی اردو زبان پر پوری طرح قادر [illegible]

پر گہری نظر اور استعداد رکھتے ہیں اور جن کی دو کتابیں ہمارے عائلی مسائل اور ضبط ولادت عقلی و شرعی حیثیت سے دار الاشاعت کراچی سے شائع ہو کر اہل علم اور عوام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ انھوں نے اپنی گوناگوں علمی و تعلیمی مصروفیات کے باوجود اس اہم کتاب کے اردو ترجمہ کا کام شروع کر دیا اور ابھی نصف سے کچھ کم کتاب کا ترجمہ کر پائے تھے کہ اچانک بعض دوسری علمی مصروفیات کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکے اس لئے بقیہ نصف کتاب سے زیادہ کا ترجمہ محترم بزرگ مولانا حبیب احمد صاحب ہاشمی نے پورا کیا اور الحمدللہ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

فہرست مضامین تاریخ فقہ اردو

پانچواں دور

چھٹا دور

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اسلامی فقہ کی تاریخ "ایک ایسا موضوع ہے، جو بہت اہم ہونے کے باوجود زیادہ مصنفین کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکا، خود عربی زبان میں اس موضوع کی مبسوط کتابیں بہت کم ہیں، اور اردو کا دامن تو ان سے تقریباً خالی ہے۔

"علامہ محمد خضری بک" مصر کے آخری دور میں ایک وسیع المطالعہ عالم گزرے ہیں، تاریخ انکا خاص موضوع رہا ہے، اپنے طرزِ فکر اور اسلوب تحریر کے اعتبار سے اگر یوں کہا جائے کہ یہ "مصر کے مولانا شبلی ہیں" تو میرے خیال سے یہ انکا مکمل تعارف ہوگا۔ انھوں نے اسی موضوع پر قلم اٹھایا، اور خوب اٹھایا، کافی عرق ریزی اور محنت کے بعد ان کی کتاب "تاریخ التشریع الاسلامی" منظر عام پر آئی، اور اسے علمی حلقوں میں بہت کچھ سراہا گیا۔

یہ کتاب چونکہ پاکستان کی بعض یونیورسٹیوں میں داخل نصاب تھی، اور یوں بھی باذوق حضرات کیلئے اس کا مطالعہ مفید تھا، اس لئے ضرورت تھی کہ اسکا کوئی ترجمہ یہاں شائع ہو، مگر پاکستان میں ایسا کوئی ترجمہ دستیاب نہ تھا جو اس ضرورت کو پورا کرسکے، اسلئے دارالاشاعت کے مالک برادر مکرم جناب مولانا محمد رضی صاحب عثمانی نے اس کام کا ارادہ کرکے راقم الحروف کو حکم دیا کہ اس کا ترجمہ شروع کردے۔

اتفاق سے ان دنوں احقر کا کچھ وقت خالی تھا جو کسی مناسب کام کا تقاضا کر رہا تھا، چنانچہ بنام خدا احقر نے اسکی ابتدا کردی، اور اس کا ایک معتد بہ حصہ (تقریباً سو صفحات) مکمل کر بھی لیا، پھر اچانک کچھ ایسے وقتی کام پے در پے سامنے آئے کہ میں اس کام کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ اور بالآخر جب اس میں غیر معمولی تاخیر ہونے لگی تو "مولانا حبیب صاحب ہاشمی" کے حوالہ کردیا، انھوں نے الحمد للہ پوری دلجمعی کے ساتھ اس کو چند مہینوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، چنانچہ شروع سے "جہاد" کے بیان تک (جو اصل کتاب کے صفحہ پر ہے) ترجمہ میرا ہے۔ اور باقی سب مولانا ہاشمی صاحب کا۔

۔ یہاں ایک بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ علامہ خضری بلاشبہ ایک بڑے عالم ہیں، مگر اس دور سے تعلق رکھتے ہیں، اتفاق سے یہ وہی دور ہے جس میں عالم اسلام پر مغرب کے قلم اور

احملہ ساتھ ساتھ ہوا ہے، اس دور کے وہ علماء جنھوں نے اپنے علم کا زیادہ مدار مطالعہ پر رکھ کر براہِ راست ترقین کو پڑھا ہے، ان کی تحریروں میں (شعوری یا غیر شعوری طور سے) ایک مرعوبیت کا احساس پایا جا س کو ان جگہوں پر بہ آسانی پڑھا جا سکتا ہے جہاں انھوں نے اسلام پر کسی "مغربی اعتراض" کا جواب دیا ہندوستان میں مولانا شبلیؒ اور مصر میں علامہ خضریؒ علماء کے اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہمیں ان حضرات کی نیک نیتی اور خلوص میں شبہ نہیں، ان حضرات نے خدمتِ دین کے جذبے میں بڑی یں اٹھائی ہیں، اور اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا دفاع کیا ہے، لیکن اسکو کیا کیجئے کہ اگر اعتراض کرنیوالے ہاتھ میں تلوار بھی ہو، اور منہ میں تیز زبان بھی اور جواب دینے والے کا ذہن ان دونوں سے مرعوب نہ ہو تو قدرتی در پر جواب جواب نہیں رہتا، معذرت بن جاتا ہے ـــــ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جہاد، نسخ اور غلامی کے جیسے مسائل پر مستشرقین نے جو اعتراضات کئے تھے، یہ حضرات ان کا جواب خود اعتمادی کے ساتھ سینہ تان کر نہیں دے ئے، بلکہ ایک قسم کی "معذرت" پیش کی، کہ یہ تمام چیزیں دراصل ہمارے یہاں ایک مجبوری کے تحت تھیں، ندہ ایسا نہیں ہوگا، اور اس میں "معذرت" کے لئے خود شریعتِ اسلام کے اندر بعض ایسی ترمیمیں کر گئے جو اس کے مزاج سے میل کھانیوالی نہیں ہیں۔

یہ ایک غلط طرزِ فکر کی ابتدا تھی، اور جب یہ ترمیم و تنسیخ کا دروازہ کھلا تو دشمنانِ اسلام کو ایک وسیع میدان ہاتھ آگیا، پھر نت نئے مجتہدین نے اس دروازے کو چوپٹ کھول کر اسلام پر وہ ستم ڈھائے کہ الامان! اور اسی "خشتِ اول" کے "کج" ہو جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج "تجدد" کا مکتبِ فکر ناواقف مسلمانوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بن چکا ہے۔

بہرکیف! کہنا یہ تھا کہ زیرِ نظر کتاب میں بھی دو تین مقام ایسے آئے ہیں، جہاں اسی احساسِ مرعوبیت کے تحت علامہ خضریؒ نے جمہورِ امت سے اختلاف کیا ہے، جہاد، نسخ، اور غلامی پر انھوں نے جہاں گفتگو کی ہے، وہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل میں خود ان کا ذہن صاف نہیں ہے ـــــ یہ بات کتاب کے مطالعہ کے دوران پیشِ نظر رہنی چاہیئے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع اور مقبول بنائیں، اور اس کی تصنیف و طباعت میں حصہ لینے والے ہر شخص کے لئے یہ ذخیرۂ آخرت ثابت ہو آمین وما توفیقی الا باللہ۔

محمد تقی عثمانی

دار العلوم، کراچی نمبر ۱۴

اگست ۱۹۶۴ء

مقدمہ

اسلامی فقہ کے سرچشمے تین ہیں :-

(۱) قرآن کریم

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جنھوں نے قرآن کریم کی تشریح فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو واضح کیا، اصطلاح میں انہی کو "سنّت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) فقہار کی اجتہادی آرار، یہ آرار اگرچہ قرآن و سنّت ہی سے ماخوذ اور مستنبط ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ فقہار کی فکر و نظر کا نتیجہ ہیں جس پر مختلف زمانوں کے مختلف اثرات پڑتے رہے ہیں، فقہار کی یہ فکری کاوش کبھی زمانہ کے مختلف اثرات سے متاثر ہوئی ہے اور کبھی خود ان فقہار کی نفسیات سے یہی وجہ ہے کہ فقہ اور فقہار کی تاریخ لکھنے والا اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی تاریخ کو مختلف زمانوں کے اعتبار سے ترتیب دے یا مجتہدین کے نفسیاتی اختلاف کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی شخصیتوں کے اعتبار سے،

لیکن غور و فکر کے بعد ہمیں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی اس تاریخ کو مختلف زمانوں کے اعتبار سے ترتیب دیں، اس لئے کہ انہی زمانوں کے اثرات زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہیں اور جہاں تک فقہار کی نفسیات کا تعلق ہے تو ہم آگے کسی مقام پر وضاحت سے بیان کریں گے کہ ان کا اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں بالخصوص وہ فقہار جو آپس میں ہم عصر ہیں ان کے اختلاف کی بنیادیں اتنی اہمیت کی حامل نہیں کہ ان کے اعتبار سے تاریخ فقہ کو ترتیب دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے لے کر آج تک فقہ پر کتنے دور گذرے؟ اس سوال پر جہاں تک ہم نے غور کیا، ہمیں چھ دور بڑے اہم نظر آئے جنھوں نے مسلمانوں کے اجتہاد اور فتویٰ پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

(۱) **فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں** :- درحقیقت یہی دور فقہ کی اصل اور بنیاد ہے، تمام فقہار نے متفقہ طور پر اسے مستند قرار دیا ہے۔

(۲) **کبار صحابہ کا دور** :- جو خلافت راشدہ کے اختتام پر ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) صغار صحابہ اور تابعین کا دور :- یہ دور پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ بعد ختم ہو جاتا ہے،

(۴) وہ دور جس میں فقہ ایک باقاعدہ علم بن چکا تھا :- اسی دور میں وہ ماہر فقہار پیدا ہوئے جنہیں امت نے متفقہ طور سے دینی قائد تسلیم کیا، اس دور میں ان فقہار کے وہ شاگرد بھی آجاتے ہیں جنہوں نے کوئی اپنی رائے ظاہر کئے بغیر حضرتِ فقہار کی آرار کو نقل کیا، تیسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی یہ دور بھی ختم ہو جاتا ہے۔

(۵) وہ دور جس میں فقہ مناظرہ کا علم بن گیا :- جو مسائل ائمۂ مجتہدین سے حاصل کئے گئے تھے ان کی تحقیق و تفتیش کے لئے مناظرے اسی دور سے شروع ہوئے اسی زمانے میں فقہ پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں اور بے شمار مسائل کا حل تلاش کیا گیا، یہ دور اس وقت ختم ہوا ہے جب خلافتِ بنو عباس دم توڑ رہی تھی اور بغداد میں تاتاری غارتگری کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا، اس کے بعد کچھ دنوں تک مصر میں یہی دور جاری رہا ہے۔

(۶) تقلید محض کا دور :- جو آج تک جاری ہے۔

ہم نے اپنی اس کتاب کو انہی ادوار کے لحاظ سے ترتیب دینے کا ارادہ کیا ہے، خدا ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس ارادہ میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

پہلا دَور

فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں

قرآن اور حدیث

قرآن کریم ۱۷ر رمضان سنہ ۶۱۰ میلادی کی رات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رفتہ رفتہ نازل ہونا شروع ہوا، سب سے پہلے غار حرا میں، جہاں آپؐ بغرض اعتکاف تشریف فرما تھے، یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم

وحی والہام کا یہ مبارک سلسلہ ۹ر ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری مطابق سنہ ۶۳۲ میلادی تک جاری رہا اور سنہ ۱۰ھ میں عرفہ کے روز آخری آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے واسطے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اس اعتبار سے نزول وحی کی کل مدت بائیس سال دو مہینے اور بائیس دن ہے۔

جس رات قرآن کریم کا نزول شروع ہوا وہ شب قدر تھی جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر، لیلۃ القدر خیر من الف شھر تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلٰم

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا اور تمہیں کیا معلوم شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں

ھی حتی مطلع الفجر۔ یہ رات طلوع فجر تک (رہتی) ہے۔

اسی رات کے سلسلہ میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا انا کنا مرسلین رحمۃ من ربک۔ ہم نے اس (قرآن) کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک برکت والی رات (شب قدر) میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے ہیں، اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کرکے کیا جاتا ہے ہم بوجہ رحمت کے جو آپ کے رب کی طرف سے ہوئی ہے آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ یہ ماہ رمضان کی رات تھی چنانچہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و بینات من الھدیٰ والفرقان۔ ماہ رمضان جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) یہ ہے کہ واضح الدلالہ ہے منجملہ ان کتب کے جو (ذریعۂ) ہدایت بھی ہیں اور (حق و باطل میں) فرق کرنے والی ہیں۔

اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، محمد بن اسحٰقؒ نے عبید بن عمیرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ "رسول اللہ صلعم سال میں ایک مہینہ غار حرا میں قیام فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ جب آپؐ کی بعثت کا سال آیا تو آپؐ ماہ رمضان میں حسب معمول حرا کی طرف جانے کے لئے نکلے۔

لیکن اس مسئلہ میں بڑا اختلاف پھیلا ہوا ہے کہ جس رات نزول قرآن کا آغاز ہوا وہ رمضان کی کون سی رات تھی؟ محمد بن اسحٰقؒ کا خیال ہے کہ یہ رمضان کی سترھویں رات تھی، اللہ تعالیٰ کے ایک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے :-

ان کنتم آمنتم باللہ وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان اگر تم خدا پر اور اس (کتاب) پر ایمان لاتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن نازل کی جس روز حق و باطل جدا ہونے والے تھے اور جس دن دو جماعتیں (لڑنے کے لئے) آپس میں ملی تھیں۔

اس آیت میں جس دن کی طرف " یوم التقی الجمعان " کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد متفقہ طور پر غزوۂ بدر کا دن ہے جس کے بارہ میں تصریح ہے کہ وہ ۱۷ رمضان کو ہوا ہے، اور " یوم الفرقان " سے مراد وہ دن ہے جس میں نزول قرآن کا آغاز ہوا، اس لئے اس آیت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ یہ دونوں دن

اس اعتبار سے متحد ہیں کہ دونوں سے مراد جمعہ ۱۷ رمضان ہے، اگرچہ یہ دونوں واقعات ایک ہی سال میں نہیں ہوئے بلکہ نزولِ قرآن کی ابتداء غزوہ بدر سے کئی سال پہلے ہو چکی تھی،

تفسیر طبری میں سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی گئی ہے فرمایا "لیلۃ الفرقان یوم التقی الجمعان ۱۷ رمضان ہے۔

علامہ قسطلانی نے بخاری کی شرح میں اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد بن اسحق کے قول کی تائید حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے روایت کیا ہے؛

خود ہمارا رجحان بھی اسی رائے کی جانب ہے، اس لئے کہ ہمیں تو اسبات کا یقین ہے کہ یہ رات کوئی ایسی معمولی رات نہ تھی جس کا ذکر قرآن کریم کہیں اشارۃً بھی نہ کرتا، بلکہ اس عظیم رات کی قدر و منزلت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کا ذکر کسی بہتر موقعہ پر آئے، چنانچہ یہی واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کا ذکر نہایت مناسب موقع پر فرمایا ہے، اُس جگہ جہاں آپ غزوۂ بدر کے واقعات کا ذکر فرما رہے ہیں جس میں اللہ نے مسلمانوں کو عزت و شوکت عطا فرمائی تھی اور اپنی مدد کے ایسے ایسے کرشمے دکھلائے تھے جو ہر مسلمان کے لئے ہر طرح عزت اور سربلندی کے ضامن تھے اور اتفاق سے یہی وہ دن بھی تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت سے سرفراز فرمایا تھا۔

یہ مناسبت قرآن کریم کے اس اشارہ کے لئے بہترین مناسبت تھی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔

ما نزول وحی کا اختتام تو اس سلسلہ میں علامہ طبری "الیوم اکملت لکم دینکم" کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :-

"علماء نے کہا ہے کہ یہ عرفہ کا دن تھا جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع فرمایا ہے اور اس آیت کے بعد نہ کوئی فریضہ مسلمانوں پر وحی کے ذریعہ لازم کیا گیا، نہ کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف اکیاسی رات بقید حیات رہے، یہی بات حضرت ابن عباسؓ حضرت سدیؒ اور ابن جریجؒ سے مروی ہے اور مجاہدی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی تو اس نے کہا کہ اگر کسی دن یہ آیت ہم پر نازل ہو جاتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ تو اس دن نازل ہوئی ہے جس روز دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں ایک جمعہ کا دن اور دوسرے عرفہ کا"

مشرکین کو اس بات پر بڑا اعتراض تھا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں اترتا ہے؟ ایک ہی دفعہ میں پورا کیوں نازل نہیں ہو جاتا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ اعتراض ذکر فرما کر سورۂ فرقان میں اس کا جواب دیا ہے۔

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃً واحدۃ کذٰلک لنثبت بہٖ فؤادک ورتلناہ ترتیلا۔

کفار نے کہا کہ قرآن ایک ہی مرتبہ میں کیوں نہ نازل کر دیا گیا؟ ایسا ہم نے اس لئے کیا تاکہ اس کے ذریعہ آپ کے قلب کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے۔

اور سورۂ اسراء میں ارشاد فرمایا:۔

وقراٰناً فرقناہ لتقرأہٗ علی الناس علیٰ مکثٍ ونزّلناہ تنزیلا

او قرآن میں ہم نے جابجا فصل رکھا تاکہ آپ ان لوگوں کے سامنے ٹھیر ٹھیر کر پڑھیں اور ہم نے اسکو اتارنے میں بھی تدریجاً اتارا۔

نزول وحی کے دو اہم دور | نزول قرآن کا زمانہ دو ممتاز مدتوں پر منقسم ہے۔

(۱) پہلا دور وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے، اس دور کی کل مدت بارہ سال پانچ مہینے اور تیرہ دن ہے۔ نزول وحی کا یہ زمانہ ۱۷ رمضان ۴۱ھ میلادی سے لے کر ربیع الاول ۵۴ھ میلادی تک جاری رہا، اس عرصہ میں قرآن کریم کی جو سورتیں یا آیات نازل ہوئیں انہیں مکی کہا جاتا ہے،

(۲) دوسرا دور ہجرت کے بعد کا ہے جو نو سال، نو مہینے نو دن پر مشتمل ہے اس کا آغاز ۵۴ھ میلادی سے ہوا اور اختتام ۹ ذی الحجہ ۶۳ھ میلادی مطابق ۱۰ھ ہجری کو، قرآن حکیم کا جو حصہ اس دور میں نازل ہوا اسے مدنی کہتے ہیں، قرآن کریم کا تقریباً ۱۹/۳۰ حصہ مکی اور تقریباً ۱۱/۳۰ حصہ مدنی ہے،

مکی اور مدنی سورتیں | کلام پاک میں مندرجہ ذیل سورتیں مدنی ہیں:۔

(۱) بقرہ (۲) آل عمران (۳) نساء (۴) مائدہ (۵) انفال (۶) توبہ (۷) حج (۸) نور (۹) احزاب (۱۰) قتال (۱۱) فتح (۱۲) حجرات (۱۳) حدید (۱۴) مجادلہ (۱۵) حشر (۱۶) ممتحنہ (۱۷) صف (۱۸) جمعہ (۱۹) منافقون (۲۰) تغابن (۲۱) طلاق (۲۲) تحریم (۲۳) اذا جاء نصر اللہ۔

ان سورتوں کے علاوہ تمام سورتیں مکی ہیں، اور قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن میں سب سے پہلی سورۃ فاتحہ اور سب سے آخری سورہ ناس ہے،

سورۃ کی وجہ تسمیہ | اصل میں "سُورۃ" بلندی کے مرتبہ کو کہا جاتا ہے، عرب کا مشہور شاعر نابغہ کہتا ہے۔

ألم تر أنّ اللہ أعطاک سورۃ
تری کلّ ملک دونہا یتذبذب

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے تمہیں ایک ایسا بلند مرتبہ عنایت کیا ہے جس کے سامنے ہر بادشاہ جھکتا نظر آتا ہے"

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے تمہیں شرف کے مراتب میں سے ایک مرتبہ عنایت کیا ہے جس کے آگے بادشاہوں کے مراتب بھی ہیچ ہیں۔

اور بعض دوسرے حضرات اسے "سورہ" کی بجائے ہمزہ کے ساتھ "سُورۃ القرآن" پڑھتے ہیں، اس صورت میں اس کے معنی ہو جائیں گے "قرآن کریم کا وہ ٹکڑا جو اس کے بقیہ ٹکڑوں سے جدا کر لیا گیا" اس لئے کہ "سُورہ" عربی میں "بچی کچی چیز" کو کہا جاتا ہے، کسی کے جھوٹے پانی کو بھی اسی لئے "سُؤر" کہتے ہیں کہ وہ پانی کا باقیماندہ حصہ ہوتا ہے، اعشیٰ ثعلبہ ایک ایسی عورت کے متعلق کہتا ہے جو اس کے دل میں اپنی محبت کا غم چھوڑ کر کہیں چلی گئی تھی ۔

فبانت وقد أسأرت فی الفؤاد
صدعًا علی نایہا مستطیرا

" وہ چلی گئی اور دل میں ایک بڑا شگاف چھوڑ گئی "

اسی عورت کے بارہ میں اسی کا دوسرا شعر ہے ۔

بانت وقد أسأرت فی النفس حاجتہا
بعد ائتلاف وخیر الودّ ما نفعا

"وہ چلی گئی اور الفت کے بعد دل میں اپنی خواہش چھوڑ گئی حالانکہ اچھی محبت تو وہ ہوتی ہے جو مفید ثابت ہو"

سورتوں کے نام قرآن حکیم کی ان سورتوں میں سے ہر ایک کا ایک خاص نام ہے جو کہیں سورت کے ابتدائی الفاظ میں سے کسی کو منتخب کر کے رکھدیا گیا ہے، اور اکثر سورتیں اسی ضمن میں آتی ہیں مثلاً سورۂ انفال کہ اس کی پہلی آیت ہی میں یہ لفظ موجود ہے "یسئلونک عن الانفال" سورۂ اسراء بھی "اسراء" سے شروع ہوتی ہے "سبحٰن الذی اسری بعبدہ" سورۃ "طٰہٰ" کی ابتدائی آیت ہے "طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ" سورۂ مومنون کی پہلی آیت ہے "قد أفلح المؤمنون" سورۂ فرقان کی پہلی آیت ہے "تبارک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہ" سورۂ روم کی پہلی آیت ہے "الٓمٓ غلبت الروم فی أدنی الارض"

سورۂ فاطر کی ابتدائی آیت "الحمد للہ فاطر السموات والارض" وغیرہ وغیرہ،

اور قرآن کریم میں ۳۵ سورتیں ایسی ہیں جن کا نام شروع میں مذکور نہیں چنانچہ سورۂ بقرہ میں گائے کا واقعہ ۶۵ آیات کے بعد آیا ہے، سورۂ آل عمران میں آل عمران کا واقعہ بھی ۳۲ آیتوں کے بعد مذکور ہوا ہے، اسی طرح سورۂ نساء میں لفظ "نساء" کئی جگہ آیا ہے جن میں سے ایک تو شروع ہی کی چند آیتوں کے بعد اور باقی آگے چل کر، سورۂ مائدہ میں لفظ "مائدہ" (جس کے معنی دسترخوان کے ہیں) ۱۱۰ آیتوں کے بعد تقریباً ختم پر آیا ہے،

سورتوں کے نام کس مناسبت سے رکھے گئے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں تحقیق و تفتیش کے بعد ہمیں یہی بات زیادہ وزن دار معلوم ہوئی کہ دراصل قرآن کی موجودہ ترتیب وہ ترتیب نہیں جس کے مطابق قرآن نازل ہوا ہے بلکہ نزول کی ترتیب کچھ اور ہے، نہ سورتیں اس ترتیب سے نازل ہوئی ہیں اور نہ آیتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کم و بیش پانچ پانچ دس دس آیتیں نازل ہوتی تھیں، واقعۂ افک میں ایک ہی مرتبہ دس آیات کا نزول صحیح روایتوں سے ثابت ہے اسی طرح سورۂ مومنین کی ابتدائی دس آیتیں بھی ایک ہی مرتبہ نازل ہوگئی تھیں، دوسری جانب ایک صحیح روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ "لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل اللہ بأموالهم وأنفسهم" میں صرف "غیر اولی الضرر" ایک مرتبہ نازل ہوا اور باقی پوری آیت پہلے نازل ہوچکی تھی، اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ وان خفتم عیلة فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ إن شاء إن اللہ علیم حکیم بعد میں نازل ہوئی اور انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا پہلے نازل ہوچکی تھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالےٰ خود فرماتے ہیں ۔

وما کنت تتلوا من قبله من کتاب ولا تخطه بیمینك اذاً لارتاب المبطلون

اور آپ اس آیت سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے

کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس کوئی شبہ نکالتے،

اسی بناء پر آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نازل شدہ آیات سن کر یاد فرمایا کرتے تھے، اسی بات کی جانب اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ میں اشارہ فرمایا ہے، لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرانا ه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه (یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

آپ قبل اختتام وحی قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے، تاکہ آپ اس کو جلدی لیں، ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کردینا، اور پڑھوادینا، جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کی پیروی کریں پھر اس کا بیان کرادینا بھی ہمارے ذمہ ہے

اور سورہ 'طٰہٰ' میں ارشاد فرمایا :-

ولا تعجل بالقرآن من قبل أن يقضى اليك وحيه وقل رب زدني علما ۔

اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت نہ کیجئے، اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھادیجئے۔

اور سورۂ "سبح" میں ارشاد ہے :-

سنقرئك فلا تنسى الا ما شاء (اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم جتنا قرآن نازل کرتے جائیں) آپ کو پڑھا دیا کریں گے، پھر آپ (اس سے کوئی جز) نہیں بھولیں گے، مگر جس قدر (بھلانا) اللہ کو منظور ہو، (کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے)

انه يعلم الجهر وما يخفى — وہ ظاہر اور باطن کو جانتا ہے،

اور سورۂ حجر میں فرمایا :-

انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون — ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں،

پھر جب آپ نازل شدہ آیات کو سمجھ کر یاد فرمالیتے تو لوگوں کو سناتے اور کاتبینِ وحی میں سے کسی کو لکھنے کا حکم دیتے، اور کاتب آپ ہی کے سامنے کھجور کے چھلکے، کسی باریک پتھر یا کاغذ کے ٹکڑوں پر وہ آیت تحریر کردیتے، آپ نے کئی کاتبین وحی مقرر فرمائے ہوئے تھے جن کی تعداد بعض حضرات کے کہنے کے مطابق چھبیس[۲۶] تھی، اور علامہ حلبیؒ نے سیرۃ العراقی سے نقل کرکے فرمایا ہے ان کی تعداد بیالیس[۴۲] تھی، ان میں سے بعض حضرات تو وہ تھے جو ہمیشہ اس مبارک فریضہ کو ادا کرتے رہے اور بعض وہ تھے جنھوں نے ایک خاص مدت تک یہ فرض انجام دیا، بعد میں چھوڑ دیا،

کاتبینِ وحی ۔ کاتبین وحی میں سے جو حضرات مشہور ترین ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں :-

خلفاء اربعہؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ (جو بادشاہوں کے نام خطوط بھی لکھا کرتے تھے)، حضرت اُبی بن کعبؓ[۱]، ثابت بن قیس بن شماسؓ، زید بن ثابتؓ[۲]، معاویہ بن ابی سفیانؓ، یزید بن ابی سفیانؓ،

---

[۱] آپ انصارِ مدینہ کے پہلے صحابی ہیں جنھوں نے وحی کی کتابت کی اکثر و بیشتر وحی لکھتے رہے ہیں اور آپ ان فقہاء صحابہ میں سے ہیں جو وحی لکھا کرتے تھے ۱۲ منہ، [۲] و [۳] یہ دونوں حضرات ہمیشہ کتابتِ وحی پر مامور رہے ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور کام ان کے ذمہ نہ تھا ۱۲ منہ،

مغیرہ بن شعبہؓ، زبیر بن عوامؓ، خالد بن الولیدؓ، علاء بن الحضرمیؓ، عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن الحضرمیؓ، محمد بن مسلمہؓ، عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی بن سلول،

وحی کا یہ مکتوب حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان مبارک میں رکھ دیا جاتا تھا اور کاتبین خود اپنے لئے بھی ایک نسخہ لکھ لیتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو بتلایا کرتے تھے کہ اس آیت کو کونسی جگہ لکھا جائے؟ اس طرح امی حضرات کے حافظوں، کاتبین کے نجی نسخوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں رکھے ہوئے نسخہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت فرمائی، اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بتلائی ہوئی ہے،

اس دور تک قرآن کریم کو باقاعدہ جمع نہیں کیا گیا تھا، البتہ صحابہؓ میں سے بہت سے حضرات نے پورا قرآن حفظ کیا ہوا تھا جن میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اسم گرامی بطور خاص قابل ذکر ہے جو "السابقون الاولون" (شروع ہی میں ایمان لانے والوں) میں سے ہیں، اور پورے عہد نبوت میں آنحضرتؐ کے مخلص رفیق رہے ہیں، حضرت سالم بن معقلؓ بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح شروع میں ایمان لائے تھے اور انھیں پورا قرآن یاد تھا، ان کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ (یہ چاروں حضرات انصار میں سے ہیں) اور ابوالدرداءؓ بھی قرآن کے حافظ تھے اور قرآن کے مختلف حصے تو بیشمار صحابہؓ کو یاد تھے،

نزولِ وحی کی کیفیت

قرآن کریم کی جو آیات احکام سے متعلق ہیں وہ عام طور سے اُن واقعات کے جواب میں نازل ہوئی ہیں جو اسلامی معاشرے میں وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہے، اس قسم کے واقعات کو اصطلاح میں "اسبابِ نزول" یا "شانِ نزول" کا نام دیا جاتا ہے، مفسرین کرام کی ایک بڑی جماعت نے خاص طور سے اسباب نزول پر توجہ دیکر اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، اور اسے قرآن کے سمجھنے کے لئے اساس اور بنیاد قرار دیا ہے، جس کی تفصیل آئندہ ادوار میں آجائے گی۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ آیات مسلمانوں کے مختلف سوالات کے جواب میں نازل کی جاتیں اور کہیں کہیں از خود بھی احکام نازل فرمائے گئے ہیں، ان تین طریقوں میں سے ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمائیے!

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثد غنویؓ کو مکہ بھیجا تاکہ جو مسلمان وہاں ابتر رہ گئے ہیں وہ ان کے ساتھ مدینہ چلے آئیں چنانچہ جب حضرت مرثدؓ مکہ پہنچے تو ایک خوبصورت اد

مالدار عورت نے انہیں زنا کی پیشکش کی مگر ان کے دل میں اللہ کا خوف راسخ تھا اس لئے انھوں نے قبول نہ کیا، پھر اسی عورت نے نکاح کی پیشکش کی تو حضرت مرثدؓ راضی ہوگئے اور کہا کہ اسے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پر موقوف چھوڑتا ہوں اگر آپ نے اجازت دیدی تو میں راضی ہوں، چنانچہ مدینہ پہنچ کر یہ قضیہ آنحضرتؐ کے سامنے پیش ہوا تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی :-

ولا تنكحوا المشركات حتىٰ يؤمنّ ولأمةٌ مؤمنةٌ خيرٌ من مشركةٍ ولو أعجبتكم ولا تنكحوا المشركين حتىٰ يؤمنوا ولعبدٌ مؤمنٌ خيرٌ من مشركٍ ولو أعجبكم أولئك يدعون إلى النار والله يدعوا إلى الجنة والمغفرة بإذنه الخ

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں اگرچہ وہ عورتیں تمہیں پسند ہوں اور ایک مومن باندی مشرک (آزاد) عورت سے بہتر ہے، اور (اپنی عورتوں کا) نکاح مشرک مردوں سے نہ کراؤ اگرچہ وہ مرد تمہیں پسند ہوں اور ایک مومن غلام مشرک (آزاد) مرد سے بہتر ہے یہ لوگ آگ کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے مغفرت اور جنت کی طرف بلاتا ہے،

(۲) ایسے احکام بھی قرآن کریم میں بہت ہیں جو مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں مبتلا کئے گئے چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :-

يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما إثمٌ كبيرٌ ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما ويسئلونك ماذا ينفقون قل العفو كذلك يبيّن الله لكم الآيات لعلكم تتفكرون في الدنيا والآخرة ويسئلونك عن اليتامىٰ قل إصلاحٌ لهم خيرٌ وإن تخالطوهم فإخوانكم والله يعلم المفسد من المصلح ولو شاء الله لأعنتكم إنّ الله عزيزٌ حكيم ويسئلونك عن المحيض قل هو أذىً فاعتزلوا

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال میں) گناہ کی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے لئے (بعض) فائدے بھی ہیں، اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے بڑھی ہوئی ہیں، اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں، آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔ اللہ تعالےٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان کرتے ہیں تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو، اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا

النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتّٰی یطھرن فاذا تطھرن فأتوھن من حیث امرکم اللہ ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین

زیادہ بہتر ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے کو اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے، تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو، اور ان سے قربت نہ کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں، پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آجایا کرو، جس جگہ سے تم کو اللہ نے اجازت دی ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں پاک توبہ کرنے والوں سے اور پاک صاف رہنے والوں سے، (الگ الگ) جانتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے کیونکہ اللہ زبردست حکمت والے ہیں،

ایک اور جگہ ہے :-

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل۔

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر (عمداً) قتال کرنا جرم عظیم ہے، اور اللہ کی راہ سے روک ٹوک کرنا، اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام (کعبۃ اللہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہیں اللہ کے نزدیک، اور فتنہ پردازی کرنا اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے،

سورہ نساء میں ہے :-

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ۔

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے ..... کہ

اور بھی بہت سی آیات اسی قسم کی ہیں،

(۳) رہے وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل کئے گئے، سو وہ بہت ہی تھوڑے ہیں، اور شاذ و نادر ہی کوئی حکم ایسا ہو گا جس کا کوئی سبب نزول مفسرین نے بیان نہ کیا ہو،

مکی اور مدنی سورتوں کے امتیازات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نزول قرآن کی دو اہم مدتیں ہیں، ایک ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد

ان میں سے ہر ایک کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں جنہیں دیکھ کر دونوں میں تمیز دینا آسان ہوجاتا ہے اور پڑھنے والے کو ان کی بنا پر یہ پتہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی؟

پہلا امتیاز پہلا امتیاز تو یہ ہے کہ مکی آیتیں عام طور سے چھوٹی ہیں اور مدنی آیتیں بڑی، اس کا اندازہ اس طرح بآسانی ہوسکتا ہے کہ مدنی سورتیں قرآن کے ۱/۳ حصہ سے کچھ ہی زائد ہے، اور اس کی کل آیتیں ۱۴۵۶ ہیں، گویا یہ قرآن کی مجموعی آیتوں کے چوتھائی حصے سے کچھ زائد ہیں اس سے زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ "قد سمع اللہ" کا پارہ پورا مدنی ہے اور اس کی کل آیتیں ۱۳۷ ہیں، اور اس کے مقابلہ میں "تبارک الذی" کا پارہ مکی ہے اور اس کی آیات کی مجموعی تعداد ۴۳۱ ہے، "عم" کا پارہ بھی مکی ہے اور اس کی آیتیں ۵۷۰ ہیں،

ایک اور مثال لیجئے، سورۂ انفال اور سورۂ شعراء میں سے ہر ایک آدھ آدھ پارہ پر مشتمل ہے لیکن چونکہ انفال مدنی ہے اس لئے اس کی کل آیتیں ۷۵ ہیں اور دوسری چونکہ مکی ہے اس لئے اس کی مجموعی آیتیں ۲۲۷ ہیں،

لیکن یہ امتیاز ہر جگہ قائم نہیں، اکثر جگہوں کے اعتبار سے ہے چنانچہ بعض جگہ مکی آیتیں لمبی اور مدنی آیتیں چھوٹی بھی ہیں،

دوسرا امتیاز دوسرا امتیاز یہ ہے کہ مدنی آیات میں لوگوں کو عام طور پر "یا أیھا الذین آمنوا" کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے "یا أیھا الناس" کے ذریعہ بہت کم خطاب ہوا ہے۔ اس کے برعکس مکی آیات میں عام طور پر "یا أیھا الناس" کہہ کر خطاب فرمایا گیا ہے اور کسی بھی مکی آیت میں "یا ایھا الذین آمنوا" کا اندازِ خطاب ہمیں نظر نہیں پڑا، البتہ سات مدنی آیات ایسی ہیں جن میں "یا أیھا الناس" کہکر خطاب ہوا ہے۔

(۱) یا ایھا الناس اعبدوا ربکم (۲) یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا۔ یہ دونوں آیات سورۂ بقرہ میں ہیں (۳) یا ایھا الناس اتقوا ربکم (۴) ان یشأ یذھبکم ایھا الناس (۵) یا ایھا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم (۶) یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم، یہ چاروں سورۂ نساء میں ہیں، (۷) یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ، یہ سورۂ حجرات میں ہے،

تیسرا امتیاز تیسرا اہم امتیاز معنوی ہے اور وہ یہ کہ کسی بھی مکی آیت میں کوئی تفصیلی قانون بیان نہیں ہوا بلکہ زیادہ تر توحید اور وجودِ خدا کے دلائل، عذاب کی سختیاں، یوم قیامت

کی ہولناکیاں، جنت کی نعمتیں، فضائلِ اخلاق کی ترغیب اور سابق امتوں کا عبرتناک انجام ان آیتوں کا موضوع ہے، اور جہاں تک تفصیلی قوانین کا تعلق ہے تو وہ زیادہ تر مدنی آیات میں نازل ہوئے ہیں۔

قرآن کے مضامین

قرآن کریم تین چیزوں کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے :-

(۱) اللہ، فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں اور روز قیامت سے متعلق عقائد و احکام، اس قسم کے مباحث علم کلام کا موضوع ہیں،

(۲) وہ احکام جو قلب کے افعال سے متعلق ہیں، مثلاً فضائلِ اخلاق و عادات، یہ چیزیں علم اخلاق (تصوّف) کا موضوع ہیں،

(۳) وہ احکام جو اعضاء و جوارح کے افعال سے متعلق ہیں، شریعت نے کس چیز کا حکم دیا ہے؟ کس سے روکا ہے؟ کس کی اجازت دی ہے؟ یہ کس علم فقہ کا موضوع ہیں،

قرآن میں اسلامی فقہ کی بنیادیں

قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ وہ لوگوں کی اصلاح کے لئے نازل ہوا ہے، اور اسی لئے وہ کسی چیز کا حکم دیتا اور کسی سے روکتا ہے :-

یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث (اعراف)	وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، اچھی چیزوں کو ان کے لئے حلال اور گندی چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتا ہے،

اس سلسلہ میں شریعت نے تین بنیادی چیزوں کی بطور خاص رعایت رکھی ہے :-

(۱) عدم الحرج : یعنی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ لوگوں پر تنگی نہ ہو،

(۲) تقلیل التکالیف : یعنی یہ کہ تکلیف کم سے کم ہو،

(۳) تدریج : یعنی کوئی حکم دفعۃً نازل نہ کیا جائے بلکہ اس میں تدریج کا پہلو اختیار کیا جائے،

عدم الحرج

عربی زبان میں "حرج" کے لغوی معنی تنگی کے ہیں، اس بات کی بے شمار دلیلیں ہیں کہ یہ شریعت محمدیہ تنگی رفع کرنے کے اصول پر مبنی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم (اعراف)	اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں،

ہمیں ایک دعا کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہٗ علی الذین من قبلنا، ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ (بقرہ)

اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے، اے ہمارے رب ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو،

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا کہ :۔

فَعَلْتُ یعنی میں یہ کام کر چکا ہوں، ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

(۳) لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا (بقرہ) — اور اللہ نہ کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو،

(۴) یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرہ) — اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے، اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں،

(۵) وما جعل علیکم فی الدین من حرج (حج) — اور تم پر دین کے (احکام میں) کسی قسم کی تنگی نہیں کی،

(۶) یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا (نساء) — اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے،

(۷) ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (مائدہ) — اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں،

اس کے علاوہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بُعثت بالحنیفیۃ السمحۃ (یعنی میں سیدھی سادی اور آسان شریعت دیکر بھیجا گیا ہوں)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عادت شریفہ حدیث میں مذکور ہے کہ :۔

مَا خُیِّرَ بین امرین الا اختار ایسرھما مالم یکن اثما — آپ کو جب بھی دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا اختیار دیا جاتا تو آپ آسان ترین کو اختیار کرتے تاوقتیکہ وہ گناہ نہ ہو،

اس طرح کی بیشمار آیات اور احادیث "عدم الحرج" کے اصول کو ثابت کرتی ہیں، اسی وجہ سے فقہاءؒ نے اسے شریعت کا ایک بنیادی اصول قرار دیا ہے اور اس سے بہت سے احکام مستنبط کئے ہیں، اسی

اصول کے تحت شریعت نے مختلف حالات میں مختلف سہولتیں عطا فرمائی ہیں، مثلاً مسافر کے لئے افطار اجازت ضرورت کے وقت حرام چیز کا حلال ہو جانا اسی طرح پانی کی عدم موجودگی میں وضو کی اجازت اسی اصول پر مبنی ہے،

تکالیفؑ کی کمی

یہ "عدم احرج" کا ایک لازمی نتیجہ ہے اس لئے کہ تکلیفوں کے زیادہ ہونے میں تنگی ہے، اگر تکلیفوں کی کمی نہ ہوتی تو لوگ تنگی میں مبتلا ہو جاتے اس لئے تکالیف کے بارہ میں یہ اصول بنا لیا گیا کہ وہ کم سے کم ہونی چاہئیں،

جس شخص کو قرآن کریم سے کچھ مناسبت ہو وہ اس اصول کی صحت کا ضرور قائل ہو جائے گا اس لئے کہ قرآن میں اسے تکلیفیں کم سے کم نظر آئیں گی اور جتنی ہوں گی ان میں سے ہر ایک کا علم حاصل کرنا بھی آسان ہوگا اور ان پر عمل کرنا بھی، اس میں اتنی تفصیلات بھی نہ ہوں گی کہ لوگوں کے واسطے الجھن کا باعث ہوں،

اس اصول کی طرف ہمیں مندرجہ ذیل آیت سے رہنمائی ملتی ہے :۔

یا ایھا الذین امنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسألوا عنھا حین ینزل القرآن تبد لکم	اے ایمان والو ایسی فضول باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو، اور تم زمانۂ نزولِ قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کردی جائیں،

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کے بارہ میں سوال کرنے سے منع فرمایا ہے جنہیں اللہ نے ابھی تک حرام قرار نہیں دیا، اور فرمایا کہ ہو سکتا ہے تمہارا سوال ان کے حرام ہونے کا سبب بن جائے، اور اگر تم نہ پوچھو تو حسب سابق اس مسئلہ میں کوئی ہدایت نہ آئے اور تمہیں اس کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار رہے،

جب حج کا حکم نازل ہوا تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ حج کرنا ہر سال واجب ہے یا ایک مرتبہ کرنے سے ادا ہو جائے گا" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس وقت "ہاں" کہہ دیتا تو حج ہر شخص پر ہر سال واجب ہو جاتا، پھر فرمایا کہ جن چیزوں کا بیان میں خود نہ کروں اس کے بارہ میں زیادہ سوال نہ کیا کرو، سابقہ امتوں کی تباہی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ سوالؒ زیادہ کیا کرتے تھے

عہ "تکلیف" کا مطلب اصطلاح شرع میں کسی چیز کو واجب، جائز یا حرام قرار دینا ہے اسکا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اور اسی بنا پر بالغ، عاقل شخص کو مکلف کہا جاتا ہے ۱۲ مترجم ؒ یعنی سوال زیادہ کرنے پر جب کوئی چیز حرام یا واجب کردی جاتی تو وہ اس کی پابندی نہ کرتے اور نتیجۂ عذاب نازل ہوتا ۱۲ مترجم

اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے تھے ایک اور جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس شخص کا ہے جس نے کسی مباح چیز کے بارہ میں سوال کیا اور اس کے سوال کی بناء پر وہ چیز مسلمانوں پر حرام ہو گئی' ایک اور جگہ آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں' ان سے تجاوز مت کرو' اور بعض چیزوں کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا ہے جس کی وجہ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اس شئے کا حکم بھول گئے ہیں بلکہ اس کی بنیاد صرف شفقت و رحمت ہے اس لئے تم ان چیزوں کی جستجو میں نہ پڑو'

سنت کے بیان میں ہم اس کی مزید توضیح کریں گے'

تدریج جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قرآن نازل ہوا تو اہل عرب میں بیشمار عادتیں جڑ پکڑ چکی تھیں' جن میں سے بعض تو ایسی تھیں جن سے زندگی کے مسائل پر کوئی بُرا اثر مرتب نہیں ہوتا تھا اور بعض وہ تھیں جو ان کے لئے سخت مُضر تھیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان عادتوں سے باز رکھنا چاہتے تھے'

اس قسم کی عادات بد چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تقاضا سے کوئی حکم ایک دم سے نازل نہیں فرمادیا بلکہ اس میں تدریج کا پہلو اختیار فرمایا' یعنی پہلے ان کے ذہن کو آنے والے حکم کے لئے رفتہ رفتہ ہموار کیا اور پھر کوئی حکم نازل فرمایا' اسی ضمن میں بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جو حکم پہلے نازل ہوا تھا' بعد اس کے خلاف کوئی حکم نازل فرمایا گیا' مگر یہ سب مصلحت پر مبنی تھا اور غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نعوذ باللہ سابقہ حکم غلط تھا اور جب اس کی غلطی ظاہر ہوئی تو دوسرا حکم نازل کیا گیا۔

ہم اس بات کو ایک مثال سے واضح کریں گے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور قمار کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟ اور یہ دونوں چیزیں اہل عرب کے معاشرے میں بُری طرح رچ چکی تھیں' جواب میں قرآن نے فرمایا :-

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔	لوگ آپ سے شراب اور قمار کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں بڑی بڑی گناہ کی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے

لئے (بعض) فائدے بھی ہیں اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں'

اس جواب میں اللہ تعالیٰ نے صراحۃً یہ نہیں فرمایا کہ شراب حرام ہے اسے چھوڑ دو بلکہ صرف یہ کہنے پر

اکتفا کیا کہ اس کے نقصانات منافع کی نسبت سے زیادہ ہیں، اگرچہ یہ بات بھی ایک سلیم الفکر انسان کے لئے شراب چھوڑنے کا داعیہ بن سکتی ہے کہ جس فعل کے نقصانات غالب ہوں اُسے چھوڑ ہی دینا چاہیئے اس لئے کہ کوئی چیز خواہ کتنی ہی بُری کیوں نہ ہو اس میں کوئی نہ کوئی اچھائی کا عنصر بھی ضرور ہوتا ہے، کسی فعل کے بُرے یا اچھے ہونے کا فیصلہ اسی معیار پر کیا جا سکتا ہے کہ اس کے نقصانات زیادہ ہیں یا فائدے؟ تاہم اللہ تعالیٰ نے تصریح کی بجائے شراب کے نقصانات واضح فرمائیے،

پھر حکم نازل ہوا کہ یا أیھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وأنتم سکاریٰ (یعنے اے مؤمنو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ) اس محکم نے پہلے حکم کو باطل قرار نہیں دیا بلکہ اس کی مزید تائید کر دی، اس کے بعد صاف صاف لفظوں میں اللہ جل شانہ نے اعلان فرما دیا کہ:۔

یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر و المیسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تُفلحون انما یرید الشیطان أن یوقع بینکم العداوۃ والبغضاءَ فی الخمر والمیسر ویصدّکم عن ذکر اللہ وعن الصلاۃ فھل أنتم منتھون (المائدہ)	اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعے کے تیر، یہ سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ ہو تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے آپس میں بغض اور عداوت واقع کرے، اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے، پس کیا ہو تم باز رہنے والے،

اس تدریج کے اصول سے ایک اور ضمنی اصول بھی نکل آیا اور وہ یہ کہ پہلے احکام اجمالاً بیان کئے جائیں اور بعد میں تفصیلی طور پر، اس اصول کا عمل مکی اور مدنی فقہ کے درمیان موازنہ کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے، اس لئے کہ مکی زندگی میں شاذ و نادر ہی کوئی تفصیلی حکم نازل ہوا ہے اور اس کے برعکس مدنی زندگی میں مکی کی نسبت سے بہت زیادہ تفصیلی احکام نازل ہوتے ہیں، بالخصوص وہ احکام جو تمدنی زندگی سے متعلق ہیں زیادہ تر مدنی دور ہی میں دیئے گئے ہیں، مکی دور میں صرف وہ احکام ہیں جو عقیدہ کو شرک کی آلودگی سے محفوظ رکھتے ہیں مثلاً اُس ذبیحہ کا حرام ہونا جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو،

قرآن کی حجیت

قرآنِ کریم دین کی عمارت کی بنیاد ہے اور یہی وہ رسی ہے جسے مضبوط پکڑنے کا حکم اللہ تعالیٰ

نے ان الفاظ میں دیا ہے :۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولا تفرّقوا (آل عمران) — اور مضبوط پکڑے رہو تم اللہ کے سلسلہ کو اور باہم نااتفاقی مت کرو!

جہاں تک قرآن کی حجیت کا تعلق ہے سو یہ تو وہ مسلّمہ مسئلہ ہے جس پر کوئی دلیل و برہان قائم کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن میں کوئی حکم ایسا ہے جس پر عمل کرنا پہلے ضروری تھا اور بعد میں کسی اور حکم نے اس کی جگہ لے لی اور اس پر عمل کرنا ضروری نہیں رہا ؟ بالفاظ دیگر کیا قرآن کی کوئی آیت ہے، یہ سوال خاصی اہمیت کا حامل ہے اور اس کا جواب دینا ضروری ہے، اس لئے ہم اس مسئلہ کو خوب واضح کر دینا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے،

نسخ کا مطلب

فقہاء کی اصطلاح میں "نسخ" کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے :۔

(۱) کسی نئی نص کی بناء پر اس حکم کو باطل کر دینا جو کسی سابقہ نص سے ثابت ہوا تھا، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا۔ — میں نے پہلے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا، اب سن لو کہ تم قبروں پر جا سکتے ہو،

اس میں پہلی نص نے قبروں پر جانے سے ممانعت کا حکم صادر کیا تھا، دوسری نے آکر اس کی اجازت دیدی

(۲) نسخ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک حکم پہلے عام تھا اب کسی دوسری نص کے ذریعہ اس کے عموم کو ختم کر دیا جائے یا کوئی حکم پہلے مطلق تھا اب کسی نص کے ذریعہ اس میں کوئی قید لگا دی جائے، مثلاً سورۃ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا :۔

والمطلّقات یتربّصن بانفسھنّ ثلٰثۃ قروء۔ — اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو نکاح سے روکے رکھیں تین حیض تک

یہ حکم ہر مطلقہ عورت کو شامل تھا کہ جس عورت کو بھی طلاق دی گئی ہو اسے تین ایام ماہواری گذرنے تک "عدت" میں رہنا چاہیے، اس حکم میں وہ عورت بھی شامل تھی جس کے ساتھ مرد خلوت کر چکا ہو اور وہ بھی جس کے ساتھ خلوت نہ ہوئی ہو، پھر سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

اذا نکحتم المومنات ثمّ طلّقتموھنّ من قبل ان تمسّوھنّ فما لکم علیھنّ — جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر تم ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو، تو

من عدۃ تعتدونها — تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو

اس نص نے ایسی عورت کا حکم پہلے حکم سے جدا کر دیا جس کے ساتھ مرد نے خلوت نہ کی ہو اس طرح اس آیت نے پہلی آیت کے عموم کو ختم کر دیا"

اسی طرح سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:-

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ — اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پہ اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں، تو ایسے لوگوں کو اسی دُرّے لگاؤ،

یہ حکم ہر تہمت لگانے والے کے لئے عام تھا شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو وہ بھی اسی حکم کے تحت داخل تھا مگر پھر سورۂ نور ہی میں فرمایا کہ:-

والذین یرمون أزواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ أحدھم أربع شھادات باللہ إنہ لمن الصادقین — اور جو لوگ اپنی (منکوحہ) بیویوں کو (زنا) کی تہمت لگائیں، اور ان کے پاس بجز اپنے اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں،

اس آیت نے پہلی آیت کے عموم کو ختم کر کے تہمت لگانے والے کے لئے ایک مخصوص اور جداگانہ حکم عنایت فرمایا یعنی پانچ قسموں کو چار گواہوں کے قائم مقام کر دیا' اور عورت کے لئے حدِ زنا سے بچنے کے لئے علیحدہ پانچ قسمیں تجویز فرما دیں'

یہ دو مثالیں تو وہ تھیں جن میں ایک عام حکم کی آیت کو مخصوص کیا گیا تھا' اب ایک مثال ایسی بھی دیکھ لیجئے جس میں مطلق حکم کی آیت کو کسی قید کا پابند کر دیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتے ہیں

حُرّمت علیکم المیتۃ والدم — تم پر مردار اور خون حرام کر دیا گیا اس آیت میں

"خون" کی حُرمت مطلق ہے' خواہ خون بہتا ہوا ہو یا نہ ہو ہر ایک کو شامل ہے' پھر سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا

قُل لا أجد فیما اوحی إلیّ محرّماً علی طاعم یطعمہٗ إلا ان یکون میتۃً أو مسفوحاً الخ — آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام میرے پاس بذریعہ وحی آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو' یا کہ وہ بہتا ہوا خون ہو الخ

اس آیت نے "خون" کے ساتھ مسفوح یعنی بہنے والے کی قید لگا دی جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف

یعنے دلانخوں حرام ہے۔

نسخ کی اس دوسری قسم کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن کریم میں موجود ہے خواہ ہمیں معلوم ہو کہ نزول کے اعتبار سے وہ آیت مقدم ہے جو عام یا مطلق ہے یا وہ جو خاص یا مقید ہے، اسی طرح بعض اوقات ہمیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا کہ آخر میں نازل ہونے والی آیت سابقہ آیت کے فوراً بعد نازل ہوگئی تھی یا کچھ عرصہ کے بعد،

نسخ کی اس قسم کا کیا نام ہے؟ اس کے بارے میں البتہ علماء میں اختلاف ہوگیا ہے بعض حضرات نے اسے بھی "نسخ" کا نام دیا ہے اور بعض حضرات اسے "تخصیص العام" یا "تقیید المطلق" کے نام سے یاد کرتے ہیں ہم اس اختلاف کو زیادہ اہم نہیں سمجھتے جب دونوں کا مقصد اور مفہوم ایک ہی ہے تو اب خواہ کوئی بھی نام رکھ لیا جائے،

اس قسم کے بارے میں خلاصہ کے طور پر اتنی بات کافی ہے کہ قرآن کی جو نص عام ہوتی ہے اُسے مکمل طور پر باطل نہیں کیا جاتا بلکہ وہ "تخصیص" آنے کے بعد بھی مستثنات (EXCEPTIONS) کے سوا دوسری چیزوں میں بدستور کارفرما رہتی ہے اور درحقیقت اس تخصیص کی بنیاد وہی "تدریج" کی حکمت ہوتی ہے، اب دین و شریعت کے مکمل ہوجانے کے بعد عام اور خاص آیتوں کی حیثیت ایک ہی نص کی ہوجاتی ہے جس میں کوئی استثناء (EXCEPTIONS) پایا جاتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی کہیں نشاندہی نہیں فرمائی کہ ان میں سے کونسی آیت پہلے نازل ہوئی اور کونسی بعد میں؟ علماء نے بھی یہ بات جاننا کوئی ضروری نہیں سمجھا کیونکہ مآل کار یہ دونوں آیتیں ایک ہی آیت کے حکم میں ہیں،

نسخ کی پہلی قسم (یعنی قرآن میں کسی ایسی آیت کا موجود ہونا جس کا حکم باطل ہوچکا ہو اور اب وہ صرف تلاوت کی جاتی ہو اس پر عمل نہ ہوتا ہو) سو اس کا وجود محلِ نظر ہے،

اس لئے کہ کسی نئی آیت کا سابقہ آیت کے حکم کو باطل کردینا دو چیزوں پر موقوف ہے، ایک تو یہ کہ نئی آیت بصراحت یہ اعلان کردے کہ اُس نے سابقہ آیت کا حکم باطل کردیا ہے، دوسرے یہ کہ دونوں آیتوں میں اتنا تضاد پایا جاتا ہو کہ دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہ ہو، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن میں کہیں یہ دونوں باتیں مانی جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر انکا وجود ہو تو ماننا پڑے گا کہ قرآن میں نسخ ہے اور اگر یہ باتیں موجود نہیں تو نسخ کا وجود بھی نہ ہوگا،

لہ مثلاً جب "عدت" کے حکم سے وہ عورت خارج ہوگئی جس کے ساتھ مرد نے خلوت نہ کی ہو تو اس تخصیص کے بعد بھی بقیہ تمام عورتوں پر عدت ضروری رہی ۱۲ مترجم

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو ہماری نظر میں قرآن کے اندر کہیں یہ بات نہیں کہ اُس نے ماقبل کے کسی حکم کو باطل کرنے کا اعلان کیا ہو جو حضرات قرآن میں نسخ کے وجود کے قائل ہیں وہ زیادہ سے زیادہ تین جگہوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جن میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیت نے ماقبل کے حکم کو باطل کر دیا۔

(۱) سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

یا أیتھا النبی حرض المؤمنین علی القتال إن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وإن یکن منکم مائۃ یغلبوا ألفاً من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون	اے پیغمبر آپ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے (اسی طرح) سو آدمی ہوں گے، تو ایک ہزار پر غالب آجائیں گے، اس وجہ سے کہ وہ

ایسے لوگ ہیں جو دین کو کچھ نہیں سمجھتے،

پھر اس کے فوراً بعد ایک آیت میں ارشاد ہے :۔

الآن خفف اللہ عنکم وعلم أن فیکم ضعفاً فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم ألف یغلبوا ألفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین	اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے، سو اگر تم میں کے سو آدمی صبر کرنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں کے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ

صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں،

اگرچہ بظاہر یہ آیتیں ایک خبر معلوم ہوتی ہیں کہ کم مسلمان زیادہ کفار پر غالب آجائیں گے مگر درحقیقت یہ حکم ہے کہ اتنے مسلمان اتنے کافروں سے مغلوب ہو کر نہ بھاگیں، اس لئے کہ اسی سورت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

یا أیتھا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا۔	اے ایمان والو جب تم کو کسی جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہو تو ثابت قدم رہو،

اس آیت میں تو بغیر کسی تحدید کے ہر حال میں ثابت قدمی کو ضروری قرار دیا گیا ہے مگر پہلی دو آیتوں میں ایک خاص عدد کی تعیین کر دی گئی ہے کہ اتنے کفار سے مغلوب ہو کر فرار اختیار کرنا جائز نہیں، چنانچہ پہلی آیت میں تو یہ حد مقرر کی گئی ہے کہ جب اپنے سے دس گنا زائد یا اس سے کم کفار ہوں تو فرار اختیار

کرنا جائز نہیں، اور یہ بات "حکم" کی صورت میں نہیں کہی گئی بلکہ اس میں "خبر" کا انداز اختیار کیا گیا ہے تاکہ ان میں جوش اور غیرت پیدا ہو،

پھر دوسری آیت آئی جس نے اعلان کر دیا کہ اللہ نے تمہارے ضعف کو دیکھ کر اب تخفیف کر دی ہے مقصد یہ ہے کہ پہلے تم میں ضعف نہ تھا اب ضعف پیدا ہو گیا تو تخفیف بھی کر دی گئی اور اگر پہلے ضعف ہوتا تو سابقہ حکم نازل نہ کیا جاتا،

لیکن اگر اسے نسخ کہنے کی بجائے یہ کہدیا جائے تو ہماری نظر میں بیجا نہ ہو گا کہ دراصل دوسری آیت پہلے حکم کے لئے ناسخ نہیں بلکہ ضعف کے عارض کی بنا پر اس میں ایک تخفیف پیدا کر رہی ہے اور اگر یہ عارض زائل ہو جائے تو اصل حکم بدستور برقرار رہے گا اور اگر لوگوں میں پھر سے یہی قوت پیدا ہو جائے تو پھر وہی حکم لوٹ آئے گا اگر دس گنے سے کم ہوں تو راہ فرار اختیار کرنا جائز نہ ہو گا،

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پہلی آیت میں (جس میں دس گنے کفار سے نہ بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے) عشروں کے ساتھ صابرون کی قید لگی ہوئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بیس "صبر کرنے والے" مسلمان ہوں تو وہ دو سو کفار کے سامنے مغلوب نہ ہوں، گویا جب تک صبر کی صفت موجود ہو اس وقت تک پہلے حکم کا عمل رہے گا اور صبر نہ ہو تو دوسرا حکم موجود ہے اور قوت صبر کے لوازم میں سے ہے

ہماری نظر میں یہ بات بہت بعید ہے کہ دوسری آیت کا حکم ہر حال کو شامل ہے خواہ ضعف ہو یا نہ ہو یہی حکم رہے گا، اس اعتبار سے دوسری آیت کو منسوخ نہیں کہا جائے گا،

(۲) سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

یاایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفہ أو انقص منہ قلیلا أو زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا انا سنلقی علیک قولا ثقیلا إن ناشئۃ اللیل ھی أشد وطاً وأقوم قیلا ان لک فی النھار سبحا طویلا	اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس سے بھی کچھ کم کردو، یا نصف سے کچھ بڑھادو، اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو، (ایک ایک حرف الگ الگ ہو) ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (مراد قرآن ہے) بیشک

رات کے اُٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے بیشک آپ کو دن بھر بہت کام رہتا ہے، پھر اسی سورت کے آخر میں ارشاد ہے :-

انّ ربّک یعلم أنّک تقوم أدنیٰ من	آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ

ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَنِصۡفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ ؕ وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ ؕ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی ۙ وَاٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۫ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ ۙ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۔

(سورۂ مزّمّل)

والوں میں سے بعضے آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کرسکتا ہے، اس کو معلوم ہے کہ تم اس (تقدیر وقت) کو ضبط نہیں کرسکتے تو (صرف وجوہ سے) اس نے تمہارے حال پر عنایت کی سو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کردیا) سو (اس لئے بھی تم کو اجازت ہے کہ اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو اور نماز (فرض) کی پابندی رکھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو۔

ان میں پہلی آیت صراحت کے ساتھ یہ حکم دے رہی ہے کہ رات کو تہجد کی نماز پڑھنا ضروری ہے اور وہ آدھی رات کے قریب قریب مقدار میں ہونا چاہئے، اس آیت میں براہ راست خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے،

دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت بھی اس حکم کی تعمیل میں رات کو تہجد پڑھا کرتے تھے پھر اسی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اب ایک سبب پیدا ہوگیا جس کا تقاضا ہے کہ پہلے حکم میں تخفیف کی جائے اور وہ یہ کہ ان (صحابہ) میں سے بعض حضرات وہ بھی ہوں گے جو بیمار رہیں بعض مسافر ہوں گے اور بعض جہاد میں مصروف ہوں گے اس لئے اب حکم اتنا آسان کردیا گیا کہ قرآن کریم میں سے جتنا حصہ بہ آسانی پڑھ سکیں اتنا پڑھ لیں،

لیکن درحقیقت یہاں بھی دوسری آیت نسخ نہیں کررہی، بلکہ دراصل پہلا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا، آپ ہی پر تہجد واجب کیا گیا تھا، صحابہؓ نے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں تہجد پڑھنا شروع کردیا تھا، اس لئے یہ تخفیف بھی انہی کے لئے تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کے نزول کے بعد بھی وہی حکم باقی رہا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہی رائے ہے اور اس کے مطابق نسخ لازم نہیں آتا، نسخ تو اس وقت لازم آتا جب دوسری آیت عمومی طور سے ہر ایک

کے لئے تخفیف کرتی حالانکہ معاملہ ایسا نہیں لہٰذا اس سے بھی نسخ کا وجود ثابت نہیں ہوتا'

(۳) سورۂ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

یا أیھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ ذلک خیر لکم وأطھر فان لم تجدوا فان اللہ غفور رحیم

اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے پھر اگر تم کو (صدقہ دینے کی) مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

پھر اسی سورت میں ارشاد ہے :-

ءأشفقتم أن تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقات فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فأقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکاۃ وأطیعوا اللہ ورسولہ

کیا تم اپنی سرگوشی سے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو (خیر) جب تم (اس کو) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور رسول کا کہنا مانا کرو۔

ان میں سے پہلی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خفیہ مشورہ کے لئے کچھ صدقہ کو واجب کرتی ہے' اور دوسری آیت اس وجوب کو ختم کر رہی ہے مگر اس میں نسخ کی تصریح نہیں اس لئے اس سے بھی نسخ کا حتمی وجود ثابت نہیں ہوتا'

(۲) نسخ کا دوسرا طریقہ کے جونکہ دو نصوص باہم اس درجہ متضاد ہیں کہ ان میں سے ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دیئے بغیر چارہ نہیں' تو ہمیں ایسی کوئی صورت بھی قرآن میں نہیں نظر آتی جس پر اس طرح نسخ کا حکم لگایا جائے'

ہم نے اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں اس مسئلہ پر مزید تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے' ان تمام آیتوں کو پیش کر کے جن میں نسخ کا احتمال ہو سکتا ہے اُن علماء کی جانب سے جواب دیا ہے جو نسخ کے قائل نہیں' علماءِ سلف میں سے علامہ ابو مسلم اصفہانی' جو بڑے درجہ کے مفسرین میں سے ہیں اسی بات کے قائل تھے کہ قرآن میں نسخ نہیں' اُن کے اقوال ہم پر امام رازیؒ کی تفسیر میں نظر سے گذرے ہیں' امام رازیؒ کے انداز سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں علامہ ابو مسلمؒ کی رائے کی جانب مائل ہیں'

طلب اور تخییر کے مسائل میں قرآن کا انداز بیان

لوگوں سے کسی چیز کو طلب کرنے یا انہیں کسی مسئلہ میں خود مختار بنانے کے لئے قرآن نے کسی ایک انداز اور اسلوب کا التزام نہیں کیا، بلکہ مختلف اور متنوع انداز بیان سے وہ طلب اور تخییر کے احکام صادر کرتا ہے، ہمیں قارئین کے سامنے اُن تمام اسالیب کو بیان کر دینا سود مند معلوم ہوتا ہے،

طلب کے انداز

قرآن نے کسی بات کو طلب کرنے کے لئے مختلف انداز اور اسالیب استعمال کئے ہیں :-

(۱) امر صریح، جیسے سورہ نحل میں فرمایا :-

ان اللّٰہ یأمرکم بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ۔ — بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں۔

اور سورۂ نساء میں ارشاد ہے :-

ان اللّٰہ یأمرکم أن تؤدّوا الامانات الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین النّاس أن تحکموا بالعدل۔ — بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو،

(۲) کہیں اسپات کی خبر دیکر حکم لازم کیا گیا ہے کہ فلاں کام تم پر فرض کیا جا چکا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ میں ہے۔

کُتب علیکم القصاص فی القتلیٰ — تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے

(اور)

کُتب علیکم اذا حضر أحدکم الموت ان ترک خیران الوصیۃ۔ — تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کیلئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اسکا نام وصیت ہے)

(اور)

کُتب علیکم الصّیام (اور) — تم پر روزہ فرض کیا گیا

ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنٰھا — اور انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے

علیہم (امر)	ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا۔
کتاب اللہ علیکم (امر)	اللہ تعالی نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے
ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا۔	یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

(۳) کہیں اسبات کی خبر دی گئی ہے کہ فلاں فعل تمام لوگوں پر یا کچھ مخصوص لوگوں پر واجب ہے مثلاً:۔

(أ) وَللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔	اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے (یعنی) اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی۔
(ب) وعلی المولود لہٗ رزقھن وکسوتھن بالمعروف	اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق۔
(ج) وعلی الوارث مثل ذلک	اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو
(د) وللمطلقات متاع بالمعروف حقاً علی المتقین	اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہو رہے ان پر جو (شرک وکفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔

(۴) کہیں یہ انداز اختیار کیا ہے کہ جن لوگوں پر کسی فعل کو واجب قرار دینا ہے ان کے بارے میں یہ خبر دیدی گئی ہے کہ وہ لوگ یہ کام کرتے ہیں، اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ انہیں یہ کام کرنا چاہیئے مثلاً:۔

والمطلقات یتربصن بأنفسھن ثلاثۃ قروء والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بأنفسھن أربعۃ أشھر وعشرا (سورۂ بقرہ)	اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن۔

یہ اسلوب کبھی تو طلب کو مؤکد کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے جس کی مثال اوپر گذری، اور کبھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری نہیں، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:۔

والوالدات یرضعن أولادھن حولین کاملین لمن أراد أن	اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ بات اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی

يتمّ الرّضاعة ۔ کی تکمیل کرنا چاہے۔

دیکھئے یہاں دو سال تک بچے کو دودھ پلانا ضروری نہیں، کسی وجہ سے اگر صرف ایک سال دودھ پلایا جائے تو کوئی گناہ نہیں :۔

(۵) کہیں "امر" کے صیغہ سے فعل کو واجب کیا گیا ہے مثلاً :۔

حافظوا على الصلوات وَالصّلٰوة الوسطٰى وقوموا لله قانتين (امد)

محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

ثمّ ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطّوّفوا بالبيت العتيق (حج)

پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا میل کچیل دور کر دیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور ان ہی ایام معلومات میں اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

(۶) کہیں "فرض" کا لفظ استعمال کر کے فعل کو واجب کیا گیا ہے مثلاً :۔

قد علمنا ما فرضنا عليهم في أزواجهم وما ملكت أيمانهم (احزاب)

ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں۔

(۷) کبھی مطلوب فعل کو کسی شرط کی جزا بنا کر ذکر کر دیا گیا ہے، مگر یہ طریقہ عام نہیں :۔

فان أحصرتم فما استيسر من الهدى ـــ فمن كان منكم مريضاً أو به أذىً من رأسه ففدية من صيام أو صدقة أو نسك (بقرہ) اور

پھر اگر کسی دشمن یا مرض کے سبب) روک لئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرے) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو جس سے پہلے ہی سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے) تو (وہ سر منڈوا کر) فدیہ (یعنی اس کا شرعی) دیدے (تین) روزہ سے یا (چھ مسکین کو) خیرات دیدے (یا ایک بکری) ذبح کر دینے سے

وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة (بقرہ)

اور اگر تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک

(۸) کہیں کسی فعل کے لئے لفظ "خیر" استعمال کیا گیا ہے :۔

ويسئلونك عن اليتامى قل

اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے

اصلاح لهم خير (بقرہ) — کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے

(۹) کہیں کسی فعل کے صلہ میں کسی وعدے کا ذکر ہے جیسے:۔

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفهٗ لهٗ اضعافاً کثیرۃ (بقرہ)

کوئی شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے

(۱۰) کہیں کسی فعل کو نیکی قرار دیا ہے یا نیکی کی طرف پہنچانے والا قرار دیا گیا ہے مثلاً

ولکنّ البرّ من آمن باللہ الخ (بقرہ)

لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے۔

ولکنّ البرّ من اتقیٰ (بقرہ)

ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام (چیزوں) سے بچے۔

لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا مما تحبّون

تم خیر (کامل) کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔

ممانعت کے انداز

اسی طرح کسی فعل سے روکنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اسلوب اختیار فرمائے ہیں،

(۱) نہی صریح، مثلاً:۔

وینهیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی (نحل)

اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

انّما ینهاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین وأخرجوکم من دیارکم وظاهروا علیٰ إخراجکم أن تولّوهم (ممتحنہ)

صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور اگر نکالا بھی نہ ہو (لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی مدد کی ہو)

(۲) صریح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے مثلاً:۔

انّما حرّم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغی بغیر الحق

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی

وأن تشرکوا باللہ مالم ینزّل بہ سلطاناً وأن تقولوا علی اللہ مالا تعلمون (اعراف)

اوران میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھیراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات رکھو جس کی تم سند نہ رکھو۔

قُل تعالوا أتْلُ ماحرّم ربّکم علیکم (انعام)

آپ (ان سے) کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جس کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے۔

وحُرّمِ ذٰلک علی المؤمنین (نور)

اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔

(۳) کہیں کسی چیز کے بارہ میں یہ حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ یہ حلال نہیں مثلاً

لا یحلّ لکم أن ترثوا النّساء کرھا (نسآ)

تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ

ولا یحلّ لکم أن تأخذوا ممّا آتیتموھنّ شیئًا الاّ أن یخافا ألا یقیما حدود اللہ (بقرہ)

اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی ہو (گو) اس میں سے (بھی) جو تم نے ان کو (مہر میں دیا تھا) مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قایم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قایم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں

ولا یحلّ لھنّ أن یکتمن ماخلق اللہ فی أرحامھنّ (بقرہ)

اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں۔

(۴) کہیں "نہی" کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، مثلاً کہا گیا کہ ایسا نہ کرو یا کسی فعل کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے "اسے چھوڑ دو" مثلاً:۔

ولا تقربوا مال الیتیم إلاّ بالتی ھی أحسنُ (انعام)

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر (ایسے طریقہ سے) جو کہ مستحسن ہے۔

وذروا ظاھر الاثم و باطنہٗ (انعام)

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔

ودع أذاھم (احزاب) | اوران کی طرف سے جو اندر پہنچے اسکا خیال نہ کیجئے۔

(۵) کہیں کسی فعل کو نیکی کے خلاف قرار دیا گیا ہے جیسے :-

لیس البرّ اَن تولّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب (بقرہ) | کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو۔

ولیس البرّ باَن تأتوا البیوت من ظھورھا (بقرہ) | اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو۔

(۶) کہیں کسی فعل کی نفی کردی گئی ہے اور مقصود نہی ہے :-

فان انتھوا فلا عُدوان الا علی الظالمین (بقرہ) | اور اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجاویں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔

فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (بقرہ) | سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات (جائز ہے) اور نہ کوئی بے حکمی (درست ہے) اور نہ کسی قسم کا نزاع جائز ہے۔

لا تُضارّ والدۃٌ بولدھا ولا مولودٌ لہٗ بولدہٖ (بقرہ) | کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے۔

(۷) کہیں کسی فعل کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے کرنے سے گناہ ہوگا جیسے :-

فمن بدّلہٗ بعد ما سمعہٗ فانّما اثمہٗ علی الّذین یبدّلونہٗ (بقرہ) | پھر جو شخص اس (وصیت) کے سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے۔

(۸) کہیں کسی فعل پر کوئی دھمکی دی گئی ہے مثلاً :-

والّذین یکنزون الذّھب والفضّۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشّرھم بعذاب الیم (توبہ) | اور (غایت حرص سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کرکر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔

والّذین یاکلون الرّبٰوا لا یقومون | اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہونگے

الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس (بقرہ)

(قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش)

(۹) کہیں کسی فعل کو "شر" قرار دیا گیا ہے مثلاً:-

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم اللہ من فضلہ ھو خیراً لھم بل ھو شر لھم (آل عمران)

اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لئے اچھی نہ ہوگی بلکہ یہ بات ان کی بہت ہی بری ہے۔

تخییر کے انداز

کسی کام میں بندے کو اختیار دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اسالیب استعمال فرمائے ہیں:-

(۱) کہیں "فعل" یا اس سے متعلق کسی چیز کو حلال قرار دیا گیا ہے مثلاً:-

اُحلت لکم بھیمۃ الانعام (مائدہ)

تمہارے لئے چوپائے جو مشابہ انعام (یعنی اونٹ بکری گائے) کے ہوں حلال کئے گئے ہیں۔

(ب) یسئلونک ماذا اُحل لھم قل اُحل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین۔ الیوم اُحل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی۔ آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

(۲) کہیں یہ فرمایا گیا کہ ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں اس کے لئے "اثم" کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔

پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تأخر فلا اثم علیہ

پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر

لمن اتقیٰ — کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو (خدا سے) ڈرے۔

فمن خاف من موص جنفاً أو اثماً فأصلح بینهم فلا إثم علیہ — ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی کی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(۳) کہیں گناہ کی نفی کی گئی اور اس کے لئے "جُناح" کا لفظ استعمال ہوا:-

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فی ما طعموا اذا ما اتقوا وآمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا (مائدہ) — ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں۔

لیس علیکم ولا علیهم جناح بعدهن (نور) — ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ بلا اجازت چلے آنے میں ان پر کچھ الزام ہے۔

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت أو اعتمر فلا جناح علیہ أن یطوف بهما — صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے)

قرآن میں کس قسم کے احکام ہیں؟

قرآن کریم میں بندوں کو مختلف قسم کے احکام کا مکلف کیا گیا ہے۔

(۱) پہلی قسم کے احکام تو وہ ہیں جو عبادات سے متعلق ہیں، یہ براہ راست اللہ اور بندے کا معاملہ ہے، ان کے صحیح ہونے کے لئے نیت بھی ضروری ہے،

پھر ان عبادات کی بھی تین قسمیں ہو جاتی ہیں، ایک تو وہ جو خالص عبادت ہیں مثلاً نماز اور روزہ، دوسری وہ عبادت جو مالی بھی ہے اور اجتماعی بھی، یہ زکوٰۃ ہے، تیسری وہ جو بدنی ہے اور اجتماعی ہے، یہ حج ہے، یہ ان چار عبادتوں کو ایمان کے بعد اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

(۲) دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو انسانوں کے باہمی معاملات سے متعلق ہیں' انکی بھی کئی قسمیں ہیں'

(الف) وہ احکام و قوانین جو دعوتِ اسلام کے تحفظ سے متعلق ہیں یعنی جہاد کے احکام۔

(ب) خاندانی احکام' جو نکاح' طلاق' نسب اور وراثت پر مشتمل ہیں۔

(ج) وہ احکام جن میں لوگوں کے باہمی معاملات سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ مثلاً خرید فروخت اجارہ وغیرہ اسی قسم کو اصطلاح میں معاملات کہتے ہیں'

(د) تعزیری احکام' جن میں قصاص اور حدود کے احکام شامل ہیں' ان کی تفصیل ہم بعد میں بیان کریں گے'

حدیث

حدیث سے ہماری مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریر[۱] ہے۔ اس بات میں کسی مسلمان کو شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛۔

یا ایھا الرّسول بلّغ ما انزل الیک من ربّک (مائدہ)	اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے۔

اور آپؐ ہی قرآن کے معانی مراد کی تشریح و توضیح فرمانے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَ اَنزلنا الیک الذّکر لتبین ما نُزّلِ الیھم ولعلّھم یتفکرون۔ (نحل)	اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں ان کو آپ ان سے ظاہر کردیں اور تاکہ وہ (ان میں) فکر کیا کریں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تشریح کبھی صرف قول سے فرماتے کبھی صرف فعل سے اور کبھی دونوں سے' جبکہ ایک مرتبہ آپؐ نے نماز پڑھی اور پھر فرمایا ؛۔

صلّوا کما رأیتمونی اُصلّی	اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے

ایک اور موقعہ پر آپؐ نے حج کیا اور ارشاد فرمایا ؛۔

خذوا عنّی مناسککم	مجھ سے اپنے حج کے احکام حاصل کرو

---

[۱] تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے کوئی کام کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی مگر آپؐ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی ۱۲ مترجم

اس سے واضح ہوگیا کہ حدیث قرآن کریم کی شرح و تفسیر ہے جو قرآن کے مجمل احکام کو واضح کرتی ہے اور بعض اوقات جو بات قرآن میں مطلق ہوتی ہے اس کی تقلید کردیتی ہے اور جو بات قرآن میں مشکل ہوتی ہے اس کی تشریح و توضیح کردیتی ہے'

اس بات کو ذہن میں رکھا جائے تو واضح ہوجائے گا کہ حدیث کا کوئی حکم ایسا نہیں جس پر قرآن میں اجمالی طور پر یا تفصیلی طور پر کوئی دلالت موجود نہ ہو' یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات یہ دلالت بہت عام اور ہمہ گیر ہوتی ہے۔ مثلاً وہ آیات جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد :-

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا (حشر)

اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جایا کرو۔

اور یہ ارشاد :-

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی أنفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما (نساء)

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پادیں اور پورے طور پر تسلیم کرلیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

قُل إن کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرْ لکم ذُنوبکم واللہُ غفورٌ رحیمٌ قل أطیعوا اللہ والرّسول فان تولّوا فانّ اللہ لا یحبّ الکافرین[1] (آل عمران)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں (اور) آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سُن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ

---

[1] ان تمام آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جسکی صورت صرف یہ ہے کہ حدیث کو واجب العمل قرار دیکر اس پر عمل کیا جائے ۱۲ مترجم

کافروں سے محبت نہیں کرتے

اور بعض آیات ایسی ہیں جن میں کوئی حکم مجملاً بیان کیا گیا ہے اس کی پوری کیفیت اس کے اسباب و شرائط اور موانع وغیرہ کا تفصیلی ذکر نہیں کیا گیا' احادیث نے اس اجمال کی توضیح کرتے ہوئے مذکورہ تمام چیزوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیا۔

اور بعض مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ قرآن کریم نے کوئی حکم بیان فرمایا' پھر آپؐ نے ایک اور مسئلہ میں وہی علت دیکھکر اسے پہلے مسئلہ پر قیاس فرمایا اور اس کو بھی وہی حکم عطا کیا جو پہلے کا تھا' ہم ہر ایک صورت کی مثالیں دیں گے'

رفع اجمال کی مثالیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا اور خبائث یعنی گندی چیزوں کو حرام فرمایا ان دونوں کے درمیان بہت سے امور مشتبہ تھے کہ کس چیز کو پاکیزہ اور کسے گندی قرار دیا جائے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ہر درندہ جانور جس کے "کیلا" دانت ہو وہ حرام ہے' اور ہر وہ پرندہ حرام ہے جو پنجوں سے شکار کرتا ہو' اسی طرح آپؐ نے شہری گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا' اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے ان چیزوں کو "خبائث" میں سے قرار دیا'

(۲) اللہ تعالیٰ نے مشروبات میں سے وہ تمام چیزیں حلال قرار دی ہیں جو نشہ آور نہ ہوں' اور ہر نشہ آور مشروب کو حرام قرار دیا ہے' اب ایک ایسی چیز سامنے آتی ہے جو حقیقۃً تو نشہ آور نہیں لیکن اس سے نشہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً دبار' مزفت اور نقیر کی نبیذ (یہ سب برتنوں کے نام ہیں جس میں ایک سرور انگیز قسم کی شراب تیار کی جاتی تھی)'

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی نشہ آور اشیاء میں شامل فرما کر انہیں استعمال کرنے سے منع فرمایا' تاکہ شراب نوشی کا مکمل سدباب ہو جائے' پھر کچھ عرصہ کے بعد جب لوگوں سے شراب کی عادت اچھی طرح چھوٹ گئی تو آپؐ نے اصل حقیقت کی طرف رجوع فرمایا کہ تمام اشیاء میں اصل یہی ہے کہ وہ مباح ہوں چنانچہ فرمایا :-

کنت نھیتکم عن الانتباذ	میں نے تمھیں نبیذ بنانے سے روکا تھا اب تم نبیذ بنا سکتے
فانتبذوا وکل مسکر حرام	ہو اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے سدھائے ہوئے کتے کے کئے ہوئے شکار کو حلال قرار دیا ہے اور اس نے شکار اپنے مالک کے لئے کیا ہو اپنے لئے نہیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سدھائے ہوئے کتے کا شکار

تو حلال ہے لیکن جو کتا سدھایا ہوا نہ ہو اس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں، اب یہ سوال پیدا ہو گیا کہ اگر کوئی کتا سدھایا ہوا تو ہے مگر اس نے شکار کا کچھ حصہ خود بھی کھا لیا ہے تو اس کے سدھائے ہوئے ہونے کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس نے اپنے مالک ہی کے لئے شکار کیا ہو لیکن چونکہ اس نے کچھ حصہ خود بھی کھا لیا ہے اس لئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے یہ شکار اپنے لئے کیا ہو گا، اس مشکل کو حل کرنے کے لئے حدیث نے ارشاد فرمایا کہ اگر کتے نے کچھ حصہ کھا لیا ہو تو تم بقیہ حصہ نہ کھاؤ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے یہ شکار اپنے لئے نہ کیا ہو،

(۴) اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں ہر شکار مارنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرے اس پر ایک خاص سزا مقرر کی ہے لیکن ایک مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ اگر کسی شخص نے حالتِ احرام میں غلطی سے شکار کر لیا تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ اسے بیان کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آئی جس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں دونوں صورتوں میں جزا، واجب ہو گی خواہ وہ قتل جان بوجھ کر ہوا ہو یا غلطی سے،

اسی طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں سے بہت سی مثالیں آئندہ بھی آپ کے سامنے آئیں گی،

قیاس کی صورت

قیاس کی صورت یہ ہے کہ قرآنِ کریم بعض اوقات ایسے اصول بیان فرماتا ہے جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جو صورتیں اس جیسی ہوں گی ان کا حکم بھی یہی ہو گا، اور جو بات اس کے اطلاق سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ بعض مقید صورتیں بھی اسی جیسی ہیں، اس طرح قرآنِ کریم حدیث کی توضیح پر اعتماد کر کے کوئی اصل بیان فرما دیتا ہے اس کی فرع کو چھوڑ دیتا ہے، یہ مقیس علیہ (یعنی اصل) اگرچہ خاص ہوتی ہے لیکن معنی کے لحاظ سے عام ہوتی ہے، ایسی حالت میں اگر ہمیں قرآن میں کوئی اصل ملے اور حدیث میں بھی کوئی اس جیسا حکم آیا ہو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کی مراد بھی یہی معنی ہیں خواہ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد قرار دیا جائے یا وحی،

بہرحال ہمارے خیال میں یہ صورت مقیس اور مقیس علیہ کے قائم مقام ہے، اس کی متعدد مثالیں ہیں :۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے "سود" کو حرام قرار دیا، جاہلیت میں تو سود کی صورت یہ تھی کہ قرض خواہ مقروض سے کہتا تھا کہ یا تو میرا قرض ادا کر دو ورنہ میں سود کی رقم میں اور اضافہ کر دوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

ربا الجاھلیۃ موضوع — جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا۔

پھر چونکہ اس سود کے حرام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جو سود کی رقم قرضخواہ زیادہ کرتا تھا وہ بغیر عوض

کہ وہ جاتی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ زیادتی جو اس قسم کی ہو وہ ناجائز ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے،

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل يداً بيدٍ فمن زاد أو ازداد فقد أربى فاذا اختلفت هٰذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يداً بيد۔

سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض گندم کو گندم کے عوض جَو کو جَو کے عوض کھجور کو کھجور کے عوض اور نمک کو نمک کے عوض فروخت کرنا ہو تو برابر سرابر اور ہاتھ در ہاتھ فروخت کرو جو زیادتی کرے گا وہ سُود کا مرتکب ہوگا اور اگر ان اجناس[عہ] کو ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا ہو تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ معاملہ دست بدست ہو۔

اس میں آپ نے اس صورت کو بھی "ربوا" میں داخل فرمایا ہے کہ اجناس مختلف ہوں، معاملہ دست بدست نہ ہو قرض ہو اور پھر اس میں زیادتی کی جائے (مثلاً ایک سیر گندم، دو سیر قرض جو کے عوض بیچا جائے) اس صورت کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک چیز کی زیادتی قرض کے عوض کی جا رہی ہے اس صورت میں حکم کے لحاظ سے وہ بیع سلف[عہ] بھی داخل ہے جس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کیا جائے کیونکہ دو مشابہ اجناس کے فوائد چونکہ قریب قریب برابر ہیں اس لئے ان دونوں کی بیع بھی اسی قسم کی ہے جیسے دو ہم جنس چیزوں کا تبادلہ، اس لئے اگر اس میں زیادتی کی جائے تو وہ بلا معاوضہ قرار پائے گی جو از روئے شریعت ممنوع ہے کیونکہ جو دو چیزیں ایک دوسرے کے معاوضہ میں دی جاتی ہیں ان میں کسی عوض کے لئے عادۃً مدت اس لئے مقرر کی جاتی ہے کہ قیمت میں اضافہ کیا جائے، اس لئے کہ ایک موجود مال غیر موجود مال کے عوض صرف اسی لالچ میں دیا جا سکتا ہے کہ آئندہ ملنے والا مال قیمت کے اعتبار سے زیادہ ہوگا، یہی زیادتی ہے۔

اب یہاں صرف ایک سوال رہ جاتا ہے کہ اس زیادتی کا لین دین صرف نقد (سونا چاندی) اور

عہ مثلاً نمک کو کھجور کے بدلے، گندم کو جو کے عوض فروخت کیا جائے تو برابر سرابر کی قید نہیں صرف دست بدست ہونا شرط ہے ۱۲ مترجم

عہ بیع سلف کے معنی یہ ہیں کہ غلہ پیشگی اس شرط پر دیا جائے کہ اتنی مدت میں اس کے بدلے میں اس کو اسی جیسا فلاں غلہ اس مقدار میں دینا پڑے گا ۱۲

کھانے کی چیزوں میں کیوں حرام ہے؟ کپڑوں وغیرہ میں کیوں حرام اور ناجائز نہیں؟ اس سوال کا جواب اس قدر دقیق ہے کہ مجتہدین پر بھی پوشیدہ رہا، کھانے اور کپڑے کا فرق اس قدر باریک تھا کہ حدیث نے اُسے خود بیان فرمایا، اگر یہ مجتہدین کی سمجھ میں آسکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود بیان فرمانے کی بجائے اسے مجتہدین کی فہم و فراست پر چھوڑ دیتے جس طرح اور بہت سے مسائل چھوڑے گئے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے صرف ماں بیٹی اور دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں لینے سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد فرمادیا ہے کہ :-

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ ۔ ان کے سوا سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں

اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ وہ علت جس کی بنا پر ماں بیٹی اور دو بہنوں کو جمع کرنا حرام تھا، یہاں بھی پائی جارہی ہے، چنانچہ اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں :-

فانکم اذا فعلتم ذٰلک قطعتم أرحامکم۔ اس لئے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو قطع رحم کے مرتکب ہوگے،

اسی چیز کا نام قیاس ہے، اور یہ علت اس قیاس کی وجہ بتلارہی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو قتل کردینے کے عوض دیت (خون بہا) کا ذکر فرمایا ہے مگر مختلف اعضاء کے کاٹ دینے سے کیا دیت آئی گی؟ یہ بیان نہیں کیا، اور چونکہ اس دیت کو قیاس سے معلوم کرنا مشکل تھا اس لئے اسے حدیث نے واضح طور پر بیان فرمادیا، گویا یہ قیاس کی مشکل ترین قسم ہے اس کی مثالیں اور بھی آئیں گی۔

قیاس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اُن وجوہ پر نظر ڈالی جائے جو قرآن کے مختلف دلائل کی قدر مشترک ہیں، اس لئے کہ بعض اوقات قرآن میں اگرچہ مختلف دلائل ہوتے ہیں مگر ان سب کو ایک عام وجہ شامل ہوتی ہیں، جو مختلف مصالح کے حکم یا استحباب کے مشابہ ہوتی ہے، اب حدیث اس ایک وجہ کے مطابق وارد ہوتی ہے تو اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ وجہ قرآن کے اس مجموعۂ دلائل سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ حدیث قرآن کی تشریح و توضیح کرنے کے لئے وارد ہوتی ہے،

اس طریقے سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن کے ساتھ مناسبت کے لحاظ سے حدیث کو کیا مقام حاصل ہے،

صحابہ رضؓ کا علم حدیث ۔ صحابۂ کرام رضؓ حدیث اجتماعی طور پر بھی حاصل کرتے تھے اور

انفرادی طور پر بھی،

چنانچہ بعض اوقات ایک جم غفیر علم حاصل کرتا تھا چنانچہ زیادہ تر وہ عملی احادیث جن میں نماز زکوٰۃ اور حج کے طریقے بیان ہوئے ہیں، اسی ضمن میں آتی ہیں، اور بعض اوقات ایک ایک دو دو صحابی حدیث حاصل کرتے تھے، پھر ان میں سے اکثر تو ایسے تھے جو احادیث سن کر یاد کر لیتے تھے مگر اُمی ہونے کی بناء پر لکھتے نہ تھے، اور بعض وہ حضرات بھی تھے جو لکھ لیتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ، چنانچہ مسند احمدؒ میں ان کی ایک روایت موجود ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ میں حضورؐ سے جو کچھ سُنتا تھا لکھ لیتا تھا تاکہ اُسے یاد کر سکوں، اس پر مجھے قریش نے منع اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہر سُنی ہوئی بات لکھ لیتے ہو حالانکہ آپؐ بشر ہیں اور رضا، اور غصّہ کے حالات آپؐ پر بھی گذرتے رہتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور اس کا ذکر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا :—

اُکتب فوالّذی نفسی بیدہٖ ما خرج منّی الاّ الحقّ۔

لکھو اس لئے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلی۔

غرض اس دور میں فقہ کی بنیاد ایک تو قرآن کریم تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں تک پہنچایا اور انھوں نے اسے یاد کیا اور لکھا، اس میں احکام کی آیات دو سو سے زیادہ نہیں ہوں گی جن میں سے اکثر آپ کے سامنے آجائیں گی، دوسری بنیاد قرآن کریم کی وہ شرح ہے جو آنحضرت صلعم نے فرمائی اسی کا نام سنّت ہے، صحابہؓ اُسے زیادہ تر زبانی حاصل کرتے تھے، اس زمانے میں اس کی کتابت قرآن کی طرح عام نہ ہوتی تھی، اب ہم آپ کے سامنے قرآن کریم کے کچھ احکام سنّت کی تشریح کیساتھ بیان کریں گے،

نماز

نماز کو عربی میں "صلوٰۃ" کہتے ہیں، اور یہ لفظ ظہور اسلام کے بعد وضع نہیں کیا گیا بلکہ اہل عرب اسلام سے قبل اسے دعا اور استغفار کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اعشیٰ شراب کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے :

وصہباء طاف یہودیہا ۔۔۔ واُبرزہا وعلیہا ختم
وقابلہا الریح فی دنّہا ۔۔۔ وصلّی علی دنّہا وارتسم

یہاں "صلوٰۃ" سے مراد دعا ہے، اسی کا ایک اور شعر ہے :—

علیک مثل الذی صلیت فاغتمضی
نوما فان لجنب المرء مضطجعا

یہاں بھی "صلوٰۃ" سے دعا مراد ہے۔

پھر اس لفظ کے اشتقاق میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ "صلوٰۃ" بمعنی لزوم سے مشتق ہو، اہل عرب صلیٰ اور اصطلیٰ لازم ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اسی سے کہتے ہیں یصلیٰ فی النار یعنی وہ آگ میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاتا ہے، اس احتمال کو علامہ ازہری نے پسند کیا ہے کیونکہ "صلوٰۃ" میں اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم الشان فرض کا التزام کیا جاتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ "صلوین" سے مشتق ہے یہ "صلوین" عربی میں ان دو رگوں کو کہا جاتا ہے جو اونٹنی کی دم کے قریب ہوتی ہیں، نیز ان رگوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے رانوں کے جوڑ پر ہیں تو گویا یہ دونوں رگیں حقیقت میں دم کی ہڈی کے گرد ہوتی ہیں۔

یہاں ایک احتمال تیسرا بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کلمہ کی اصل عبرانی زبان کے لفظ "صلوتا" کی معرب شکل ہو، "صلوتا" عبرانی میں نماز پڑھنے کی جگہ کو کہتے ہیں، قرآن کریم میں بھی "صلوٰۃ" اس معنی میں استعمال ہوا ہے :۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا (حج)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ سے) زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

ایک قراءت میں "وَصَلُوْتٌ" بھی ہے، اس صورت میں یہ صَلْتٌ کی جمع ہو گی، تو شاید اہل عرب نے اسی وجہ سے اسے دعا اور استغفار کے معنی میں استعمال کر لیا ہو جیسے عام طور پر مجازاً ظرف کو مظروف اور حال کو محل کا نام دیدیا جاتا ہے۔

یہ کلمہ قرآن میں بھی اپنے اصلی معنیٰ (دعا و استغفار) کے معنی میں استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَصَلِّ علیھم ان صلوتک سکن لھم (توبہ)

اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان (قلب) ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے :۔

ان اللہ وملٰئکتہٗ یصلّون علی النبیّ یا ایّھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما (احزاب)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

دورِ جاہلیت کی نماز

اسلام سے قبل اہل عرب کی نماز معروف نہیں مگر وہ حج کا تلبیہ پڑھتے وقت کچھ دعا کیا کرتے تھے، اور ان کے ایک اور عجیب طرز کی خبر خود قرآن نے دی ہے:۔

وَما کان صَلاتُھم عند البیت الّا مُکاءً وتصدیۃ (انفال)

اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش ننگے ہوکر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ سیٹی اور تالیاں بھی بجاتے رہتے تھے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرماتے تو کفار عرب آپؐ کے سامنے آکر آپؐ کا استہزار کرتے، سیٹیاں بجاتے اور آپؐ کے طواف میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے، اور حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ نماز پڑھتے تھے تو کفار آپؐ کے دائیں بائیں کھڑے ہوجاتے تھے اور سیٹیاں اور تالیاں بجا بجا کر آپ کی نماز میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے تو حضرت ابن عباسؓ کے قول کی بنا پر تو یہ سیٹی اور تالی بجانا ان کے نزدیک ایک عبادت تھی اور حضرت مجاہدؒ مقاتلؒ کے قول کے مطابق محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنا مقصود تھا، قرآن کریم کے الفاظ سے پہلی بات زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے، (تفسیر رازی)

اور دوسرے بعض مفسرین نے روایت کی ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کی تادیب کے لئے نازل ہوئی ہے کہ وہ مشرکین عرب کے رویہ پر عمل نہ کریں بلکہ:۔

یا بنی اٰدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (اعراف)

اے اولاد آدم کی تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

وہ مشرکین عرب بیت اللہ کا برہنہ ہوکر طواف کیا کرتے تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اُن کپڑوں میں طواف نہیں کریں گے جس میں گناہ کیا ہے، یہ بات بھی حضرت ابن عباسؓ کے قول کی تائید کرتی ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ شروع میں نماز دن میں صرف دو مرتبہ فرض کی گئی تھی، ایک صبح اور ایک شام کو:۔

وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار (غافر) — اور شام و صبح اپنے رب کی تسبیح کرتے رہیئے

اور رات کی عبادت صرف ترتیل قرآن تک محدود تھی جس کا حکم سورۂ مزمل کے شروع میں دیا گیا ہے اور ہجرت سے کچھ پہلے پانچ نمازیں فرض کی گئیں،

قرآن کریم نے جس قدر اہتمام نماز کی فرضیت بیان کرنے کا کیا ہے اتنا کسی اور فریضہ کا نہیں اسی لئے اُس کی فرضیت مختلف انداز سے بیان فرمائی ہے، کبھی صریح حکم سے، کبھی نمازیوں کی تعریف کے ذریعہ اور کبھی نماز نہ پڑھنے والوں کی مذمت کر کے، اسی وجہ سے فرضیت نماز کی آیات کو دیکھکر باآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نماز ہی دین کا ستون ہے اور اسلام کا کوئی نفع اُس شخص کو نہیں پہنچ سکتا جو اسے چھوڑتا ہو یا اس سے غفلت برتتا ہو یا اس میں دکھلاوے سے کام لیتا ہو،

نماز کے اوقات

قرآن کریم نے نمازوں کی تعداد صراحۃً نہیں بتلائی اور نہ رکعتوں کی تعداد کا ذکر کیا، البتہ اس کے اوقات اجمالی طور پر ذکر فرماتے ہیں :-

(۱) فسبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیاً وحین تظہرون۔ (روم)

سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور تمام آسمان و زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے اور بعد زوال اور ظہر کے وقت۔

(۲) اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہوداً۔ (اسراء)

آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیا کیجئے اور صبح کی نماز بھی بے شک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔

(۳) واقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفاً من اللیل۔ (ھود)

اور (اے محمد صلعم) آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر (یعنی اول و آخر میں) اور رات کے کچھ حصوں میں۔

(۴) حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ۔

محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً)

پھر اس کی کیفیت بیان فرمائی :-

وقوموا للّٰہ قانتین (بقرہ) — اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے

(۵) یاایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا (حج) — اے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو۔

پھر سنت نے اس کی کیفیت عملی طور پر واضح فرما دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچوں نمازیں پڑھاتے تھے اور صحابہؓ آپ کے پیچھے اجتماعی طور سے نماز پڑھتے تھے، ساتھ ہی آپؐ نے ان سے فرمایا:۔

صلّوا کما رأیتمونی اُصلّی۔ — اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے

قرآن کریم نے نماز جمعہ کو خاص اہتمام سے ذکر فرمایا ہے:۔

یاایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ وذروا البیع۔ (جمعہ) — اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔

پھر سنت نے نماز جمعہ اور خطبہ کی عملی کیفیت واضح فرمائی۔

اور قرآن کریم نے "صلوٰۃ الخوف" کا حکم بھی بیان فرمایا ہے یعنی جب میدان جنگ میں دشمن سامنے موجود ہو (اور تمام مسلمان ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں) تو اس وقت نماز کی کیا صورت ہو؟۔

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح اَن تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم اَن یفتنکم الذین کفروا انّ الکافرین کانوا لکم عدوًّا مُّبینًا۔ واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ فلتقم طائفۃٌ منھم معک ولیأخذوا اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتأت طائفۃٌ اُخریٰ لم یصلّوا فلیصلّوا معک ولیأخذوا حذرھم — اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کردو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں۔ اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنھوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجائے

واسلحتھم۔ (نساء)

اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔

پھر فرمایا:۔

فاذا اطمأننتم فأقیموا الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا۔

پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

قرآن کریم نے نماز کے لئے طہارت اور پانی کو شرط قرار دیا ہے:۔

یاأیھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وأیدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وأرجلکم الی الکعبین وان کنتم جنباً فاطھروا وان کنتم مرضیٰ أو علیٰ سفر أو جاء أحد منکم من الغائط أو لامستم النساء فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً فامسحوا بوجوھکم وأیدیکم منہ (مائدہ)

اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین پر سے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

یاأیھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وأنتم سکاریٰ ولا جنباً الا عابری سبیل حتیٰ تغتسلوا وان کنتم مرضیٰ أو علیٰ سفر أو جاء أحد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً فامسحوا بوجوھکم وأیدیکم (نساء)

اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو اور حالت جنابت میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت کے یہاں تک کہ غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو

پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو (یعنے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا :۔

وثیابک فطھر (مدثر) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

اور حدیث نے ان تمام طہارات کو قولی اور عملی طور پر واضح فرمایا۔

قرآن کریم نے نماز کے لئے تزیّن (لباس پہننے) کو ضروری قرار دیا ہے :۔

یابنی اٰدم خذوا زینتکم عند کلّ مسجد (اعراف) اے اولاد آدم کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

پھر حدیث نے یہ بتلایا کہ اس زینت کی واجب مقدار کیا ہے۔

قرآن کریم نے ہر نمازی کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے مسجد حرام کا رُخ کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں بیت المقدس کا رُخ فرمایا کرتے تھے پھر قرآن نے اس مسجد حرام کا رُخ کرنے کا حکم دیا جو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر فرمائی تھی اور وہی دنیا کی پہلی مسجد ہے :۔

فولّ وجھک شطر المسجد الحرام وحیثما کنتم فولّوا وجوھکم شطرہٗ پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو۔

پھر حدیث نے چند ایسی نمازیں بھی بتلائیں جو واجب نہیں نفل یا سنت ہیں ان میں سے بعض تو فرض نمازوں کے آگے پیچھے پڑھی جاتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو کسی فرض نماز کے ساتھ متصل نہیں مثلاً نماز عید۔

روزہ

"صوم" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز سے رک جانے یا اُسے چھوڑ دینے کے آتے ہیں اسی وجہ سے روزہ کو صوم کہتے ہیں کیونکہ اس میں انسان تین قسم کی خواہشاتِ نفسانی کو چھوڑ دیتا ہے،

روزہ اسلام سے پہلے بھی عرب میں معروف تھا امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھا کرتے

تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُسے فرض قرار دیا، یہاں تک کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کے روزے کے بارہ میں اختیار دیدیا کہ جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے،

محمد بن اسحٰق رح نے آغاز وحی کا قصہ بیان کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال میں ایک مہینہ غار حرا میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے زمانۂ جاہلیت میں قریش کی عبادت گزاری کا طریقہ یہی تھا چنانچہ آپؐ ہر سال ایک مہینے کے لئے وہاں اعتکاف فرماتے تھے، اور ہر آنے والے مسکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے الخ اور یہی مہینہ رمضان کا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں روزہ کی عبادت کیا کرتے تھے،

اللہ تعالیٰ نے فرض روزوں کے لئے اسی مہینے کو پسند فرمایا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے، اور اسی مہینے میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رسالت کا شرف بھی عنایت کیا، سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون اَیامًا معدودات فمن کان منکم مریضًا اَو علیٰ سفرٍ فعدۃٌ من اَیامٍ اُخر وعلی الذین یطیقونہٗ فدیۃٌ طعام مسکین فمن تطوّع خیرًا فھو خیرٌ لہٗ وان تصوموا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون ه شھر رمضان الذی اُنزل فیہ القراٰن ھدًی للناس وبینٰتٍ من الھدٰی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان مریضًا اَو علیٰ سفرٍ فعدۃٌ من اَیامٍ اُخر یرید اللہ بکم الیسر ولا

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس موقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو پھر (اس میں بھی اتنی آسانی) جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار (کرکے ان میں روزہ) رکھنا اس پر واجب ہے اور دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہو گئی یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا (کھلا دینا یا دیدینا ہے) اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر کرے (کہ زیادہ فدیہ دے) تو اس شخص کے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اور تمہارا

یرید بکم العسر و لتکملوا العدۃ و لتکبروا اللہ علی ما ھدٰکم و لعلکم تشکرون۔ (بقرہ)

روزہ رکھنا (اس حال میں) زیادہ بہتر ہے اگر تم روزے کی فضیلت کی خبر رکھتے ہو (وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ منجملہ ان کتب کے جو کہ (ذریعۂ) ہدایت (بھی ہیں) اور (حق و باطل میں) فیصلہ (کرنے والی بھی) ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیئے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب ہے) اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرتے ہیں) منظور نہیں، اور تاکہ تم لوگ (ایام ادا یا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (تاکہ ثواب میں کمی نہ رہے) لہذا تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (و ثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو (ایک ایسا طریقہ بتلا دیا جس سے تم برکات و ثمرات صیام رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور عذر سے کامل رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دیدی تاکہ تم لوگ (اس نعمت آسانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو۔

غالباً سنت نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ رمضان کی راتوں میں بھی اپنی عورتوں سے جماع نہ کریں، پھر قرآن کریم نے اُن سے اس سختی کو بھی ختم فرما دیا اور ارشاد ہوا :-

اُحِلَّ لکم لیلۃَ الصیام الرفثُ الیٰ نسائکم ھنّ لباسٌ لکم و انتم لباسٌ لھنّ، علم اللہ اُنکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم و عفا عنکم فالآن باشروھنّ و ابتغوا ما کتب اللہُ لکم و کلوا و اشربوا حتّیٰ یتبیّن لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثمّ اُتموا الصیام الی اللیل ولا تباشروھنّ و اَنتم عاکفون۔

تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم ان کے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو خدا تعالیٰ کو اسکی خبر تھی کہ تم خیانت (کر) کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے (مگر) خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا سو اب ان سے ملو ملاؤ اور جو (قانون اجازت) تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے (بلا تکلف) اس کا سامان کرو اور کھاؤ اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (یعنی نور) صبح (صادق) متمیز ہو جائے سیاہ خط سے پھر (صبح صادق سے) رات تک روزہ کو پورا کیا کرو اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو

جس زمانہ میں کہ تم اعتکاف والے ہو مسجدوں میں

فی المساجد (بقرہ)

رمضان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض ایام کے روزے مسنون قرار دیئے ہیں۔

روزہ کی فرضیت ۲ھ میں ہوئی ہے۔

حج اور عمرہ

ہر صاحب مذہب قوم کچھ خاص مقامات مقرر کرلیتی ہے تاکہ وہاں اجتماعی طور پر اللہ کی عبادت کرے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام (حج)

اور (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے) ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔

اور فرمایا:۔

لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ (حج)

(جتنی امتیں اہل شرائع گزری ہیں ہم نے (ان میں) ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے۔

اسی طرح اہل عرب کی بھی ایک عبادت گاہ تھی جس کا نام "البیت الحرام" تھا، اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم (بقرہ)

اور جبکہ اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں خانۂ کعبہ کی اور اسمٰعیلؑ بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں جاننے والے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (پیدا) کیجئے جو آپ کی مطیع ہو اور نیز ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر توجہ رکھئے (اور) فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

اِنَّ اَوَّلَ بَیتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلعٰلَمِینَ فِیہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبرٰھِیمَ وَمَن دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (آل عمران)

یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کی ہوتا ہے اس میں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا :-

وَاِذ بَوَّانَا لِاِبرٰھِیمَ مَکَانَ البَیتِ اَلَّا تُشرِک بِی شَیئًا وَّطَھِّر بَیتِیَ لِلطَّآئِفِینَ وَالعٰکِفِینَ وَالرُّکَّعِ السُّجُودِ وَاَذِّن فِی النَّاسِ بِالحَجِّ یَاتُوکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاتِینَ مِن کُلِّ فَجٍّ عَمِیقٍ لِّیَشھَدُوا مَنَافِعَ لَھُم وَیَذکُرُوا اسمَ اللہِ فِی اَیَّامٍ مَّعلُومٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَھُم مِّن بَھِیمَۃِ الاَنعَامِ فَکُلُوا مِنھَا وَاَطعِمُوا البَآئِسَ الفَقِیرَ ثُمَّ لیَقضُوا تَفَثَھُم وَلیُوفُوا نُذُورَھُم وَلیَطَّوَّفُوا بِالبَیتِ العَتِیقِ (حج)

اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانۂ کعبہ کی جگہ بتلادی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا یہ ان کے مابعد والوں کو سنانا ہے اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں کے اور (نماز میں) قیام و رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا اور (ابراہیمؑ سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے (دینیہ و دنیویہ) فوائد کے لئے آموجود ہوں اور (اس لئے آویں گے) تاکہ ایام مقررہ (یعنی ایام قربانی) میں ان مخصوص چوپایوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں) جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں سو ان (قربانی کے) جانوروں میں سے (تم کو) بھی (اجازت مع الاستحباب ہے کہ) کھایا کرو (اور مستحب یہ ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو پھر لوگوں کو چاہئیے کہ اپنا میل کچیل دور کردیں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور (انہی ایام معلومات میں) اس مامون گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانے سے لے کر اہل عرب اسی طرح کرتے چلے آئے، البتہ انھوں نے حضرت ابراہیم و عیل علیہما السلام کے طریقۂ حج کو بہت کچھ تبدیل کردیا تھا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرا کر ان کی پرستش شروع کردی تھی اور بیت اللہ میں نیز اس کے

آس پاس صفا مروہ پر بیشمار بت رکھ چھوڑے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں، انھوں نے مشاعر حج کو بدل ڈالا تھا اور چوپایوں کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں کا نام لیا کرتے تھے۔

پھر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعت ابراہیمی کی تجدید کرنے کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کے لئے بھی بیت اللہ کو عبادت گاہ قرار دیدیا اور یہاں آکر حج و عمرہ کرنے کا حکم دیا :-

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین - (آل عمران)	اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنے اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک سبیل کی اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں۔

نیز فرمایا :-

واتموا الحج والعمرۃ للہ (بقرہ)	حج و عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔

اس کے علاوہ توحید کا حکم دیا اور ان افعال سے منع فرمایا جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے،

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء للہ غیر مشرکین بہ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق (حج)	تو تم لوگ گندگی سے یعنے بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو اس طور سے کہ اللہ ہی کی طرف جھکے رہو (اور) اس کے ساتھ شریک مت ٹھیراؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ میں لے جا پٹکا۔

حج کا وقت اور اس کے آداب اس طرح بیان فرمائے :-

الحج اشھر معلومات فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (بقرہ)	(زمانہ) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (شوال ذی قعدہ ذی الحجہ کی دس تاریخیں) سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اسکو) نہ کوئی فحش بات (جائز)

ہے اور نہ کوئی بے حکمی درست ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔

پھر حج کی عبادت کے طریقے اور مقامات مقدسہ بیان فرمائے :-

(ا) انّ الصّفا والمروة من شعائر الله فمن حجّ البيت أو اعتمر فلا جناح عليه ان يطّوّف بهما ومن تطوّع خيرًا فانّ الله شاكرٌ عليم (بقرہ)

تحقیقاً صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا اس کا عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمدورفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے) اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدردانی کرتے ہیں۔

(ب) فاذا أفضتم من عرفات فاذكروا الله عند المشعر الحرام واذكروه كما هداكم وان كنتم من قبله لمن الضّالّين ثمّ أفيضوا من حيث أفاض النّاس واستغفروا الله انّ الله غفورٌ رحيم فاذا قضيتم مناسككم فاذكروا الله كذكركم اٰباءكم او أشدّ ذكرًا (بقرہ)

پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس (مزدلفہ میں شب کو قیام کرکے) خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (نہ یہ کہ اپنی رائے کو دخل دو) اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ہی ناواقف تھے پھر تم سب کو ضرور ہے کہ تم سب اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جاکر وہاں سے واپس آتے ہیں (اور حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے) خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کریں گے اور مہربانی فرمائیں گے پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہے۔

(ج) واذكروا الله في أيّام معدودات فمن تعجّل في يومين فلا اثم عليه ومن تأخّر فلا اثم عليه لمن اتّقٰى۔ (بقرہ)

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو (خدا سے) ڈرے

(د) ذالك ومن يعظّم شعائر الله فانّها من تقوى القلوب لكم فيها منافع الى أجلٍ مسمًّى ثمّ محلّها الى البيت العتيق۔ (حج)

یہ بات بھی ہو چکی اور (قربانی کے جانور کے متعلق اور سن لو کہ) جو شخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے تم کو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے پھر (یعنی بعد ہدی بننے کے) اسکے

ذبح ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے

(ہ) وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (حج)

اور قربانی کے اونٹ اور گائے اور اسی طرح بھیڑ اور بکری کو بھی ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں سو تم ان پر کھڑے کرکے ذبح کرنے کے دن اللہ کا نام لیا کرو پس جب وہ (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوالی اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو۔

(د) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَائِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔ (مائدہ)

اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کے نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں۔

(ذ) جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ (مائدہ)

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیدیا اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جنکے گلے میں پٹے ہوں۔

احصار[1] اور تمتع[2] کے احکام اس طرح بیان فرمائے۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ

پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کے سبب) روک دئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو ذبح کرے اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے

---

[1] احصار کا مطلب یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد کسی کو کوئی ایسا عذر پیش آجائے جس سے وہ طواف سعی اور وقوف عرفات پر قادر نہ رہے مترجم [2] تمتع کا مطلب یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے اور مکہ میں عمرہ ادا کرکے حج کے لئے دوسرا احرام باندھیں ۱۲

أو صدقة أو نسك فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام

(بقره)

(اور وہ موقع حرم ہے کہ کسی کے ہاتھ وہاں جانور بھیج دیا جائے) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (جس سے پہلے ہی سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے) تو (وہ سر منڈوا کر فدیہ (یعنی اس کا شرعی) دیدے (تین) روزے سے یا (چھ مسکین کو) خیرات دیدے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے پھر جب امن کی حالت میں ہو (یا تو پہلے ہی سے کوئی خوف پیش نہ آیا ہو یا ہو کر جاتا رہا ہو) تو جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر شفع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی میسر ہو (ذبح) کرے (اور جس نے صرف عمرہ یا صرف حج کیا ہو اس پر حج وغیرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ تین دن کے روزے ہیں ایام حج میں اور سات ہیں جبکہ حج سے تمہارا لوٹنے کا وقت آجائے یہ پورے دس ہوئے یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل (وعیال) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے قرب میں نہ رہتے ہوں (یعنی قریب ہی کا وطن دار نہ ہو)

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو "حرم" قرار دیا ہے :۔

(ا) أو لم يروا أنا جعلنا حرما آمنا ويتخطف الناس من حولهم۔

(عنکبوت)

کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش میں لوگوں کو نکالا جا رہا ہے۔

(ب) اولم نمكن لهم حرما آمنا يجبى اليه ثمرات كل شيئ رزقا من لدنا

(قصص)

کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے (یعنی ہماری قدرت اور رزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں

اور جس شخص نے احرام باندھ لیا ہو اس کے لئے شکار کرنا ناجائز قرار دیا ہے، اگر کوئی ایسا کرلے تو اس کے لئے ایک سزا تجویز فرمائی ہے :۔

يا أيها الذين آمنوا لا تقتلوا الصيد وأنتم حرم ومن قتله منكم

اے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں اس کو

مُتعمّداً فجزاءٌ مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذواعدل منکم ھدیًا بالغ الکعبۃ أوکفارۃٌ طعام مساکین أو عدلُ ذلک صیاما (مائدہ)

جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداشں واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کردیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھے جائیں۔

حج ۶ھ میں فرض ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے مگر کفارِ مکہ نے آپؐ کو مکہ کے اندر داخل ہونے سے روک تھا، پھر آپؐ نے اس عمرہ کی قضا ۷ھ میں فرمائی، پھر ۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا، اور ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ساتھ بہ نفس نفیس حج کے لئے تشریف لے گئے۔ یہی "حجۃ الوداع" تھا، اسی میں آپؐ نے لوگوں کو حج کرنے کا طریقہ سکھلایا اور فرمایا کہ "مجھ سے اپنے ارکانِ حج سیکھ لو"

حج کے فوائد

حج کے مذکورہ بالا نظام میں مسلمانوں کے بہت سے فوائد تھے،

(۱) ایک تو خود اہلِ مکہ کو حجاج اور عمرہ کرنے والوں سے فائدہ پہنچتا ہے اس لئے کہ مکہ مکرمہ ایک بے آب وگیاہ وادی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لئے دعا فرمائی تھی کہ

ربنا انی أسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل أفئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (ابراہیم)

اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک (کف دست) میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں اے ہمارے رب تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کردیجئے اور ان کو (محض اپنی قدرت سے) پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ (ان نعمتوں کا) شکر کریں۔

(۲) دوسرے تمام اہلِ عرب کا فائدہ تھا کہ وہ اس حج کی بدولت بہت سے فوائد حاصل کرسکتے ہیں تجارتی کاروبار اور ضروریاتِ زندگی کا تبادلہ ان کے لئے آسان ہوجاتا ہے اس لئے بہت سے حجاج موسمِ حج میں اپنا مالِ تجارت لے آتے ہیں اور ضرورت مند حضرات اُن سے خرید لیتے ہیں، پھر اُن میں سے ہر ایک شخص بے خوف وخطر ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک حرمت والے مہینے میں اور حرمت والے

شہر میں ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا فائدہ تمام مسلمانوں کا ہے کہ وہ وہاں جمع ہو کر آپس میں متعارف ہوتے ہیں اُن کی عبادت اور ان کا قبلہ ایک ہوتا ہے، اسی بنا پر مکہ مکرمہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی مرکز ہے اور مسلمان دور دراز کے ممالک سے جہاں پہنچتے ہیں اس طرح ہر انسان ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق دین و دنیا کی معلومات حاصل کر سکتا ہے، یہ کہہ دینا بعید از قیاس نہیں کہ حج کا دن تمام مسلمانوں کی عید کا دن اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ سب کو اسلامی وحدت کی یاد دلاتا ہے اور جس طرح عید الفطر نزول قرآن کا آغاز یاد دلاتی ہے اسی طرح یوم حج نزول قرآن کے اختتام کی یاد تازہ کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم رمضان میں نازل ہونا شروع ہوا اور یہ مبارک سلسلہ حج اکبر کے دن منقطع ہوا۔

زکوٰۃ

"زکوٰۃ" کے لغوی معنی طہارت اور پاکیزگی، بڑھوتری، برکت اور تعریف کے آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک معنی قرآن و حدیث میں مستعمل ہوتے ہیں۔ پھر شریعت نے اس لفظ کو مال کی اس مخصوص اور متعین مقدار کے لئے مستعار لیا ہے جو ایک کشادہ دست انسان ہر سال صدقہ کرتا ہے اس لئے کہ یہ فعل اس کے مال کو پاک کر دیتا ہے اور اس میں بڑھوتری اور برکت پیدا کرتا ہے، قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد یہی صدقہ کرنا ہے، قرآن کریم نے زکوٰۃ کو بھی اسی اہمیت سے ذکر فرمایا ہے جس اہمیت سے نماز کو، یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے، البتہ بعض جگہوں پر صرف زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے، بعض اوقات "زکوٰۃ" کے لفظ سے اور بعض اوقات "صدقہ" کے لفظ سے۔

ویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکاۃ (فصلت)

اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔

خُذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها۔ (توبہ)

آپ ان کے مالوں میں سے (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے (لینے کے) ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک وصاف کر دیں گے۔

(۳) کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہٖ (انعام)

ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے وہ

اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو۔

(۴) وما آتیتم من ربًا لیربو فی اموال الناس فلا یربو عند اللہ وما آتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون۔

(روم)

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچکر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

قرآن کریم نے یہ باتیں تفصیل سے بیان نہیں فرمائیں کہ کون سے اور کتنے مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے معلوم ہوتی ہیں۔ آپؐ نے جن لوگوں کو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا انہیں ایک خط دیا تھا جس میں یہ تفصیلات درج تھیں البتہ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے مصارف بیان فرمائے ہیں:۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم۔

(توبہ)

صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے ان غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

زکوٰۃ کا نظام اسلام کا ایک جلیل القدر نظام ہے جس کی بدولت وہ بغض اور کینہ دور ہو جاتا ہے جو مالداروں کی طرف سے فقراء کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے، اس نظام سے اُن لوگوں کی سرپرستی ہوتی ہے جو خود اپنی حاجتیں دور کرنے پر قادر نہیں ہوتے اور اس طرح ان کی بیشمار مصیبتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، پھر اس نظام کی بدولت لوگوں میں اجتماعی مصلحتوں پر پیسہ خرچ کرنے کا مفید جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس طرح پورے معاشرے کی اصلاح کا دروازہ کھل جاتا ہے، بالخصوص "زکوٰۃ" کا وہ مصرف بڑا نفع بخش ہے جسے قرآن کریم نے "فی سبیل اللہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے[1]۔

اہل عرب میں پہلے سے جو نظام صدقہ تھا وہ یہ تھا کہ وہ اپنی کھیتوں اور جانوروں کی پیداوار میں سے

---

[1] "فی سبیل اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسے محتاج شخص کو زکوٰۃ دی جائے جو کسی کار خیر میں لگا ہوا ہو اور اسے اس کا مالک بنا دیا جائے ۱۲ محمد تقی عفی عنہ

ایک حصہ اللہ کے لئے نکالتے تھے اور ایک حصہ بتوں کے لئے، اس کا پورا بیان آگے آئے گا۔

قرآن کریم کے مزید احکام

قرآن کریم نے عبادات سے متعلق جو احکام دیئے ہیں ان میں سے ایک "نظام الایمان" (قسموں کا نظام) بھی ہے، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :-

وَلَا تجعلوا اللہ عُرضَۃً لأیمانکم أن تبرّوا وتتقوا وتصلحوا بین النّاس واللہ سمیعٌ علیمٌ لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم واللہ غفورٌ حلیم

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دار وگیر فرمائیں گے تمہاری قسموں میں (ایسی) بیہودہ قسم پر لیکن دار وگیر فرماویں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہو اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے :-

لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقّدتم الأیمان فکفّارتہٗ اطعام عشرۃ مساکین من أوسط ما تطعمون أھلیکم أو کسوتھم أو تحریر رقبۃ فمن لم یجد فصیام ثلٰثۃ أیّام ذٰلک کفّارۃ أیمانکم اذا حلفتم واحفظوا أیمانکم کذٰلک یبیّن اللہ لکم اٰیاتہٖ لعلّکم تشکرون

اور اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کردو سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانا دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔

اور سورۂ تحریم میں ہے۔

قد فرض اللہ لکم تحلّۃ أیمانکم

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرمادیا ہے۔

پھر سنت سے یہ معلوم ہوا کہ قسم صرف وہ معتبر ہے جو اللہ کے نام سے کھائی جائے۔

کون سے کھانے حلال ہیں اور کون سے حرام؟ قرآن کریم نے اسکی تفصیل بیان فرمائی ہے سورۂ اعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :-

ویحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث۔

اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں۔

اور سورۂ نحل میں فرمایا :-

فکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً واشکروا نعمۃ اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان اللہ غفور رحیم۔

سو جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاک دی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت (وغیرہ) کو اور جس چیز کو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص کہ بالکل بیقرار ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

سورۂ انعام میں ہے :-

قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دماً مسفوحاً او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقاً اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم۔

آپ کہدیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کر غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص بیتاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (قدر ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا :-

یاایھا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم واشکروا اللہ ان کنتم ایاہ

اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو)

تَعبُدُونَ اِنَّمَا حَرَّمَ علیکم المَیتَۃَ وَ الدَّمَ و لحم الخنزیر وما اُهِلَّ بہٖ لغیر اللہ فمن اضطرّ غیر باغٍ وَّلا عادٍ فلا اثم علیہ انّ اللہ غفورٌ رحیم۔

کھاؤ (برتو) اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی (کا تعلق) رکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے :-

حُرِّمت علیکم المیتۃ والدّم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہٖ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردّیۃ وَالنّطیحۃ وما اکل السَّبُعُ اِلّا مَا ذَکیتم وَ مَا ذُبِحَ علی النُّصُب

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اوپر سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر سے مر جاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے

سورۂ مائدہ ہی میں ہے :-

یسئلونک ماذا اُحِلّ لھم قُل اُحِلّ لکم الطّیّبٰتُ وما علّمتم من الجوارح مُکَلِّبِیْنَ تعلّمونھن مما علّمکم اللہ فکلوا مّما اَمسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ واتّقوا اللہ انّ اللہ سریع الحساب۔ اَلیومَ اُحِلّ لکم الطیّبٰتُ وَطعامُ الّذین اُوتوا الکتاب حِلٌّ لکم وطعامکم حِلٌّ لھم۔

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

اسی میں فرمایا :۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۔

تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے ۔

سورہ انعام میں ہے :۔

فكلوا مما ذكر اسم الله عليه ان كنتم بآياته مومنين ۰ وما لكم الا تاكلوا مما ذكر اسم الله عليه وقد فصل لكم ما حرم عليكم الا ما اضطررتم اليه ۔

سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو، اور تم کو کون اس امر کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جس کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے۔

پھر فرمایا :۔

ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق ۔

اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے ۔

مشروبات میں سے قرآن نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم نے مشرکین کے بہت سے ایسے کھانوں کو ناجائز کہا ہے جو وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کے نام پر رکھا کرتے تھے چنانچہ سورۃ انعام میں ہے :۔

وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث والانعام نصيبا فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشركائنا فما كان لشركائهم فلا يصل الى الله وما كان لله فهو يصل الى شركائهم ساء ما يحكمون ۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہونچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہونچ جاتی ہے انھوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے۔

پھر ارشاد ہوا :۔

وقالوا هذه انعام وحرث حجر لا

اور وہ اپنے (خیال باطل پر یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ

يطعمها الا من نشاء بزعمهم وانعام
حرمت ظهورها وانعام لا يذكرون
اسم الله عليها افتراء عليه سيجزيهم
بما كانوا يفترون، وقالوا ما في
بطون هذه الانعام خالصة لذكورنا
ومحرم على ازواجنا وان يكن ميتة
فهم فيه شركاء سيجزيهم وصفهم
انه حكيم عليم۔ قد خسر الذين قتلوا
اولادهم سفها بغير علم وحرموا
ما رزقهم الله افتراء على الله قد
ضلوا وما كانوا مهتدين۔
(انعام)

(مخصوص) مواشی ہیں اور مخصوص کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی کھا نہیں سکتا سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مواشی ہیں جن پر سواری یا باربرداری حرام کردی گئی ہے اور (مخصوص) مواشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ سب باتیں) محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر (کہتے ہیں) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دیے دیتا ہے اور وہ (یوں بھی) کہتے ہیں کہ جو چیز ان مواشی کے پیٹ میں نکلتی ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (پیٹ کا نکلا ہوا بچہ) مردہ ہے تو اس سے (منتفع ہونے کے جواز) میں (مرد و عورت) سب برابر ہیں ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیے دیتا ہے بلا شبہ وہ حکمت والا ہے وہ بڑا علم والا ہے، واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو (حلال) چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور وہ کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا:

ومن الانعام حمولة وفرشا كلوا مما
رزقكم الله ولا تتبعوا خطوات
الشيطان انه لكم عدو مبين
ثمانية ازواج من الضان اثنين
ومن المعز اثنين قل آلذكرين
حرم ام الانثيين، نبئوني بعلم ان
كنتم صادقين ومن الابل اثنين

اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ مواشی آٹھ نر و مادہ (پیدا کئے) یعنی بھیڑ اور دنبہ میں دو قسم (نر و مادہ) اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) آپ (ان سے) کہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے

ومن البقر اثنین قل الذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیه ارحام الانثیین۔

یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوتے ہیں تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو اور اونٹ میں دو قسم اور گائے (بھینس) میں دو قسم آپ کہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا:۔

ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب واکثرھم لا یعقلون۔

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے اپنی کھیتوں اور جانوروں کی پیداوار کا ایک صدقاتی نظام بنایا ہوا تھا کہ پیداوار کا ایک حصہ فقراء ومساکین پر تقسیم کر دیتے تھے اور دوسرا حصہ بتوں کے لئے ہوتا تھا جس کے مستحق انہی بتوں کے منتظم اور پاسبان لوگ سمجھے جاتے تھے، پھر جو حصہ بتوں کے نام کا ہوتا تھا اُسے ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کا وہ پورا اہتمام کرتے تھے چنانچہ اس حصہ میں سے ایک حبہ بھی بتوں کے مجاورین کے علاوہ کسی کو نہیں دیتے تھے، مگر اللہ کے نام پر نکالے ہوئے حصہ کا یہ اہتمام نہ تھا چنانچہ اس میں سے اکثر وبیشتر بتوں کے منتظمین کو بھی حصہ مل جایا کرتا تھا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو جانور اور کھیتیاں مشرکین غیر اللہ کے نام پر رکھ چھوڑتے تھے ان کی تین قسمیں تھیں۔

(۱) حجر، یہ صرف وہی کھا سکتا تھا جسے یہ لوگ چاہیں۔
(۲) وہ چوپائے جن پر سواری حرام کر لی گئی تھی۔
(۳) وہ چوپائے جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔

یہی وہ اقسام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں "بحیرہ"، "سائبہ"، "وصیلہ" اور "حامی" کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔

پھر تیسری آیت میں جانوروں کے اُن بچوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جنہیں مشرکین صرف مردوں کے لئے خاص رکھتے تھے، مرد ان کا دودھ پی سکتے تھے مگر ان کی بیویوں پر یہ حرام کیا ہوا تھا کہ وہ اس سے کچھ

انتفاع حاصل کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ان نامعقول حرکتوں پر زجر و توبیخ کی ہے جنہیں انھوں نے خود گھڑا تھا مگر اللہ کی طرف ان کی جھوٹی نسبت کرتے تھے۔

ام کنتم شھداء اذ وصّاکم اللہ بھذا (انعام) — کیا تم اس وقت حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس (تحریم و تحلیل) کا حکم دیا۔

قرآن کریم نے جو تفصیل بیان فرمائی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے اسلام سے پہلے بھی صدقات کا ایک نظام بنا رکھا تھا جسے وہ حاجتمند لوگوں پر تقسیم کرتے تھے لیکن اس میں بہت سی ایسی چیزیں ملا دی تھیں جن سے اس نظام کی افادیت پر کاری ضرب لگتی تھی، یعنی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور بعض چوپایوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دینا۔

قرآن کریم نے آکر مشرکین کے اس پورے نظام کو لغو قرار دیا اور اس کی جگہ "زکوٰۃ" کا نظام تجویز فرمایا جس کی اساس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ہے :-

واٰتوا حقّہٗ یومَ حصادِہٖ (انعام)

اور تمام چوپایوں کو حلال قرار دیدیا، صرف وہ چند چیزیں حرام قرار دیں جن کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں ہے :-

قل لّآ أجد فیما اوحی إلیّ محرّماً علیٰ طاعمٍ یطعمہٗ الا أن یکون میتۃً أودماً مسفوحًا أو لحم خنزیر فانّہ رجسٌ أوْ فسقاً أُھِلّ لغیر اللہ بہٖ فمن اضطُرّ غیر باغٍ ولا عادٍ فإنّ ربّک غفورٌ رحیم۔ (انعام)

آپ کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آتے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو (جانور) شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (قدر ضرورت سے) تو واقعی آپ کا رب غفور و رحیم ہے۔

پھر سورۂ مائدہ میں اس کی انتہا اس طرح بتلادی کہ :-

لیس علی الّذین اٰمنوا وعملوا الصّالحات جُناحٌ فیما طعموا اذا — ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو

مَا اتَّقَوا وَّاٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّاٰمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّاَحْسَنُوا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (مائدہ)	وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھتے ہیں۔

حدیث نے بعض دوسرے حیوانات کے کھانے سے بھی منع فرمایا اور یہ قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کے موافق تھا :۔

وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ	اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں۔

چنانچہ شکاری (درندہ) جانوروں میں سے ہر ایک کے لئے دانت (ناب) والے جانور کو حرام قرار دیا' اور پرندوں میں سے ہر اس جانور کو حرام کہا جو پنجوں سے شکار کرتا ہو' اس کے علاوہ شہری گدھوں کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

جہاد

مکی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سال اس شان سے گزرے کہ مشرکین مکہ آپ کو اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو انواع و اقسام کی تکلیفیں پہنچاتے رہے مگر آپ خاموشی کے ساتھ اسلام کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے' کفار مکہ لوگوں کو قرآن سننے اور اس کی دعوت کو قبول کرنے سے روکتے تھے' مکی سورتوں میں اس چیز کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔

مکی مسلمانوں کو دو مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے پر بھی مجبور کیا گیا کیونکہ وہ مکہ میں رہ کر کفار کے ظلم و ستم نہیں سہہ سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اس میں تھی کہ اسلام کی دعوت کو یثرب کے باشندے قبول کریں اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے معاہدہ کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی حفاظت کریں گے جیسی کہ اپنی' اپنے اموال اور آبرو کی کرتے ہیں چنانچہ آپ نے مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی اور مدینہ میں تشریف آوری کے کچھ دنوں بعد جہاد شروع کیا گیا۔

جہاد کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ قرآن کریم کے مطالعہ سے اس کے دو اسباب معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی ظلم کرے تو اس کا دفاع کیا جائے۔

(۲) اگر کوئی اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ بنے تو اس کا دفاع کیا جائے۔[۱] خواہ یہ رکاوٹ اس شخص کی راہ میں حائل کی جائے جو اسلام کے عقائد کو اختیار کر چکا ہو اور کفار اسے انواع واقسام کی تکلیفیں دیکر دوبارہ شرک کفر کی طرف بلانا چاہتے ہوں، یا گرکسی شخص نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا ہو اور کفار اسے اس مبارک ارادے سے باز رکھنا چاہتے ہوں، یا کسی داعی اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں، ان تمام صورتوں میں جہاد مشروع ہے۔

انہی مقامات کو قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے:۔

(۱) سورۂ حج میں جہاد کا سب سے پہلا حکم بالفاظِ ذیل نازل ہوا ہے:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ

ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ

[۱] اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے اور از خود اقدامِ جنگ کو جائز نہیں کہتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام نے جہاں از خود اقدامِ جنگ کی ترغیب دی ہے وہ بھی غور کیا جائے تو درحقیقت دفاعی ہی ہے جارحانہ نہیں، کیونکہ اسلام کی نظر میں جنگ کا مقصد حق کی سربلندی ہے اور وہ اس نظامِ جہاد کے ذریعہ پورے عالم کو ایک ایسے نظامِ حیات کی طرف بلانا چاہتا ہے جو انسانوں کو امن وسکون عطا کر سکے، جس میں ایک غریب بڑھیا بھی خلیفہ کا دامن تھام سکتی ہو، جس میں انسان کی افضیلت کا سارا مدار اس کے کردار پر ہو، اسلام دوسرے غیر اسلامی ملکوں پر از خود چڑھائی کو جائز ہی نہیں بلکہ بسا اوقات مستحسن قرار دیتا ہے، اس لئے کہ وہاں طبقات کی تقسیم دولت، جاہ اور مرتبہ کے غیر فطری معیاروں پر ہوتی ہے، جہاں اسلام کا قانون نافذ نہ ہو وہاں ظاہری نظر میں خواہ کتنا ہی امن وسکون نظر آتا ہو مگر وہاں سینکڑوں انسان صرف اس جرم میں جانوروں سے زیادہ بدتر زندگی گزارتے ہیں کہ ان کے پاس زیادہ مال ودولت نہیں یا وہ کسی نیچ ذات کے فرد ہیں، ایسے ملکوں کے عوام خواہ زبان سے کسی انقلاب کے خواہاں نہ ہوں مگر ان کا لاشعور دینی مظلومیت کے نوحے پڑھتا رہتا ہے اور وہ زبانِ حال سے کسی ایسے نظامِ حیات کو مدد کے لئے پکارتے ہیں جسے کسی بشری ذہنیت نے جنم نہ دیا ہو، جس میں وہ کسی ایسی ذات کو مصیبت کے وقت پکار سکیں جو ہر چیز اور ہر کام پر قادر ہے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے جس ملک کو بھی فتح کیا وہاں کے عوام نے ان کی حکومت کا غیر معمولی طور پر خیر مقدم کیا، فتح مکہ سے لے کر آخری دور تک کی تاریخ کا مطالعہ کر جائیے، جس ملک کو بھی مسلمانوں نے صحیح اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھتے

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۷ پر)

الذین اُخرجوا من دیارھم بغیر حقٍّ الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہِ الناسَ بعضھم ببعضٍ لھدّمت صوامعُ وبِیَعٌ وصلواتٌ ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً ولینصرنّ اللہ من ینصرہٗ ان اللہ لقویٌّ عزیز الذین ان مکّنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور

(حج)

ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہوگئے ہوتے اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے) یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۴) ہوتے فتح کیا اور وہاں اسلامی نظام رائج کیا اس ملک کے عوام نے ہمیشہ اس کو قبول کرنے میں بے پناہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گویا وہ صدیوں سے اس بات کے منتظر تھے کہ کوئی مردِ مجاہد اٹھے اور انھیں ظلم و ستم کے ان شکنجوں سے نجات دلائے جن میں انسانیت کسی ہوتی سسک رہی تھی، چنانچہ خالد بن ولیدؓ طارق بن زیادؒ، محمد بن قاسمؒ، قتیبہ بن مسلمؒ، محمد فاتحؒ اور محمود غزنویؒ صرف اپنے اصلی ممالک ہی کے مایۂ ناز فاتحین نہ تھے بلکہ وہ ان تمام ممالک کے عوام کی نظر میں بھی ایک محبوب ہیرو کی حیثیت رکھتے تھے جنھیں فتح کرنے کے لئے انھوں نے تلوار اٹھائی تھی، اس سے واضح ہوگیا کہ اسلام نے از خود اقدام جنگ کیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے، لیکن درحقیقت یہ اس انسانیت کا دفاع تھا جس کا دامنِ عصمت تار تار کرنے کے لئے بیشمار خود ساختہ نظام وجود میں آچکے تھے جارحانہ جنگ اسوقت مذموم ہوتی ہے جب اسکی بنیاد ہوسِ ملک گیری کے سوا کچھ نہ ہو جسکا نتیجہ صرف یہ نکلے کہ ایک آمر کی حدود سلطنت وسیع ہوجائیں اور اگر وہ پہلے ہزار انسانوں کا خون پیتا تھا تو اب لاکھ کا پینے لگے لیکن جس اقدام جنگ کا مقصد زیادہ سے زیادہ انسانوں کو ظلم کے پنجے سے چھڑانا اور انہیں ایک فطری نظام حیات کے تحت زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرنا ہو وہ انسانیت پر ایک عظیم احسان ہے اسلام جس جنگ کو "جہاد" کہتا ہے اسکا مقصد یہی ہے ۱۲ مترجم

تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

مذکورہ آیت سورۂ شوریٰ (مکی) کی اس آیت کی تفسیر معلوم ہوتی ہے جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

ولمن انتصر بعد ظلمه فأولئك ما عليهم من سبيل۔ إنما السبيل على الذين يظلمون النّاس ويبغون في الأرض بغير الحقّ أولئك لهم عذاب أليم۔

اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی (اور تکبر) کرتے ہیں ایسوں کے لئے درد ناک عذاب (مقرر) ہے

(۲) سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا إنّ الله لا يحبّ المعتدين واقتلوهم حيث ثقفتموهم وأخرجوهم من حيث أخرجوكم والفتنة أشدّ من القتل ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتّى يقاتلوكم فيه فإن قاتلوكم فاقتلوهم كذلك جزاء الكافرين۔ فإن انتهوا فإنّ الله غفورٌ رحيم وقاتلوهم حتّى لا تكون فتنةٌ ويكون الدّين لله۔ فإن انتهوا فلا عدوان إلا على الظّالمين۔ الشّهر الحرام بالشّهر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتّقوا الله واعلموا أنّ الله مع المتّقين۔

اور بے تکلف لڑو تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو (نقض عہد کرکے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (ازخود) حد (میں ہیں) سے نہ نکلے واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے (اور جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اس وقت خواہ) ان کو قتل کرو جہاں انکو پاؤ اور (خواہ) ان کو نکال باہر کرو جہاں سے انھوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت قتل سے بھی سخت تر ہے اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب (و نواح) میں (کہ حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں۔ ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم (بھی) ان کو مارو ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں (اور اسلام قبول کریں) تو اللہ تعالیٰ بخشدینگے اور مہربانی فرمادیں گے اور ان کے ساتھ اس

حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ (شرک) نہ رہے اور ان کا دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے اور اگر وہ لوگ کفر سے باز آجاویں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینہ کے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اور سورۂ انفال میں ہے :-

وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ بما یعملون بصیر وان تولوا فاعلموا ان اللہ مولٰکم نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر کفر سے باز آجاویں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں اور اگر روگردانی کریں تو یقین کر رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

(۳) سورۂ نساء میں فرمایا :-

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے

(۴) اس سورہ میں مشرکین کی ایک جماعت کے متعلق جو نہ اپنی قوم سے جنگ کرنا چاہتی تھی نہ مسلمانوں سے ہی، بلکہ وہ فتنہ سے ایک کنارہ ہو کر رہنا چاہتے تھے، فرمایا

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا

پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنے تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

نہ کہ اس میں تذبذب ہو، اور اگر ایسے ہوں تو ان کے متعلق حکم کی اس طرح صراحت فرمادی کہ

ستجدون آخرین یریدون ان یامنوکم ویامنوا قومھم کلما ردوا الی الفتنۃ ارکسوا فیھا فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا ایدیھم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم واولئکم جعلنا لکم علیھم سلطانا مبینا

یعنے ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خطر ہوکر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہوکر رہیں جب کبھی ان کو شرارت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ اس میں جاگرتے ہیں سو یہ لوگ اگر تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے۔

صلح کے بارے میں سورہ انفال میں یوں ارشاد ہے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمومنین والف بین قلوبھم۔

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں اور وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کردیا۔

اور سورۂ توبہ میں فرمایا :۔

وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون، الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین۔

اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن کریں تو تم لوگ اس قصد سے کہ یہ باز آجاویں ان پیشوایان کفر سے (خوب) لڑو کیونکہ اس صورت میں ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں، تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسولؐ کے جلا وطن کرنے کی تجویز کی اور انھوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے ہو سو اللہ تعالیٰ

اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

یہ تمام احکام تم کو اس مطلب تک پہنچادیں گے جس کا ہم نے پہلے ذکر کردیا ہے اور وہ یہی ہے کہ جہاد صرف دشمنی کے دور کرنے اور فتنۂ دین میں امن پیدا کرنے کی غرض سے تھا۔

یہود مدینہ نے قریش کو اور منافقین کو مسلمانوں کے خلاف بری طرح بھڑ دیا تھا اور مسلمانوں کو غزوہ احزاب میں بیحد ڈرادیا تھا جس سے ان میں سخت تزلزل واقع ہوگیا تھا اور یہ سب ان کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تحریری اقرار ناموں کے بعد ہوا تھا پس انھوں نے معاہدوں کو توڑا اور ان معاہدوں کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا لہذا مسلمانوں کو ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ سورۂ توبہ میں فرمایا۔

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون ۰

اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول ؐ نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

جہاد کا حکم صرف قریش کے لئے اور ان کے یہود مدینہ کے لئے محدود تھا جو مشرکین کی طرف مائل تھے اور جن کے ساتھ جزیرہ عرب کے قبایل متحد ہوگئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔

اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے۔

اور قرآن کی مصالحانہ روش کی تائید اور اس کی وضاحت کے لئے سورہ ممتحنہ میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے وہ بہت کافی ہے۔

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھاکم

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ انصاف

اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون۔

کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بیں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ گنہگار ہوں گے۔

معاہدات اور وثایق

قرآن مجید نے جس امر کی طرف خاص توجہ دلائی ہے وہ عہد ناموں اور اقرارات کی پابندی ہے اور اس کی خلاف ورزی کی کراہت ہے اور اس کے متعلق بہت تاکیدی احکام دیئے جس میں سے بعض تو عام ہیں اور بعض خاص۔

عام احکام کی مثالوں میں اولاً سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود

اے ایمان والو تمہارے عہدوں کو پورا کرو۔

اور اس کے بعد سورہ نحل میں یہ ارشاد فرمایا گیا۔

واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلا ان اللہ یعلم ما تفعلون ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امۃ ھی اربی من امۃ۔

اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم اس کو (تخصیصاً یا تعمیماً) اپنے ذمہ کر لو اور قسموں کو بعد ان کے مستحکم کرنے کے مت توڑو اور تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کرکے نوچ ڈالا کہ (اس کی طرح) تم (بھی) اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے

اور سورہ اسراء میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا کہ

واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا۔

اور عہد (مشروع) کو پورا کرو بیشک (ایسے) عہد کی باز پرس ہونے والی ہے۔

اپنے خصوصی احکام تو جس طرح سورہ برارت میں مشرکین سے برارت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا :-

الا الذین عاهدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاهروا علیکم احدا فاتموا الیهم عهدهم الی مدتهم ان الله یحب المتقین

ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انھوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کردو واقعی اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

اور اسی سورہ میں مذکورہ حکم کے بعد فرمایا کہ

الا الذین عاهدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لهم ان الله یحب المتقین۔

مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا ہے سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو بیشک اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

ان احکام سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیزاری انہی مشرکین سے کی گئی تھی جنھوں نے یا تو معاہدات کی خلاف ورزی کی تھی یا ان سے خیانت ظاہر ہونے کے دلائل موجود تھے کیونکہ سورہ کی ابتدا میں تو یہ فرمایا گیا تھا کہ

براءة من الله ورسوله الی الذین عاهدتم من المشرکین۔

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کے عہد سے دست برداری ہے جن سے تم نے (بلا تعیین مدت) عہد کر رکھا تھا۔

پھر ان سے ان کو مستثنیٰ فرمایا گیا جن کا ذکر کیا گیا جو دراصل نفاذ ہے ان احکام کا جو سورہ انفال میں دیے گئے۔

واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء ان الله لا یحب الخائنین۔

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور خوف تو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ باتیں ظاہر ہو جائیں جو دشمنی کے اعمال پر دلالت کریں کیونکہ

جس نے اپنے عہد کو نہ توڑا ہو اور نہ اس نے بحیثیت دشمن کے مظاہرہ کیا ہو اور اپنے وعدہ پر قایم ہو تو بموجب نص اس پر تو کوئی راستہ ہی نہیں۔

اور انہی احکام میں سے ایک حکم بھی اس وقت کا ہے جبکہ ان کو ان منافقین کے دور کرنے کی ترغیب دلائی جو ان کے خلاف پوشیدہ کارروائیوں میں مصروف تھے چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد الہٰی ہے۔

الا الذین یصلون الی قوم بینکم و بینھم میثاق۔ — مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے۔

اور یہ حکم معاہدہ کرنے والوں کے ملک کا احترام واجب کراتا ہے اور یہ کہ وہ حفاظت کرتا ہے ان لوگوں کی جو اس زمین سے متصل ہیں۔

اور انہی احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ جس قوم سے معاہدہ ہو ان کے کسی آدمی کو خطا سے قتل کرنے کا وہی حکم ہے جو ایک مسلمان کو خطا سے قتل کا حکم ہے چنانچہ اسی سورہ میں ارشاد ہے۔

وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مومنہ۔ — اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا۔

اور یہ حکم دراصل وہی ہے جو ایک مسلمان کو خطا سے قتل کرنے کا دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد الہٰی ہے

ومن قتل مؤمنا خطاءً فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا — اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں۔

اور دشمن قوم میں سے کسی مسلمان کو قتل کرنے کا معاوضہ اس سے کم رکھا گیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مومنۃ۔ — اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مؤمن ہے تو ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا۔

اور ایک حکم یہ بھی ہے ان مسلمانوں کے بارہ میں جو دشمن کے ملک میں ہوں اور وہاں سے ہجرت کریں جو سورہ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق

اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد (صلح کا) ہو کہ معاہدہ کا حق سب حقوق سے مقدم رکھا گیا۔

اور صلح کی کوئی مدت نہیں رکھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں اس کو بالکل غیر مقید رکھا ہے چنانچہ سورہ انفال میں ارشاد ہے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم۔

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

جنگی قیدی

قرآن مجید نے جنگی قیدیوں کے احکام صراحت سے بیان کردئے ہیں چنانچہ سورہ محمد صلعم میں ارشاد الٰہی ہے۔

حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا۔

یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جبتک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھدیں۔

اس طرح ارباب اقتدار کو دو باتوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کا اختیار دیدیا ایک تو احسان جو دراصل معاف کرکے بغیر کسی معاوضہ کے رہا کردینا اس پر فدیہ یعنی معاوضہ لے کر چھوڑ دینا لیکن یہ " اثخان فی الارض" کے ساتھ مشروط ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کفار کی خوب خونریزی نہ ہوجائے اس وقت تک جنگی قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ رہا کردینا جائز نہیں چنانچہ جنگ بدر کے موقعہ پر جبکہ خونریزی کی یہ شرط پوری نہیں ہوئی تھی آنحضرت صلعم نے قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد فرمادیا تھا اس موقعہ پر باری تعالیٰ نے آپ پر ایک محبوبانہ عتاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔

ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کردئے جائیں) جب تک کہ

عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ — وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی کرلیں تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اسباب کی بناء پر بعض قیدیوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا بدر میں عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا اور جنگ احد میں ابی عزۃ جمحی کے قتل کا جس سے جنگ بدر میں اقرار لیا گیا تھا کہ آپؐ کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے تو اس نے اپنے اپنے اقرار کو پورا نہ کیا اور جیسے کہ آپؐ نے بعد فتح مکہ معظمہ مکہ کے آٹھ آدمیوں کا قتل ان جرائم کی بناء پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے مباح فرما دیا تھا۔

غلام اور غلامی جس وقت اسلام آیا تو عربوں کے ہاتھوں میں غلام موجود تھے تو اسلام نے ان غلاموں کو باقی رکھا جو ان کے قبضہ میں تھے چنانچہ سورہ مومنون میں جو مکی ہے ارشاد فرمایا۔

والذین ھم لفروجھم حٰفظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین۔ — اور جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں۔

اور اسی طرح سورہ معارج میں بھی جو مکی ہے ارشاد فرمایا یعنے مسلمانوں کو کوئی جنگ پیش آنے کے پہلے ہی اور اسی طرح سورہ نساء میں جو مدنی ہے ارشاد فرمایا۔

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم۔ — پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔

اس کے بعد ان کو غلاموں کے آزاد کرنے اور غلامی کو دور کرنے کے کئی طریقوں سے ترغیب دلائی (اولاً) سورۂ بلد میں شکر ادا کرنے کا سب سے پہلا طریقہ یہ بتلایا کہ وہ غلاموں کو آزاد کرے چنانچہ اس پر اپنے احسان جتانے کے بعد ارشاد فرمایا۔

فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ او اطعام — سو وہ شخص دین کی گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی (سے) کیا

فی یوم ذی مسغبة یتیماذا مقربة او مسکینا ذا متربه ثم کان من الذین آمنوا و تواصوا بالصبر و تواصوا بالمرحمة اولئك اصحٰب المیمنة۔

(مراد) ہے وہ کسی (کی) گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ اور یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو (یعنی ان احکام الہیہ کو بجالانا چاہیئے تھا) پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو (ایمان (کی) پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم (علی الخلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمائش کی یہی لوگ داہنے ولے ہیں۔

اس طرح غلامی کی آزادی کو ان خصلتوں کا پیشوا بنایا جن کو انسان اپنے مولا کی شکر گزاری کے طور پر اختیار کرے۔

(ثانیاً) غلامی آزادی کو گناہوں کے اکثر کفارات میں مقدم رکھا مثلاً خطا سے قتل سے کفارہ کے بارہ میں سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ قتل مؤمنا خطاً فتحریر رقبة مؤمنة ۰

اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے

اور کفارہ ظہار کے بارہ میں سورہ مجادلہ میں ارشاد فرمایا۔

والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا۔

اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنی چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں۔

اور سورہ مائدہ میں کفارہ یمین (قسم) کے متعلق ارشاد فرمایا۔

فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم اوکسوتھم اوتحریر رقبة۔

سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا

(سوم) زکوٰۃ کے مصارف کی جہاں تفصیل بیان فرمائی وہاں آٹھ حصوں میں سے ایک حصہ "آزادی" دلانے کے لئے رکھا گیا یعنے امام وقت جو مسلمانوں سے زکوٰۃ لے گا اس حصہ کی رقم غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کرے گا۔

(چہارم) حکم فرمایا کہ جو غلام اپنی آزادی کے لئے تحریری معاہدہ چاہے تو اس کو قبول کیا جائے

اور اس تحریری معاہدہ کی بناء پر جس قدر رقم ان سے مطلوب ہو اس کے ادا کرنے کے لئے ان کی مدد کرنے کا حکم دیا چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا و آتوھم من مال اللہ الذی آتاکم۔

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب[1] ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) ان کو مکاتب بنایا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور اللہ کے (دیئے ہوئے) اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (تاکہ جلدی آزاد ہو جائیں)

اس کے علاوہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں کے آزاد کرانے کے بارہ میں بڑی ترغیبات مروی ہیں اور بار بار کی وصیتیں ان پر رحم کرنے کے بارہ میں جو ان کے پاس اس وقت بحیثیت غلام موجود تھے فرمائی جاتی تھیں اور قرآن میں ایک بھی حکم صریح غلام بنانے کے بارہ میں موجود نہیں ہے یعنے جنگ میں قید ہونے والوں کو غلام بنانے کا حکم نہیں ہے۔

جنگ کا مال غنیمت

عرب کی عادت تھی کہ وہ غنیمتیں حاصل کیا کرتے اور مال غنیمت لڑنے والوں پر تقسیم کیا کرتے اور سردار قوم کے لئے ایک بڑا حصہ رکھا کرتے جیسا کہ ان کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

لک المرباع منہا والصفایا وحکمک والنشیطۃ والفضول

تیرے لئے چوتھائی حصہ اور عمدہ چیزیں ہیں اور تجھے فیصلہ کا مکمل اختیار ہے اور نشیط اور فضول بھی ہی تیرے لئے ہے۔

اس میں رباع سے مراد غنیمت کی چوتھائی ہے اور صفایا سے مراد وہ عمدہ چیز جس کو سردار قوم اپنے لئے منتخب کرلے اور نشیط سے مراد وہ چیز جو لڑنے والوں کے ہاتھ میں لوٹ سے پہلے پڑ جائے اور فضول سے مراد وہ چیز جو تقسیم کے بعد زیادہ رہے یعنے تقسیم سے بچ جائے۔ جب اسلام آیا تو سب سے پہلی غنیمت جو مسلمانوں کو ملی وہ تھی جو ان کو غزوہ بدر میں ملی تھی تو انھوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس غنیمت کی تقسیم کس طرح کی جائے جس پر سورہ انفال میں اس تقسیم کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بتلایا

یسألونک عن الانفال قل الانفال

یہ لوگ آپ سے (خاص) غنیمتوں کا حکم دریافت

---

[1] "مکاتب" کا مطلب ہے اپنے غلام کو کچھ مال لے کر آزاد کر دینا ۱۲ م ت۔ ع۔

لله والرسول — کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں۔

پھر اپنے اس ارشاد سے اس کی تقسیم کی صراحت فرما دی کہ

واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل۔ — اور اس بات کو جان لو کہ جو شئے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے اور (ایک حصہ) آپ کے قرابت داروں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ہے اور (ایک حصہ) غریبوں کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے۔

چنانچہ رسول علیہ السلام مال غنیمت کا پانچواں حصہ لے کر ان لوگوں پر تقسیم فرمادیا کرتے تھے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لیس لی من مغنمکم الا الخمس والخمس یرد علیکم ۔ — مجھے تمہارے مال غنیمت میں سے بجز پانچویں حصہ کے اور کچھ نہیں ملتا ہے اور وہ پانچواں حصہ بھی تم پر ہی لوٹا دیا جاتا ہے۔

کیونکہ اس پانچویں حصہ میں سے بڑی مقدار آپؐ مصالح عامہ میں ہی صرف فرمادیا کرتے تھے۔

اور فئی کے بارہ میں سورہ حشر میں فرمایا اور فئے سے مراد وہ مال ہے جس کے حاصل کرنے میں مسلمانوں کو نہ گھوڑے دوڑانے پڑے ہوں اور نہ اونٹ۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم — جو کچھ اللہ تعالیٰ (اسی طور پر) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوا دے (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا) سو وہ (بھی) اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور (آپ کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال فئے) تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔

پھر ارشاد فرمایا

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا — اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول

من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ و رسولہ اولئک ھم الصادقون و الذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔

(کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دار الاسلام (یعنی مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا (بھی اس مال فئی میں حق ہے) جو ان کے بعد آتے جو (ان مذکورین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخشدے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

سنت نے ان غزوات میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک تھے احکام قرآن کی وضاحت عملاً کردی جن میں سے بعض کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف ٹولیاں روانہ فرمائیں وہ سب احکام قرآن کے مطابق تھے۔

جن غزوات کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) غزوہ بدر جو ۲ھ ہجری میں واقع ہوا جس کا ذکر سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے فرمایا کہ

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکارھون

جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔

اور سورۂ آل عمران میں بھی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے فرمایا۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلة۔ — اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تمکو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے۔

اور کئی آیات میں اس قصہ کی تکمیل ہوئی ہے۔

(۲) غزوہ احد جو ۳ھ ہجری میں واقع ہوا جس کا ذکر سورہ آل عمران میں اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے شروع ہوتا ہے اور کئی آیات میں اس کی تفصیل ہے۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ — اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔

(۳) غزوہ حمراء الاسد جو اسی مذکورۂ بالا سال میں واقع ہوا جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں موجود ہے۔

اَلَّذِین استجابوا للّٰہِ والرسول من بعد ما اصابھم اَلقرحُ۔ — جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا۔

(۴) غزوہ بدر اخری جو ۴ھ میں واقع ہوا جس کی طرف سورہ آل عمران میں قرآن مجید نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

اَلَّذِین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمة من اللہ وفضل لم یمسسھم سوءٌ واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم — یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیئے تو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور کہہ دیا کہ ہم کو حق تعالےٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے بھرے ہوتے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی اور وہ لوگ رضائے حق کے تابع رہے اور اللہ تعالےٰ بڑا فضل والا ہے۔

(۵) غزوہ بنی النضیر کہ وہ بھی ۴ھ میں ہی واقع ہوا اور قرآن مجید نے سورہ حشر میں اللہ تعالےٰ کے اس قول پاک سے ذکر کیا جو کئی آیات تک مسلسل بیان فرمایا ہے۔

هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب من دیارهم لاول الحشر۔ — وہی ہے جس نے (ان) کفار اہل کتاب (یعنی بنی نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کرکے نکال دیا۔

(۶) غزوہ احزاب جو ۵ھ میں واقع ہوا اور اس کا ذکر قرآن مجید کی اسی سورت میں ہے جس کا نام بھی اسی غزوہ کے نام پر رکھا گیا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی اس آیت سے شروع ہوکر کئی آیات تک چلا گیا ہے۔

یاایها الذین آمنوا اذکروا نعمة الله علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیهم ریحا وجنودا لم تروها۔ — اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی۔

(۷) غزوہ بنی قریظہ اسی سال ہوا جس سال غزوہ احزاب ہوا اور اسی سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے اس غزوہ کا ذکر فرمایا۔

وانزل الذین ظاهروهم من اهل الکتاب من صیاصیهم وقذف فی قلوبهم الرعب فریقا تقتلون وتاسرون فریقا واورثکم ارضهم ودیارهم واموالهم وارضا لم تطئوها وکان الله علیٰ کل شیٔ قدیرا۔ — اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرلیا اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۸) غزوہ حدیبیہ جو ۶ھ میں ہوا جس کا ذکر سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ذکر فرمایا۔

اِنّ الذین یبایعونك انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم — جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

(۹) غزوہ خیبر جو ۷ھ میں واقع ہوا جس کی طرف اسی سورہ فتح میں اپنے اس ارشاد سے اللہ تعالےٰ نے ذکر فرمایا ہے جس کا سلسلہ گذشتہ آیات تک چلا گیا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا ومغانم کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزا حکیما۔	بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور (اسوقت) اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دیدی

اور (اس فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی (دیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

(۱۰) فتح مکہ ۸ھ میں ہوا اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ارشاد فرمایا ہے[1]۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔	جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے (فتح مکہ کے) بعد جس طرح کیا اور لڑے اور

(یوں) اللہ تعالےٰ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔

اور سورہ نصر کی اس آیت میں بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح۔	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد

اور (مکہ کی فتح) (مع اپنے آثار کے) آپہونچے (یعنی واقع ہوجائے)۔

(۱۱) غزوہ حنین جو اسی سال واقع ہوا اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ارشاد فرمایا ہے[2]۔

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم	تم کو خدائے تعالےٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا اور حنین

---

[1] سورۂ حدید [2] سورۂ توبہ۔

فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین وانزل جنودا لم تروھا وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکافرین۔

کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر (آخر) تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (کے قلب) پر اور دوسرے مومنین کے قلوب پر (اپنی طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے۔

(۱۲) غزوہ تبوک اور یہ "تنگی کا غزوہ" تھا جو ۹ھ میں واقع ہوا اور اس غزوہ کی بہت تفصیلات سورہ توبہ میں ارشاد فرمائی ہیں اور قرآن مجید میں غزوات کے ذکر میں سب سے زیادہ طویل ذکر کا غزوہ یہی ہے چنانچہ اس غزوہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے شروع ہوتا ہے جو آخر سورہ کے قریب تک چلا گیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل۔

اے ایمان والو تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر قناعت کر لی سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے۔

اور ان تمام غزووں میں قرآن مجید کے قواعد کے مطابق عمل رہا جن کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا یعنے دشمنوں کا دور کرنا، اور امن کے ساتھ دعوت اسلام دینا اور صلح کی طرف صلح کرنے والوں کے ساتھ میلان، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اسی وقت تک اس دنیا میں رہی جب تک کہ جزیرہ عرب کل آپ کے تابع نہ ہوگیا۔

عائلی نظام

خانہ داری کے جس نظام کی تفصیلات قرآن مجید نے بیان کی ہیں اور جو احکام دئے ہیں انکی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

شادی بیاہ

قرآن مجید نے نکاح کا حکم دیا اور نکاح کی بندش کا نام "میثاق غلیظ" (یعنی مضبوط عہد) رکھا جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

وَاخذن منکم میثاقا غلیظا۔ اور وہ عورتیں تم سے ایک مضبوط اقرار لے چکی ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے احسانات میں سے شمار کیا ہے کہ اس نے میاں بیوی کے درمیان محبت اور مودت کا مقدس رشتہ قائم کیا چنانچہ سورۂ روم میں ارشاد ہوتا ہے۔

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون۔

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

اور میاں بیوی میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

ھُنَّ لباس لکم وانتم لباس لھن۔ کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم انکے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو۔

اور اس کے معنی یہی ہیں کہ تم ان سے تسکین پاتے ہو اور وہ تم سے تسکین پاتی ہیں۔ ایک اور آیت میں باری تعالیٰ نے رات کو بھی انسانوں کے لئے لباس قرار دیا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس میں تسکین پاتے ہو۔

اور سنت رسول ؐ نے بھی نکاح کی شدت کے ساتھ ترغیب دی جس سے امت کی عددی زیادتی کا خیال بھی پیش نظر ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

تناکحوا وتناسلوا فانی مباہ بکم الامم یوم القیامۃ۔ نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں کے سامنے فخر کرونگا۔

اور قرآن مجید نے نکاح پر اپنے اس قول سے سورۂ نور میں ترغیب دلائی کہ۔

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم۔

اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کردیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس (نکاح) کے لائق ہو اس کا بھی، اگر وہ مفلس ہونگے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) انکو اپنے فضل سے غنی کردے گا اور اللہ تعالےٰ خوب وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے۔

چونکہ عربوں کے پاس بیویوں کی تعداد کے لئے کوئی حد نہ تھی کہ اس کی پابندی کرتے اس لئے بعض اوقات ایک آدمی دس دس عورتوں سے نکاح کرلیتا تھا۔ قرآن مجید نے نکاح کی تعداد کے لئے ایک معتدل حد مقرر کردی اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم بیویوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام نہ لے سکوگے تو پھر ایک ہی شادی کرو۔

چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا

تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرلو دو دو عورتوں سے اور تین تین سے اور چار چار عورتوں سے پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔

ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت چند امور کی بناء پر دی گئی ہے۔

(۱) طبیعت انسانی کی ضرورت، تجربہ نے بتایا کہ اکثر اوقات ایک بیوی کافی نہیں ہوتی۔

(۲) نسل کی کثرت۔ لیکن یہ مشروط ہے ظلم کا خوف نہ ہونے پر جو ایسی خرابی ہے کہ شارع کی نظر میں ان دونوں مصلحتوں پر غالب ہے اور بیویوں کی زیادتی شارع کی نظر میں ان اسلامی شعائر میں سے نہیں ہے جس کے بغیر چارہ نہ ہو بلکہ وہ ان مباح امور میں سے ہے جن کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ خود صاحب معاملہ ہی پر ہے چاہے کرے چاہے چھوڑ دے[1] بشرطیکہ حدود الٰہی سے تجاوز نہ کرے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی چار ہی شادیاں کرے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اس مباح کام کو واجب نہیں قرار دیا جاسکتا، اسی طرح اسے ممنوع کردینا بھی کسی صورت جائز نہیں ۱۲ محمد تقی۔

اور قرآن مجید نے ایک مسلمان کے لئے بعض ان عورتوں سے رشتۂ نکاح قائم کرنے کو حرام قرار دیا ہے جن سے قرابت یا دودھ یا سسرالی کا کوئی رشتہ ہو جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء الا ما قد سلف انه کان فاحشة ومقتا وساء سبیلا حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت وامهاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة وامهات نسائکم وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بهن فان لم تکونوا دخلتم بهن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ان الله کان غفورا رحیما والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم کتاب الله علیکم۔

اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ (دادا یا نانا) نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی گزر گئی بے شک یہ (عقلاً بھی) بڑی بے حیائی ہے اور نفرت کی بات ہے اور (شرعاً بھی) بہت برا طریقہ ہے تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہاری ان بیٹوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نہ رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا بے شک اللہ تعالےٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہیں مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جاویں اللہ تعالےٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے۔

اور فرمان رسالت پناہی ؐ میں کسی عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی اور خالہ کو بیک وقت نکاح میں جمع رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے اور رضاعت کی وجہ سے ہر وہ عورت حرام ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہے۔

اور قرآن مجید نے اس کو بھی حرام کر دیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی مشرکہ کے ساتھ یا مشرک کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامۃ مومنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مومن خیر من مشرک ولو اعجبکم اولئک یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنۃ و المغفرۃ باذنہ۔	اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر

مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو (کیونکہ) یہ لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے۔

اور اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اپنے اس قول عزیز سے حلال فرما دیا جو سورہ مائدہ میں ہے۔

والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا آتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان۔	اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دئے گئے ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دیدو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو

اور پاکدامن عورت کا بیاہ زانی کے ساتھ یا پاکدامن مرد کا نکاح زانیہ عورت کے ساتھ ممنوع قرار دیا چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحھا الا زان او مشرک وحرم ذلک علی المومنین۔	زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا

مشرک کے اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔

اور جو شخص[۱] آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی مالی استطاعت نہ رکھے اس کے لئے لونڈی

---

[۱] باندی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے یہ قید امام شافعیؒ کے نزدیک واجب العمل ہے (باقی صفحہ ۹۷ پر دیکھئے)

کے ساتھ نکاح کرنا جائز رکھا ہے چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمن ماملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن بالمعروف محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان۔

اور جو شخص تم میں پوری وسعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے اور تمہارے ایمانوں کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو سو ان سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کو ان کے مہر قاعدہ کے موافق دیدیا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں۔

سنت نے عقد نکاح کے لئے بعض قیود مقرر کی ہیں اور قرآن مجید نے مرد پر عورت کے لئے مہر کی ادائیگی فرض قرار دی ہے جیسا کہ سورۂ نسا میں ارشاد ہے۔

واحل لکم ماوراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیما حکیما۔

اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنے یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے چاہو اس طرح سے کہ تم اپنی بیوی بنا وصرف مستی ہی نکالنا نہ ہو پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے منتفع ہوئے ہو سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر کر چکے اور مقرر ہوئے بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۹۶ کا) یعنی جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کے لئے باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں سمجھتے، مگر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا ہر صورت میں جائز ہے خواہ ایک شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، مذکورہ آیت میں ومن لم یستطع منکم طولاً کی قید کو امام ابو حنیفہؒ اتفاقی قرار دیتے ہیں جس کے لئے دوسرے دلائل موجود ہیں اور امام شافعیؒ اس قید کو احترازی کہتے ہیں ۱۲ محمد تقی عثمانی

قرآن نے عورت کے سامنے مرد کے مقام کی بھی وضاحت فرمائی چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة۔

اور عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اور سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصالحات قانتات حفظات للغیب بما حفظ الله والتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلا تبغوا علیهن سبیلا ان الله كان علیا كبیرا

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت آلہٰی نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان الله كان بما تعملون خبیرا ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا كل المیل فتذروها كالمعلقة وان تصلحوا وتتقوا فان الله كان غفورا رحیما۔

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی

جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں۔

اور باوجودیکہ قرآن نے مرد و عورت کے درمیان برابری کے اصول رکھے ہیں لیکن گھر میں مرد کی برتری قائم کی اور ساتھ ہی اسے حسن معاشرت کا بہت تاکید کے ساتھ حکم دیا۔ چنانچہ احادیث اس قسم کی ترغیبات اور احکام سے بھری پڑی ہیں۔

طلاق

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نکاح کے ذریعہ مرد و عورت کے اجتماع کے نظام کو مشروع فرمایا ہے اسی طرح نباہ نہ ہو سکنے کی صورت میں جدائی کے نظام کو بھی ایک قاعدہ کے تحت رکھا ہے، جسے طلاق کہتے ہیں، مگر اس کے لئے باری تعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے اور اس پر کچھ ایسی پابندیاں عائد فرمادی ہیں جن کی وجہ سے طلاق کی اجازت کا استعمال محض وقتی اور ہنگامی اثرات کا نتیجہ نہ ہو، تفصیلات درج ذیل ہیں:۔

(۱) انسان کے دل میں اپنی بیوی کی طرف سے نفرت پیدا ہونے کو مشکوک قرار دیا جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

وَعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔

اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اسکے اندر کوئی بڑی منفعت رکھدے۔

اور ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ لا یفرك مومن مومنة ان کرہ منھا خلقا رضی منھا اخر (کوئی مومن کسی مومنہ سے بغض نہ رکھے کہ اگر اس سے کسی بات میں ناراض ہوگا تو کسی بات سے راضی بھی ہو جائے گا) بلکہ عورت کو صلح حاصل کرنے کی ترغیب دلائی چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بدماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں

یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کریں اور یہ صلح بہتر ہے۔

(۲) ناچاقی کا اندیشہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے پنچ بنانے کا حکم دیا چنانچہ سورۂ نساء میں فرمایا۔

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا۔ اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں اتفاق کردیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

اور یہ خطاب[1] عام مومنین سے ہے جس کو نافذ کرنا ان کے نمائندے یعنی حاکم وقت کی ذمہ داری ہے۔

(۳) جبکہ سابقہ احکام کے نافذ کرنے کے باوجود طلاق کے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو پھر یہ پابندی لگادی گئی کہ طلاق ابتداء عدت میں ہو یعنی عورت کی اس پاکی کی حالت میں ہو جس میں مرد نے اس سے مقاربت نہ کی ہو جیساکہ سورۂ طلاق میں ارشاد فرمایا۔

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم۔ اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہدیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانۂ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہر میں) طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی اہلیہ کو بحالت حیض طلاق دیدی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو ناپسند فرمایا تھا اور ان کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حکم دیا

---

[1] یہ علامہ خضری کی رائے ہے، دوسرے بڑے علماء کا خیال ہے کہ اس آیت میں صرف اہل خاندان سے خطاب نہیں کیا گیا ہے کیونکہ زوجین کی پرائیویٹ زندگی کا عام عدالتوں تک اچھلنا شریعت کی نگاہ میں کبھی کوئی پسندیدہ بات نہیں ۱۲۔

تھا کہ پھر وہ جب چاہیں قرآنی احکام کے مطابق طلاق دیں۔

(۴) سورہ طلاق میں حکم فرمایا کہ عورت عدت کے زمانہ تک سسرال کے مکان میں رہے کیونکہ وہ اس وقت تک بیوی ہی رہے گی اور یہ کہ کسی بادر وجہسے وہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو چنانچہ ارشاد ہے۔

لاتخرجوھن من بیوتھن ولایخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وتلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ سکنیٰ مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے کے) کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کردے (مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہوسکتا ہے)

اس آخری جملہ سے وہ مصلحت ظاہر ہوگئی جس کی بناء پر اس کو گھر میں رہنے کا حکم دیا گیا۔

(۵) بہترین شوہر اس کو بتایا گیا جو عدت کے ختم ہوجانے پر یا تو عورت سے مراجعت کرلے یا اس سے جدائی اختیار کرے اور یہ جدائی فعلاً عمل میں آجائے اور دونوں حالتوں میں اپنے اس فعل پر دو آدمیوں کو گواہ بنادے۔ چنانچہ سورۂ طلاق میں ارشاد ہے۔

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ۔

پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت گزارنے کے قریب پہنچ جائیں (تو تم کو دو اختیار ہیں یا تو) ان کو قاعدے کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو (اے گواہو اگر گواہی کی حاجت پڑے تو) ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے (بلا رد و رعایت) گواہی دو۔

اور شوہر کو عدت کے ختم ہونے سے پہلے پہلے عورت سے رجوع کرنے کا حقدار قرار دیا چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

وبعولتهن احق بردهن فی ذلك ان ارادوا صلاحا۔ — اور ان عورتوں کے شوہران کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں۔

(۶) عدت کا حکم فرمایا جو مختلف ہے، حیض والی عورتوں کے لئے تو تین حیض ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء۔ — اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک۔

اور بوڑھی عورتیں جن کو حیض آنا بند ہوگیا ہو یا کم عمر عورتیں جو ابھی حائضہ ہی نہ ہوئی ہوں ان کی مدت تین ماہ رکھی جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد فرمایا گیا۔

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر واللائی لم یحضن — (اوپر عدت کا اجمالاً ذکر تھا) اور (تفصیل یہ کہ) تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں (بوجہ زیادت سن کے) حیض سے نا امید ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا۔

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی جیسا کہ ارشاد ہے۔

واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن۔ — اور حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔

۔۔ اور جس کو شوہر نے ہاتھ نہ لگایا ہو (جماع نہ کیا ہو) اس کو عدت سے معافی دیدی جیسا کہ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے۔

اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها۔ — تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم ان کو قبل ہاتھ لگانے کے (کسی اتفاق سے) طلاق دیدو تو تمہاری ان پر کوئی (عدت) واجب نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو۔

اور مرد کو حکم دیا کہ جب عورت عدت میں ہو تو اس کے ساتھ نرمی و مہربانی کا سلوک کرے جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد ہے۔

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولاتضاروھن لیضیقوا علیھن وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن فان ارضعن لکم فآتوھن اجورھن واتمروا بینکم بمعروف وان تعاسرتم فسترضع لہ اخری لینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما آتاہ اللہ لا یکلف اللہ نفسا الا ما آتاھا سیجعل اللہ بعد عسر یسرا

تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے (اس کے بارے میں) تکلیف مت پہنچاؤ اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو پھر اگر وہ (مطلقہ) عورتیں (جبکہ پہلے ہی سے بچے والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو) تمہارے لئے (بچہ کو اجرت پر) دودھ پلا دیں تو تم انکو مقررہ اجرت دو (اور اجرت کے بارے میں) باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو۔ اور اگر تم باہم کشمکش کروگے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی (آگے بچہ کے نفقہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ) وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق (بچہ پر) خرچ کرنا چاہیئے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہیئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے خداء تعالےٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے خدائے تعالےٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی دیگا (گو بقدر ضرورت وحاجت روائی سہی)

(۷) شریعت نے مرد کے لئے اس بات کو مستحسن قرار دیا ہے کہ جب وہ عورت کو طلاق دے تو اس کو اس قدر سامان ساتھ دیدے جو اس کی ضروریات واجبہ کو پورا کرسکے اور جس عورت کو صحبت سے پہلے طلاق دیجائے اور اس کا مہر معین نہ ہوا ہو اس کے لئے یہ حق واجب قرار دیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعا

(مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے اور صرف ان کو ایک جوڑا دیدو

بالمعروف حقا علی المحسنین۔ صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدہ کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔

پھر اس کا ذکر عام الفاظ میں اس طرح فرمایا کہ

وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین۔ اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔

اور جس کو صحبت کے پہلے طلاق دی گئی ہو اس کے بارے میں سورہ احزاب میں ارشاد فرمایا کہ

فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلا۔ تو ان کو کچھ (مال) متاع دیدو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔

اور جس کو صحبت کے پہلے طلاق دی گئی لیکن اس کا مہر نکاح کے وقت معین ہو چکا تھا اس کے لئے نصف مہر قرار دیا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح وان تعفوا اقرب للتقوی ولا تنسوا الفضل بینکم ان اللہ بما تعملون بصیر۔ اور اگر تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف (واجب) ہے مگر یا کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق (رکھنا اور توڑنا ہے) اور تمہارا معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

(۸) مرد کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ جو کچھ مال و اسباب عورت کو قبل طلاق دے چکا ہے طلاق کے بعد اس سے واپس نہ لے جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

وان اردتم استبدال زوج مکان اور اگر تم بجائے ایک بی بی کے دوسری بی بی کرنا

زوجٍ وآتیتم احداهنّ قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا اتاخذونہ بهتانا واثما مبینا وکیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعضٍ واخذن منکم میثاقا غلیظا۔

چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو کیا تم اس کو لیتے ہو بہتان رکھکر اور صریح گناہ کے مرتکب ہوکر اور تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم میں سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں۔

اور لینے کی اجازت بھی دی تو اس حالت میں جبکہ نہ لینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ ضابطوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے :-

ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموهنّ شیئا الا ان یخافا الا یقیما حدود اللّٰہ فان خفتم الا یقیما حدود اللّٰہ فلا جناح علیهما فیما افتدت بہ تلک حدود اللّٰہ فلا تعتدوها ومن یتعد حدود اللّٰہ فاولئک هم الظالمون۔

اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (ہی) جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کرسکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کرسکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دیکر عورت اپنی جان چھڑا لے یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔

(۹) یہ بھی قرار دیا کہ طلاق کا تجربہ دو مرتبہ کرکے دیکھا جائے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

الطلاق مرتٰن فامساکٌ بمعروفٍ او تسریحٌ باحسان۔

وہ طلاق دو مرتبہ (کی) ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق۔

جب تیسری مرتبہ طلاق دیدے تو اس پر بالکل حرام ہوگئی اور ہر ایک پر واجب ہوگیا کہ اپنے لئے دوسرا ساتھی تلاش کرلے چنانچہ ارشاد ہے۔

فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔

پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دیدے عورت کو تو وہ پھر اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد

یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرلے۔
اور جبکہ دوسرا شوہر بیوی کا تجربہ کرے تو پھر اس کے پہلے شوہر کو جائز ہوگا کہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کرلے جیسا کہ ارشاد ہے۔

فان طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود الله و تلک حدود الله یبینها لقوم یعلمون۔

پھر اگر یہ اس کو طلاق دیدے تو ان دونوں پر (اس میں) کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جادیں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہیں کہ (آیندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے

اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں۔
اور مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھیں اور یہ غالباً اس لئے تھا واللہ اعلم کہ شوہر کو اس بات کی اجازت دیتا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ میں انتہائی طور پر حرام کرے ان مصلحتوں کو ضایع کردیتا ہے جو قرآنی احکام سے طلاق کو بصورت رجوع دو مرتبہ دینے میں اور تیسری طلاق سے حرام کرنے میں رکھی گئی ہیں۔

(۱۰) قرآن کریم نے جدائی کی ان اقسام کا بھی ذکر کیا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھیں اور قرآن کریم نے اس کا ایک نظام رکھا ہے۔
اول۔ ایلاء ہے یعنی مرد اس بات کی قسم کھالے کہ اپنی بیوی کے پاس نہ جائے گا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

لہ لیکن چاروں ائمہ مجتہدینؒ اس بات پر متفق ہیں کہ تین طلاقوں کا ایک شمار کیا جانا اس صورت میں تھا جبکہ طلاق دینے والے کی نیت ایک ہی طلاق کی ہو اور اس نے اسی طلاق کے لفظ کو بار بار بطور تاکید استعمال کیا ہو اس وجہ سے آنحضرتؐ سے اگر کوئی شخص یہ کہدیتا تھا کہ میں نے طلاق ایک ہی دینا چاہا تھا مگر تین مرتبہ تاکید کے طور پر لفظ طلاق بولا تھا تو آپؐ اس کی بات مان کر طلاق کو ایک قرار دیتے تھے، بعد میں جب لوگوں کی دیانت سے اعتماد اُٹھنے لگا تو حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا اب اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اسے تین طلاقیں سمجھی جائیں گی۔ چنانچہ اب اسی پر ائمۂ اربعہؒ کا اجماع ہے، اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب "ہمارے عائلی مسائل" میں گفتگو کی ہے، ۱۲ محمد تقی۔

للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاؤا فان الله غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان الله سمیع علیم ۔

وہ لوگ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس جانے) سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کریں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے رحمت فرمادیں گے اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

اور آیت کے ربط سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارع نے شوہر کے لئے ایک ایسی مدت مقرر کردی ہے جو انتہائی طور پر قسم کی حفاظت کے لئے ممکن ہو اس مدت کے پورا کرنے سے پہلے، کہ جب وہ اس مدت کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو معاف فرمادے گا جیسا کہ اس پہ آیت سابقہ دلالت کرتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

ولا تجعلوا الله عرضة لایمانکم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس والله سمیع علیم لا یواخذکم الله باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم والله غفور حلیم ۔

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دار و گیر نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں (ایسی) بیہودہ قسم پر لیکن دار و گیر فرماویں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں رحیم ہیں۔

دوئم۔ ظہار جو کہ عرب کے پاس تحریم کی ایک شکل تھی کہ مرد اپنی عورت کو یہ کہہ کر اپنے اوپر حرام کرلیتا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ چنانچہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ کے شروع کی آیتیں نازل فرمائیں۔

قد سمع الله قول التی تجادلك فی زوجها وتشتکی الی الله والله یسمع تحاورکما ان الله سمیع بصیر الذین یظاهرون منکم من نسائهم ما هن امهاتهم ان امهاتهم

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور (اپنے رنج و غم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ (تو) سب کچھ

اِنْ اُمّھٰتُھُمْ اِلَّا اللّٰئِیْ ولدنھم وانھم لیقولون
منکرا من القول وزورا وان اللہ
لعفو غفور والذین یظاھرون من
نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر
رقبة من قبل ان یتماسا ذلکم
توعظون بہ واللہ بما تعملون
خبیر فمن لم یجد فصیام شھرین
متتابعین من قبل ان یتماسا فمن
لم یستطع فاطعام ستین مسکینا
ذلک لتؤمنوا باللہ ورسولہ
وتلک حدود اللہ ۔

سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں انت علی کظھر امی) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہوگا) اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخش دینے والے ہیں اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے بہ پے (یعنی لگاتار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے یہ حکم اس لیے (بیان کیا گیا) ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ طلاق کے لئے جو نظام بتایا گیا وہ ایک بہترین اور خوبصورت نظام ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو کل کا کل بہتر ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ شوہر پر اپنی بیوی کے ساتھ اپنے پر ان دونوں کے اخلاق میں بعد المشرقین ہونے کی وجہ دونوں میں نفرت پیدا ہونے کے بعد زور نہیں دیتا ہے تو دوسری طرف جدائی کے معاملہ کو بغیر کسی کفالت کے سہل نہیں رکھا۔

اور شارع نے بیوی پر یہ بھی واجب کیا ہے کہ جب اس کا شوہر مر جائے تو وہ سوگ گزارے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون
ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة
اشھر وعشرا فاذا بلغن اجلھن

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں

فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر۔

چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کرلیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

اور اس کا بھی اس کو مستحق قرار دیا کہ اگر وہ چاہے تو سسرال میں ایک سال تک رہے جس کو شوہر کے ترکہ سے گزارہ دیا جائے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم۔

اور جو لوگ وفات پاجاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے۔

اور ان دونوں آیتوں میں معمولی سا تامل کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے صرف یہ کہ پہلی آیت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ بیوی پر کیا واجب ہے اور دوسری یہ کہ اس کا کیا حق ہے۔

اور وہ عورت جو شوہر کے مرنے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو اس کو صراحتاً نکاح کا پیغام دینے سے منع کر دیا گیا۔ البتہ اشارہ کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں (ارادۂ نکاح کو) پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کروگے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ

واعلموا ان اللہ غفور حلیم ۔ کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو نہ پہنچ جاوے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع تمہارے دلوں کی بات کی ہے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں۔

قرآن نے مطلقہاں سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اپنے بچہ کو دودھ پلائے چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعھا لا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ وعلی الوارث مثل ذلک فان ارادا فصالا عن تراض منھما وتشاور فلا جناح علیھما وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما آتیتم بالمعروف واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر۔

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ بات اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہونچانا چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو پھر اگر دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے حوالہ کر دو جو کچھ ان کو دینا کیا ہے قاعدہ کے موافق اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

مندرجۂ بالا احکام کے علاوہ قرآن مجید میں عائلی امور سے متعلق مندرجۂ ذیل ہدایات بھی موجود ہیں :-

(۱) یتیموں کے نگراں کے لئے ہدایات فرمائیں چنانچہ اللہ عزوجل نے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

ویسألونك عن الیتامی قل اصلاح لهم خیر وان تخالطوهم فاخوانكم فی الدین۔

اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں۔

اور سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

وَآتوا الیتامی اموالهم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاكلوا اموالهم الی اموالكم انه كان حوبا كبیرا۔

اور جن بچوں کا باپ مرجاوے ان کے مال انھیں کو پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں (کے رہنے) تک ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے۔

اور اسی میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النكاح فان آنستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم ولا تاكلوها اسرافا وبدارا ان یكبروا ومن كان غنیا فلیستعفف ومن كان فقیرا فلیاكل بالمعروف فاذا دفعتم الیهم اموالهم فاشهدوا علیهم وكفی بالله حسیبا۔

اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہونچ جائیں پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہوجائیں گے جلدی جلدی اڑا کر مت کھا ڈالو اور جو شخص مستغنی ہو سو وہ تو اپنے کو بالکل بچائے اور جو شخص حاجتمند ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے پھر جب ان کے مال ان کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والے کافی ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا۔

ولیخش الذین لو تركوا من خلفهم ذریة ضعافا خافوا علیهم فلیتقوا الله ولیقولوا قولا سدیدا ان

اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاویں تو ان کی ان کو فکر ہو سو ان لوگوں کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ

الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا۔

سے ڈریں اور موقع کی بات کہیں بلا شبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔

اور انہی احکام میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

وان تقوموا للیتامی بالقسط۔

اور اس باب میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو۔

(۲) وصیت کے متعلق سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بینھم فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۔

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اس کا نام وصیت ہے) جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری ہے پھر جو شخص اس (وصیت) کے سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کریگا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں واقعی اللہ تعالیٰ تو (خود گناہوں کے) معاف فرمانے والے ہیں اور گنہگاروں پر) رحم کرنے والے ہیں۔

اور سنت سے اس کی بہت تاکید ثابت ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما حق امرئی مسلم لہ شئی یرید ان یوصی فیہ یبیت لیلۃ الا ووصیۃ مکتوبۃ عندہ[3]

(جس مسلمان کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہے تو اس کو یہ حق نہیں کہ وصیت لکھے بغیر ایک رات بھی گزارے۔

(۳) گھروں میں جانے کی اجازت لینے کے متعلق سورہ نور میں ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکی لکم واللہ بما تعملون علیم لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونۃ فیھا متاع لکم واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون۔	اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور (اجازت لینے کے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لئے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لئے بتلائی ہے) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو) پھر اگر تم کو ان گھروں میں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (تمہارا اذن کی جانب سے) اجازت نہ دیجائے اور اگر تم سے (اجازت لینے کے وقت) یہ

کہدیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالی کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے (اگر خلاف کروگے سزا کے مستحق ہوگے) تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمہاری کچھ برت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالی سب جانتا ہے۔

اور اسی میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلاۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ ومن بعد صلاۃ العشاء ثلث عورات لکم لیس علیکم ولا علیھم جناح بعدھن طوافون علیکم بعضکم علی بعض	اے ایمان والو (تمہارے پاس آنے کے لئے) مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہونچے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئیے (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے لیٹنے کے لئے) دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے (وقت) ہیں (اور) ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام

كذلك يبين الله لكم الآيات والله عليم حكيم واذا بلغ الاطفال منكم الحلم فليستاذنوا كما استاذن الذين من قبلهم كذلك يبين الله لكم آياته والله عليم حكيم۔

ہے اور نہ (بلا اجازت چلے آنے میں) ان پر کچھ الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اسی طرح (جیسا یہ حکم صاف صاف بیان کر دیا) اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جس وقت تم میں کے وہ لڑکے (جن کا حکم اوپر آیا ہے) حد بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیئے جیسا کہ ان سے اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالےٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔

فاذا دخلتم بيوتا فسلموا على انفسكم تحية من عند الله مباركة طيبة۔

جب تم اپنے گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے (اور) برکت والی عمدہ چیز ہے۔

اور سورۂ احزاب میں نبی (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکانوں کے متعلق خاص طور پر فرمایا۔

يا ايها الذين امنوا لا تدخلوا بيوت النبي الا ان يوذن لكم الى طعام غير ناظرين انه ولكن اذا دعيتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسين لحديث ان ذلكم كان يوذي النبي فيستحيي منكم والله لا يستحيي من الحق۔

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جاوے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا۔

پردہ کے آداب

پردہ دو قسم کا ہے ایک تو وہ جو عورت کے لباس اور زینت سے مرد کو دیکھنے اور مرد کے اس کی طرف دیکھنے سے متعلق ہے دوسرے جو اس کے گھر سے نکلنے اور زندگی کے کاموں میں مرد و عورت کے اختلاط سے متعلق ہے۔

اول۔ کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں ارشاد فرمایا۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلك ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعا أیّهَ المومنون لعلکم تفلحون۔

مسلمان مردوں سے کہدیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور اسی طرح مسلمان عورتوں سے (بھی) کہدیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی علاتی اخیافی) بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان

مردوں پر جو طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو (تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہو گئی ہو تو) تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اور سورہ احزاب میں فرمایا۔

یا ایہا النبی قل لا زواجك وبناتك ونساء المومنین ید نین علیہن من جلا بیبہن ذلك ادنی ان یعرفن فلا یؤذین وکان اللہ غفورا رحیما۔

اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاجزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنے تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور سورۂ نور میں ارشاد فرمایا۔

والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا فلیس علیہن جناح ان یضعن ثیا بہن غیر متبرجات بزینۃ وان یستعففن خیرلہن واللہ سمیع علیم۔

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو (کسی کے) نکاح (میں آنے) کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو (البتہ) اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں اور (ہر چند کہ بڑھیوں کو منہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن) اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا ہے (سب کچھ) جانتا ہے۔

اب رہی دوسری قسم تو اس کے متعلق سورۂ احزاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وقرن فی بیو تکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی۔

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔

اور ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن

اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے

من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذلکم کان عند اللہ عظیما۔

باہر سے مانگا کرو یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ رسول اللہ کو تکلیف پہونچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرو یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت) کی بات ہے۔

وراثت کا نظام

وراثت عرب میں مشہور بات تھی اور اس کا اصل اصول ولایت تھی یعنے جو شخص مرنے والے شخص کا قریبی عزیز ہوتا وہ اس کا وارث ہوتا اور وہ اس کا بیٹا تھا جو اس کی ہر کام میں مدد کیا کرتا اسی لئے وراثت مرد لڑکوں میں منحصر تھی کیونکہ وہی تلوار چلانے والے اور شرافت کی حفاظت کرنیوالے تھے اور لڑکوں کے ساتھ کسی اور کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اور لڑکے کی عدم موجودگی میں متوفی کا جو سب سے زیادہ قریبی ولی ہوتا وہ وارث ہوتا اور وہ باپ تھا پھر بھائی پھر چچا وغیرہ۔

حب اسلام آیا تو اس نے ولایت کے اصول کو تو باقی رکھا لیکن اس کی بنیاد اسلام اور ہجرت قرار دی کیونکہ وہ ایک ایسی اسلامی جماعت کو قائم کرنا چاہتا تھا جس کے اعضاء ایک مضبوط رسی میں بندھے رہیں چنانچہ سورہ انفال میں ارشاد ہے۔

ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئک بعضھم اولیاء بعض والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولا یتھم من شئ حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے رستہ میں جہاد بھی کیا اور جن لوگوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں

میثاق واللہ بما تعملون بصیر و الذین کفروا بعضہم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض و فساد کبیر والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم والذین آمنوا من بعد وھاجروا وجاھدوا معکم فاولئک منھم۔

تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم صلح کا معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر اس حکم (مذکور) پر عمل نہ کروگے تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا اور جو لوگ (اول) مسلمان ہوئے اور انھوں نے (ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھیرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں اور ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے اور جو لوگ (ہجرت نبویہ کے) بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو یہ لوگ (گو فضیلت میں تمہارے برابر نہیں لیکن تاہم) تمہارے ہی شمار میں ہیں۔

اور اس قانون سے مہاجر مومن اور اس کے غیر میں جو ایمان نہیں لایا یا ایمان تو لایا لیکن ہجرت نہیں کی ولایت کا رشتہ منقطع ہوگیا۔

پھر اس ولایت کو سلسلہ وار قرابت کے لحاظ سے لازم قرار دیا چنانچہ اسی کے بعد ارشاد فرمایا۔

واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ ان اللہ بکل شیء علیم۔

اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

اور سورۂ احزاب میں ارشاد فرمایا۔

واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین و المہاجرین الا ان تفعلوا الی

اور کتاب اللہ میں رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں

اولیاء کم معروفا کان ذلک فی الکتاب مسطورا۔

سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے۔

اور سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا۔

ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فآتوھم نصیبھم ان اللہ کان علی کل شیئ شھیدا۔

اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ دیں ہم نے وارث مقرر کر دئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دیدو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

اس آیت میں ولایت عقد جو ولاء موالات کے نام سے مشہور تھی جائز قرار دی گئی جس کا یہ مطلب تھا کہ مرنے والا جو کچھ چھوڑ جاتا وہ اولاد کے بعد اس کے قریبی اعزہ والدین و اقرباء کے ساتھ ان کو بھی ملے جن سے قسما قسمی عہد و پیمان ہو جاتا تھا اور یہ ولاء عقد زمانہ جاہلیت میں اس طرح قرار دی جاتی تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا کرتا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اسلام نے اس عقد کو باطل نہیں کیا۔

پھر اسلام نے جاہلیت کے اس قاعدہ کو توڑ دیا کہ ترکات میں استحقاق صرف مرد کا ہے چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا۔

مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابتدار چھوڑ جاویں اور عورتوں کیلئے بھی حصہ ہے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابتدار چھوڑ جائیں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو یہ حصہ فرض ہے۔

یہ سب عام قاعدے تھے جس میں اس کی صراحت نہیں کی گئی کہ کس وارث کو کس قدر حصہ ملے گا اور ان سب کی بنیاد شریعت میں تدریجی قواعد کی ترتیب ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔

صاحب مال کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ خود اس کی تصریح کر دے کہ وہ اپنے مال میں سے والدین اور اقرباء کو کیا دینا چاہتا ہے چنانچہ آیت وصیت کو نازل فرمایا جس کا ہم نے اوپر ذکر

کردیا پھر اس کے بعد خود خدا رعزوجل نے اس کی صراحت فرمادی کہ لڑکوں وغیرہ میں سے ہر وارث کو کتنا حصہ ملنا چاہیئے اور ان سب میں یہ رعایت ملحوظ رکھی کہ عورت پر مرد کی فضیلت باقی رہے جبکہ میت سے ان کی قرابت کا درجہ برابری کا ہے بجز اخیافی بھائی بہنوں کے کہ قرآن مجید سے تو ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کو برابر حصہ ملے گا اگرچہ اس بارہ میں کوئی صریح حکم نہیں چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف۔

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باپ میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا۔

اور والدین کی میراث کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس۔

اور ماں باپ کے لئے یعنے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اگر میت کے کوئی اولاد ہے اور اگر اس میت کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اور میاں بی بی کی میراث کے بارے میں فرمایا۔

ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم۔

اور تم کو آدھا حصہ ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر ان بیبیوں کے کوئی اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی حصہ ملے گا وہ وصیت پوری کرنے کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض ادا کرنے کے بعد اور ان بیبیوں کو چوتھائی حصہ ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے

کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو توان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصّہ ملے گا۔

اور ماں کی اولاد کے بارے میں فرمایا۔

وان کان رجل یورث کلالۃ اوامرأۃ وله اخ او اخت فلکل واحد منهما السدس فان کانوا اکثر من ذٰلك فهم شرکاء فی الثلث

اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع ہوں اور اس کے ایک بھائی یا بہن ہو توان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ملے گا اور اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے۔

اور عصباتی بھائی بہنوں کے متعلق فرمایا۔

یستفتونك قل الله یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ هلك لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترك وهو یرثها ان لم یکن لها ولد فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مما ترك وان کانوا اخوۃ رجالا و نساءً فللذکر مثل حظ الانثیین۔

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جاوے جس کے اولاد نہ ہو اور نہ ماں باپ اور اس کے ایک (عینی یا علاتی) بہن ہو تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف حصّہ ملے گا اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہوگا اگر وہ بہن مر جاوے اور اس کے اولاد نہ ہو اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) توان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصّہ کے برابر حصّہ ملے گا۔

اور مسئلہ میراث کو وصیت اور قرض کے بعد قرار دیا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الحقوا الفرایض باهلها فما بقی فلاولیٰ رجل ذکر یعنے پہلے ان کو دو جن کے حقوق کی ادائی فرض ہے اور جو باقی رہے وہ قریبی مرد رشتہ دار کو دو اور اسی سے ان لوگوں کی میراث بھی معلوم ہو جاتی ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے نہیں کیا ہے یعنی چچا اور ان کی اولاد وغیرہ کی۔

معاملات

معاملات سے مراد وہ تمام معاہدات ہیں جن سے لوگ اپنے منافع کا آپس میں تبادلہ کرتے ہیں اور قرآن مجید نے اجمالاً اور قاعدہ کلیہ کے طور پر ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی تفصیلات مجتہدین امت کے لئے چھوڑ دیں، انہی قواعد کلیہ میں سے یہ بھی ہے کہ

(۱) تمام معاہدات کو پورا کرنے کا عام حکم دیا چنانچہ سورہ مایدہ کے شروع میں ارشاد فرمایا۔

یاایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود	اے ایمان والو عہدوں کو پورا کرو۔

اور یہ ایک ایسا عام کلمہ ہے جو ان تمام پابندیوں کو شامل ہے جو ایک انسان دوسرے انسان کے لئے لازم قرار دیتا ہے۔

(۲) لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے اور اس کو حکام کے پاس پہونچنے کا ذریعہ بنانے سے منع فرمایا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔	اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان اموال کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ (یعنے ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

اور تجارت کے نفع کو جائز قرار فرمایا چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا۔

یاایھا الذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃً عن تراض منکم ۔	اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضایقہ نہیں ۔

لیکن چونکہ اس میں ایک گمان یہ بھی ہوتا تھا کہ غیر کا مال کھانا چاہے وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہو منع ہوگا اس لئے سورۂ نور میں اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ جل ذکرہ نے فرمادی۔

لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی	نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے

انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت آبائکم او بیوت امھاتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اعمامکم او بیوت عماتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خالاتکم او ما ملکتم مفاتحہ او صدیقکم لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا۔

اور نہ بیمار کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں (کچھ مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (جن میں بی بی اور اولاد گھر بھی آ گئے) کھانا کھالو یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ (کھاؤ)

(۳) بطور خاص قرآن مجید نے خرید و فروخت کا ذکر کیا جو مبادلات میں اہم ہے لہذا اس کی حلت اور سود کی حرمت بیان فرمائی چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا۔

اور جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دے (یعنی حیران و مدہوش) یہ (سزا) اسی لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا۔

یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات واللہ لا یحب کل کفار اثیم۔

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (اور) کسی گناہ کے کام کرنے والے کو۔

پھر ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا

مابقی من الربٰوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم روٴس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف جنگ کا اعلان سُن لو (یعنی تمہارے خلاف وہ جہاد ہوگا) اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا اور اگر قرضدار تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک اور یہ (بات) کہ معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو۔

اور سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا۔

یاایہا الذین آمنوا لا تاکلوا الربٰوا اضعافا مضاعفۃ۔

اے ایمان والو سود مت کھاؤ (یعنی نہ لو اصل سے) کئی حصہ زائد (کر کے)

اور قرآن نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ بیع کیا چیز ہے اور سود کیا چیز ہے کیونکہ سامعین کے نزدیک یہ بات صاف تھی چنانچہ وہ آپس میں خرید و فروخت کرتے تھے، اور ایک مدت معینہ پر قرض کا بھی لین دین کیا کرتے تھے اور جب مدت ختم ہو جاتی تو قرض خواہ مدیون سے کہتا کہ یا تو ادا کر یا سود قبول کر تو اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو اس پر قرض کو بڑھا دیتا اس طرح کہ اونٹنی جس عمر کی ہوتی اس سے زیادہ عمر والی کر دیتا اور اگر غلہ کا ایک پیالہ ہوتا تو اس کو دو پیالے کر دیتا، اور قرآن نے اس کی بھی وضاحت فرما دی کہ سود ضد ہے معانی کے مبدأ کی جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی ہے چنانچہ سورۂ روم میں ارشاد ہے۔

وما آتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما آتیتم من زکاۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ہم المضعفون۔

اور جو چیز تم اس غرض سے دو کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ خدا تعالےٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

اور عرب کی عادات اور بعض احادیث سے یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ سود

دراصل ادائے قرض کی مدت مقرر کرنے کے مقابلہ میں ہے اس شخص کے لئے جو نقد معاوضہ ادا کرنے سے عاجز ہو۔

قرآن مجید نے جو اہم اصول مرتب فرمائے ہیں ان میں سے اس قرض کی تحریر کا نظام بھی ہے جو مدت مقررہ کے اندر ادا کیا جائے اور اس بارے میں جو آیت نازل ہوئی وہ ایک طویل آیت ہے جو سورہ بقرہ میں ہے اور یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ ارشاد ہے۔

یا ایها الذین آمنوا اذا تداینتم
بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ ولیکتب
بینکم کاتب بالعدل ولا یاب
کاتب ان یکتب کما علمه الله
فلیکتب ولیملل الذی علیه الحق
ولیتق الله ربه ولا یبخس منه
شیئا۔ فان کان الذی علیه الحق
سفیها او ضعیفا او لا یستطیع
ان یمل هو فلیملل ولیه بالعدل۔
واستشهدوا شهیدین من
رجالکم: فان لم یکونا رجلین
فرجل وامراتان ممن ترضون
من الشهداء ان تضل احد
هما فتذکر احدهما الاخری۔
ولا یاب الشهداء اذا ما دعوا۔
ولا تسامو ان تکتبوہ صغیرا او
کبیرا الی اجله ذلکم اقسط عند الله
واقوم للشهادة وادنی الا ترتابوا
الا ان تکون تجارة حاضرة تدیرو
نها بینکم فلیس علیکم جناح

اے ایمان والو جب ایک میعاد معین تک
(کے لئے) ادھار کا معاملہ کرنے لگو تو اس
کو لکھ لیا کرو اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے آپس
میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے
ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار
بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالی نے اس کو (لکھنا)
سکھلا دیا اس کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے۔ اور
وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ یہ حق واجب
ہو اور اللہ تعالی سے جو اس کا پروردگار ہے
ڈرتا رہے اور اس میں سے ذرہ برابر (بتلانے
میں) کمی نہ کرے پھر جس شخص کے ذمہ حق
واجب تھا وہ اگر ضعیف العقل ہو یا ضعیف
البدن ہو یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا
ہو تو اس کا ولی ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے
اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ
(بھی) کر لیا کرو پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ
ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنا لی
جائیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند
کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے
کوئی ایک بھی بھول جائے تو ان میں ایک

الا تکتبوھا۔ واشھدوا اذا تبایعتم ولا یضار کاتب ولا شھید و ان تفعلوا فانہ فسوق بکم و اتقوا اللہ و یعلمکم اللہ واللہ بکل شئی علیم۔

وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ۔ فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ ولیتق اللہ ربہ۔ ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم۔

دوسری کو یاد دلا دے اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب (گواہ بننے کے لئے) بلائے جایا کریں اور تم اس (قرض) کے بار بار لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ (وہ) معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک انصاف کا زیادہ قایم رکھنے والا ہے اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے متعلق) کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے پر تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور (اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ) خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جاوے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ (کا تم پر احسان ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور (وہاں) کوئی کاتب نہ پاؤ سو رھن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو قبضہ میں دیدی جائیں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے (یعنی مدیون) اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا حق پورا پورا ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کا اخفا مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

اور سنّت نے بہت سے معاملات کو قضایاء نبوی میں صاف کر دیا ہے اور یہ سب عام احکام قرآن کے مطابق ہیں یا اس کے مجمل کی تفصیل یا اس کے مطلق کو مقید کرتی ہیں جس کو ہم استنباط احکام کے سلسلہ میں مسلمانوں کے اجتہاد میں بیان کریں گے۔

سزائیں

قرآن مجید کی اکثر سزائیں جن سے مجرمین کو ڈرایا گیا ہے وہ اخروی سزائیں ہیں جن میں سے

اکثر ان جرائم پر بیان کی گئی ہیں جن کی وضاحت کی گئی ہے۔ رہا دینوی سزائیں تو اپنی کتاب میں وہ پانچ مقرر فرمائی ہیں۔

(۱) قصاص، یہ معلوم ہے کہ عرب میں قصاص کا ایک نظم موجود تھا جو عادات تقالید سے حاصل ہوا تھا اور وہ یہ کہ کل قبیلہ اس کے کسی ایک فرد کی خطا کا ذمہ دار تھا الا اینکہ اس نے عام مجمعوں میں اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا ہو اسی لئے بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ جس پر کسی خطا کا ارتکاب کیا گیا ہو اس کا ولی صرف خطا کار سے قصاص کے طلب کرنے کو کافی سمجھتا ہو خصوصاً جبکہ وہ شخص جس پر خطا کا ارتکاب کیا گیا ہو وہ اپنی قوم میں شریف یا سید ہو بلکہ وہ اپنے مطلب کے حاصل کرنے میں زیادہ وسعت اختیار کرتا تھا جو دو قبیلوں میں جنگ تک پہنچا دیتی تھی اور ربا اوقات مخطی کا قبیلہ اس کی حمایت کرتا جس سے شرور اور لڑائیاں پیدا ہو جاتیں یہاں تک کہ بسا اوقات ان کی شدت بڑھ جاتی چنانچہ قرآن نے قصاص میں مسئولیت کو محدود بیان کیا اس طرح کہ صرف خطا کار پر اس کا انحصار فرما دیا چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی ۔	اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین (بقتل عمد) کے بارہ میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جرم کا مواخذہ جس سے کیا جائے وہ صرف مجرم ہی ہونا چاہئے پھر اس دینوی زندگی میں نظام قصاص کی ضرورت کو مختصر اور لطیف نکتہ میں ظاہر فرما دیا کہ

ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون ۔	اور اے سمجھ والو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔

اور یہی مطلب مختصراً اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی سمجھ میں آتا ہے جو سورہ اسرار میں ہے جو مکی ہے۔

ومن قُتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل	اور جو شخص ناحق قتل کیا جا دے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے سو اس کو

انه كان منصورا۔ قتل کے بارہ میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

اور یہ نظام عربی ہے جس کو قرآن نے باقی رکھا ہے یعنے مقتول کے ولی کو قصاص کے طلب کرنے میں ولایت کا حق۔

نیز عرب میں دیت کا نظام بھی موجود تھا جس کو قرآن نے باقی رکھا اور اس کی طرف سورہ بقرہ میں اپنے اس ارشاد سے باقی رکھا۔

فمن عفى له من اخيه شيئ فاتباع بالمعروف واداء اليه باحسان ذلك تخفيف من ربكم ورحمة فمن اعتدى بعد ذلك فله عذاب اليم۔

ہاں جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جاوے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو (مدعی کے ذمہ) معقول طور پر (خون بہا کا) مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمہ) خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہونچا دینا یہ (قانون دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف اور (شاہانہ) ترحم ہے پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

اور سورہ نساء میں ارشاد فرمایا۔

ومن قتل مؤمنا خطاءً فتحرير رقبة مومنة ودية مسلمة الى اهله الا ان يصدقوا۔ فان كان من قوم عدو لكم وهو مومن فتحرير رقبة مؤمنة۔ وان كان من قوم بينكم وبينهم ميثاق فدية مسلمة الى اهله وتحرير رقبة مؤمنة فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين توبة من الله وكان الله عليما حكيما۔

اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خونبہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کردی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کردیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خونبہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کردی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت والے ہیں۔

اور سنت نے دیت کے نظام کی وضاحت فرمادی جس میں بعض کو عاقلہ پر رکھا (یعنے اہل

قبیلہ یا اہل خاندان یا اہل محلہ اور یہی ایک واحد شئے ہے جو مسئولیت کی وسعت کی بنا پر عرب کے لئے باقی رکھدی گئی ہے۔

اور قرآن مجید نے تورات کے نظام کی خبر دی جو اعضا کے قصاص کے بارہ میں تھا چنانچہ سورہ مایدہ میں ارشاد فرمایا۔

وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فہو کفارۃ لہ۔

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کردے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔

(س) (زانی کی سزا)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زانی کی سزا بغیر کسی تفصیل کے سو کوڑے بیان فرمائی ہے چنانچہ سورۂ نور میں ارشاد ہے۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مایۃ جلدۃ ولا تاخذکم بہما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ولیشہد عذابہما طایفۃ من المؤمنین۔

زنا کرانے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں ہر ایک کے سو دُرّے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہیئے اگر اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیئے۔

اور زانیہ لونڈی کے لئے اس سزا کا نصف مقرر فرمایا چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

فاذا اُحصن فان اتین بفاحشۃ فعلیہن نصف ما علی المحصنات من العذاب۔

پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنائی جائیں پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام کریں تو ان پر اس سزا سے نصف سزا ہوگی جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے۔

اور احادیث میں شادی شدہ زانی کی سنگساری کا حکم آیا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ابو اسحاق شیبانی

سے روایت ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن ابی اوفی سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سنگسار فرمایا ہے تو انھوں نے فرمایا ہاں تو پوچھا کہ سورۂ نور کے احکام نازل ہونے کے بعد یا پہلے تو فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔

(۳) پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کی سزا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس شخص کی سزا جو شادی شدہ عورت پر زنا کی تہمت لگائے اسّی کوڑے مقرر فرمائی ہے چنانچہ سورہ نور میں ارشاد ہے۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئك هم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذلك واصلحوا فان الله غفور رحیم۔

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی دُرّے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے کہ) فاسق ہیں لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کرلیں اور اپنی (حالت کی) اصلاح کرلیں سو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔

اور اگر شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو اس کا ایک خاص نظام بیان فرمایا چنانچہ اسی سورہ میں ارشاد فرمایا۔

والذین یرمون ازواجهم ولم یکن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات بالله انه لمن الصادقین والخامسة ان لعنة الله علیه ان کان من الکاذبین۔

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعوے کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کا عدد میں چار ہونا چاہیے) تو ان کی شہادت (جو کہ دافع حبس یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہدے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔

اور جس طرح اللہ کے نام کے ساتھ مرد کی چار گواہیاں چار گواہوں کے قائم مقام ہیں اسی طرح قرآن مجید نے عورت کی براءت کا بھی ایک طریقہ مقرر فرمادیا چنانچہ اسی کے بعد یہ ارشاد فرمایا

ویدرأ عنها العذاب ان تشهد اربع شهادات باللہ انه لمن الکاذبین والخامسة ان غضب اللہ علیها ان کان من الصادقین۔

اور (اس کے بعد) اس عورت سے سزا (حبس یا حدزنا) اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔

اوران دونوں آیتوں میں ادنیٰ فکر سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ان دونوں آیات کا مقصد صرف شوہر کی طرف سے جرم کا ثبوت اور بیوی کی طرف سے اس کی تردید ہے بس اور اس میں نکاح اور اولاد سے متعلق کوئی امر نہیں ہے۔

(۴) چور کی سزا۔

اللہ تعالیٰ نے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر فرمائی ہے چنانچہ سورہ مایدہ میں ارشاد ہے۔

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاءً بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان اللہ یتوب علیه ان اللہ غفور رحیم۔

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بڑے قوت والے ہیں (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں) پس جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بے شک اللہ تعالیٰ[ع] بے شک خدا تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (کہ اس کا گناہ معاف فرما دیا) بڑے رحمت والے ہیں (کہ آیندہ بھی مزید عنایت فرمائیں گے)

(۵) رہزنوں کی سزا۔

رہزنوں کی سزا اللہ تعالیٰ نے سورہ مایدہ میں بیان فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من

اور جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب

ع اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔

الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے (اس سے بھی) بڑا عذاب ہوگا۔ لیکن جن لوگوں نے تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کرلی تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے اور بڑے رحمت والے ہیں۔

اور قرآن مجید میں مندرجہ بالا سزاؤں کے علاوہ اور کسی سزا کا ذکر نہیں البتہ احادیث میں ایک اور سزا کا ذکر ہے اور یہ چھٹی سزا ہے اور وہ شراب پینے والے کی سزا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے۔

اور حدود میں قرآن مجید نے جن اصول کو بنیاد قرار دیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) امت کی بھلائی چنانچہ قصاص کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون۔ اے سمجھ والو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھوگے۔

(۲) مجرم کی تنبیہ کہ پھر وہ جرم کو دوبارہ کرنے کی جرأت نہ کرسکے چنانچہ چوروں کی سزا کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

جزاء بما کسبا نکالا من اللہ۔ (یہ) ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے (ہے)

اور رہزنوں کی سزا کے ذکر میں ارشاد فرمایا۔

ذلک لھم خزی فی الدنیا۔ یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے۔

(۳) بدنی سزاؤں کا ہونا تاکہ اثر میں شدت ہو۔

پھر بھی احادیث میں ان سزاؤں کے جاری کرنے میں بہت احتیاط کا حکم دیا گیا ہے تاکہ نفس سزا میں تنبیہ سختی کے ساتھ ہو اور ثبوت میں احتیاط کی وجہ سے تخفیف ہو کیونکہ ام المومنین عائشہؓ صدیقہ سے جو حدیث ترمذی میں مروی ہے وہ یہ ہے ادرؤا الحد ودعن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ۔ فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبۃ یعنے مسلمانوں کو جہاں تک ہوسکے تم سزا سے بچاؤ

اور اگر کوئی صورت نکلے تو ان کو رہا کر دو کیونکہ امام کا سزا دینے میں غلطی کرنے سے تو کہیں یہ بہتر ہے کہ وہ عفو میں غلطی کر جائے یہ تمام وہ امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیاً نازل فرمایا اور آپؐ کو حکم دیا کہ اس کو لوگوں تک پہونچادیں اور یہ کہ آپؐ ان پر اسی طرح ظاہر کریں جیسا آپؐ کو حکم دیا گیا۔ اور اپنی سنت عملیہ و قولیہ سے لوگوں کو تمام وہ باتیں بتادیں جو آپؐ پر نازل کی گئی تھیں۔

دوسرا دور

جلیل القدر صحابہ کے زمانہ میں قانون شریعت

۱۱ھ سے ۴۰ھ تک

سیاسی پس منظر

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو اکثر عرب اسلام سے پھر گئے لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عزم راسخ اور مہاجرین و انصار کی قوت ایمانیہ ستون اسلام کو قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ تھی کہ آپ نے فوجوں کو مرتب کیا اور پیدا شدہ کجی کو سیدھا کر کے وحدت عربیہ کو لوٹایا اور جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس میں کامیابی ہوگئی تو آپ نے عراق و شام کی طرف فوجیں بھیجیں کہ رومی و فارسی سلطنتوں میں اشاعت اسلام کریں لیکن قبل اس کے کہ حالت کی پوری وضاحت ہوتی اور معلوم ہوتا کہ انجام کار کس کو کامیابی ہوتی ہے آپ کی وفات واقع ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا کہ ان کے ہاتھوں پر فتوحات ہوئیں اور مسلمان مشرقی سمت سے اکثر بلاد فارس پر قابض ہو گئے یہاں تک کہ نہر جیحوں یعنے آمو دریا تک پہونچ گئے اور شمالی جانب سے سوریا اور آرمینیہ کے شہروں پر قابض ہو گئے اور مغرب کی طرف سے مصر ان کے زیر نگیں ہوگیا اور ان کے عہد مبارک میں بڑے بڑے اسلامی ملکوں کی بنیاد پڑی جیسے کہ فسطاط اور کوفہ اور بصرہ جہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے قیام کیا جس میں صحابہ کی کثیر تعداد تھی اور اسی زمانہ میں اسلام میں امت عربیہ کے علاوہ دیگر اقوام کثیر تعداد میں داخل ہوئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تو یہ فتوحات مشرق و مغرب میں پھیل گئیں لیکن یہ عمارت مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ان کو ایک شدید صدمہ سے دوچار ہونا پڑا اور یہ وہی شورش تھی جو امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں اٹھی تھی جو ان کے دشمنوں کی سازش سے شروع ہوئی اور اس کی

انتہا ان تینوں بڑے ملکوں سے بڑی جماعتوں کے مدینہ آنے پر ہوئی جنھوں نے آپ کی حیات مبارک کا خاتمہ کر دیا اور اسی سبب سے مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوگئی ایک جماعت تو حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والوں کی تھی اور انہی لوگوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ایک فریق قاتلین حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والوں کا تھا اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا اتباع کیا جس میں پہلی جماعت کا مستقر عراق کا پایہ تخت کوفہ تھا اور دوسری کا دمشق تھا جو شام کا دارالخلافہ تھا پھر دونوں فریق میں بغض پیدا ہوگیا اور ایک نے دوسرے پر لعنت کی جس کا آخری نتیجہ دونوں فریق کے درمیان میدان صفین میں جنگ عظیم کی شکل میں نمودار ہوا اور فریقین کے جنگی نبرد آزما عالم اسلامی کے منتخب افراد تھے لیکن معرکہ کسی ایک فریق کے لئے فیصلہ کن نہ ہوسکا کیونکہ اہل شام نے "کتاب اللہ" کا فیصلہ طلب کیا اور اکثر اہل عراق نے اس کو قبول کیا اور اس تحکیم میں ایک فریق کے لئے قوت تھی تو دوسرے کے لئے ضعف بھی تھا پہلا فریق حضرت معاویہؓ کا تھا دوسرا حضرت علیؓ کا کیونکہ حضرت علیؓ کے ہی لشکر سے وہ شخص نکلا جس نے تحکیم پر عیب لگایا اور تحکیم سے راضی ہونے والوں پر لعنت کی جس کی وجہ سے علی ابن ابی طالب اپنے مخالف کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس سے ان کے مخالف کی طاقت میں زیادتی ہوگئی اور خود حضرت علیؓ انہی خوارج میں سے ایک کے ہاتھ سے شہید ہوگئے اور ان کی شہادت پر سواد اعظم نے حضرت معاویہ ابن ابی سفیان پر اتفاق کرلیا۔

یہ زمانہ اس حالت میں ختم ہوا کہ مسلمانوں میں تین سیاسی جماعتیں پیدا ہو چکی تھیں۔

(۱) عام مسلمین جو حضرت معاویہ اور ان کی خلافت پر متفق تھے۔

(۲) شیعہ جو حضرت علی اور اہل بیت کی محبت پر قائم رہے۔

(۳) خوارج جو حضرت عثمان حضرت علی حضرت معاویہ سب کے دشمن تھے اور ان تینوں فریق کا شریعت اسلامی میں خاص اثر تھا جو آئندہ دور میں ظاہر ہوا۔

دور ثانی میں کتاب و سنت

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا قرآن مجید بتدریج نازل ہوا اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی رسول ﷺ نے اس کو جمہور تک پہنچا دیا اور وحی کے لکھنے والوں کو اس کے لکھنے کا حکم دیا

لیکن جمہور مسلمین میں بعض وہ لوگ بھی تھے جو صرف اس کا حفظ کافی سمجھتے تھے اور جو ان کو ملتا تھا اس کو یاد کر لیا کرتے تھے اور بعض لوگ لکھ لیا کرتے تھے اور رسول علیہ السلام ان کو آیات اور سورتوں کی ترتیب بتلا دیا کرتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا لیکن قرآن مجید کسی ایک مصحف میں جمع نہیں ہوا بلکہ حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا یا کاتبان وحی کے صحیفوں میں یا دوسرے صحیفوں میں جو عام کاتبوں کے پاس تھے، اور عہد نبوی میں حفاظ کی تعداد بہت تھی جن میں سے بعض کل قرآن کے حافظ تھے۔

حضرت ابی بکرؓ کے زمانہ ہی میں وہ واقعہ پیش آگیا جس نے آپ کو کل قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کی طرف توجہ دلادی اور وہ یہ کہ جنگ یمامہ کی فوج میں حفاظ قرآن کی ایک بڑی جماعت تھی جن کے حق میں شہادت لکھی تھی جس سے حضرت ابوبکرؓ کو قرآن کے ضائع ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا چنانچہ بخاریؒ نے حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت کی ہے کہ ابوبکرؓ نے اہل یمامہ کی جنگ کے بعد مجھے بلایا تو میں نے دیکھا کہ عمرؓ بن خطاب ان کے پاس موجود ہیں تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میرے پاس عمرؓ آئے اور بیان کیا کہ یمامہ کے دن قرار قرآن پر قتل کی شدت پڑی اور مجھے اس بات کا خوف ہے کہ اور مواقع میں قرار پر قتل کی شدت واقع ہو تو اکثر قرآن ضائع ہو جائے گا لہذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں جس پر میں نے عمرؓ سے کہا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم کس طرح کریں تو عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ بہتر ہے پھر عمرؓ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اس کام کیلئے کھول دیا اور میں نے وہی مناسب سمجھا جو عمرؓ کی رائے ہے۔ زیدؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جوان آدمی ہو اور ذی ہوش ہو ہم تم پر کوئی شبہ نہیں کر سکتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وحی کی کتابت کیا کرتے تھے لہذا قرآن کی تلاش کرو اور جمع کرو، خدا کی قسم اگر مجھے کسی پہاڑ کو ہٹانے کی زحمت دیتے تو مجھ پر بار نہ ہوتا بہ نسبت اس کے کہ انھوں نے مجھے جمع قرآن کا حکم دیا، میں نے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کرنا چاہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو فرمایا کہ واللہ یہ بہتر ہے پھر ابوبکرؓ مجھ سے اصرار کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اس بات کے لئے کھول دیا جس لئے اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے دل کھول دئے تھے پھر میں نے قرآن کی تلاش شروع کر دی اور کھجور کی شاخوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا حتی کہ سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں لقد جاءکم رسول سے آخر سورۂ توبہ تک ابی خزیمہ

انصاری کے پاس سے لایا کہ ان کے سوا اور کسی کے پاس یہ آیتیں نہ تھیں پھر یہ صحیفے حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے پھر حضرت عمرؓ کے پاس ان کی حیات تک رہے پھر حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس رہے۔

ابو عبیدہ ملی نے اتقان میں روایت کی ہے کہ حارث محاسبی نے اپنی کتاب فہم السنن میں کہا ہے کہ قرآن کی کتابت بدعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے لکھنے کا حکم دیا تھا البتہ وہ متفرق ٹکڑوں ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا تھا حضرت صدیقؓ نے تو مختلف مقامات سے جمع کرکے ایک جگہ کردیا اور یہ ان اوراق کی جگہ ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پائے گئے تھے جن میں قرآن منتشر تھا پھر جمع کرنے والے نے ایک جگہ جمع کرکے ایک تاگے سے باندھ دیا ہو کہ اس سے کوئی چیز ضائع نہ ہو۔

اور زیدؓ بن ثابت نے حفاظ قرآن اور کاتبان وحی میں سے ہونے کے باوجود اپنے حفظ اور کتابت پر ہی اعتماد نہ کیا بلکہ حافظوں کے سینوں سے اور کاتبان وحی کے صحیفوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانۂ مبارک میں جو لکھا ہوا پایا گیا اس سے مدد لی اور جمع کرنے کے بعد مہاجرین وانصار کی جماعت کے سامنے پڑھا اس طرح ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد کی تکمیل ہو گئی کہ

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون۔ — ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا یہ صحیفے پہلے ابوبکرؓ کے پاس پھر عمرؓ کے پاس پھر حفصہؓ یعنے حضرت عمرؓ کی صاحبزادی کے پاس محفوظ رہے اور خلیفہ ثالث عثمان بن عفانؓ کے زمانہ میں اسلام کے بڑے شہروں میں اس مصحف کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اور اس ضرورت کا احساس اس طرح ہوا کہ حفاظ قرآن ان شہروں میں پھیل گئے تھے اور وہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور ان کے آپس میں ان کے لغات کے اختلاف کی بناء پر قرآن مجید کے بعض حروف میں بھی اختلاف تھا جس کی وجہ سے کوئی قاری اپنی قرأت کو دوسرے سے افضل بتانے لگا اور حضرت عثمانؓ کو یہ خبر ملی تو اس سے آپ کو سخت خطرہ لاحق ہوا جس کا علاج آپ نے ضروری سمجھا اور بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ حذیفہ بن یمان جو آرمینیہ وآذربیجان کی جنگ میں عراقیوں کے ساتھ حصہ لے رہے تھے وہ حضرت عثمانؓ کے پاس

پہونچے تو وہ ان قرار کے اختلاف سے گھبرائے ہوئے تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ سے انھوں نے کہا کہ امت کی خبر لو قبل اس کے کہ ان میں باہم ایسا اختلاف ہو جائے جیسے یہود و نصاریٰ میں اختلاف ہوا تھا تو حضرت عثمانؓ نے حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس قرآن مجید کا نسخہ بھیج دو تو ہم اس کی نقل کرا کر تم کو واپس کر دیں گے تو حفصہؓ نے اس قرآن مجید کو حضرت عثمانؓ کے پاس بھیجا تو آپ نے حضرت زید بن ثابت اور عبد اللہ بن الزبیر و سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا تو انھوں نے اس کی نقلیں تیار کر لیں پھر حضرت عثمانؓ نے قریش کے تینوں اشخاص کی جماعت سے فرمایا کہ جب تم میں اور زید بن ثابت میں قرآن کی کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو اس لئے کہ وہ ان کی زبان میں نازل ہوا ہے جس پر انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب نقلیں اس طرح مکمل ہو گئیں تو حضرت عثمانؓ نے صحیفے حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دئے اور ان نقل شدہ قرآنوں میں سے ایک ایک قرآن ہر سمت میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جو قرآن کسی صحیفے یا مصحف میں ہو وہ جلا دیا جائے یہ ۲۵ھ کا واقعہ ہے اور جو قرآن لکھے گئے تھے ان میں سے ایک ایک نسخہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ دمشق اور مکہ معظمہ کو بھیجا گیا اور ایک مدینہ منورہ میں رکھا گیا اور ایک نسخہ حضرت عثمانؓ نے اپنے لئے رکھ لیا جو مصحف امام کے نام سے مشہور تھا اور یہ تمام قرآن شہروں کی جامع مسجد میں رکھے گئے جس کو قرار پڑھتے تھے اور حفاظ اسی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے حضرت عثمانؓ کے اس طرز عمل سے اللہ کی کتاب کو اس بات سے امن حاصل ہو گیا کہ اس میں سے ایک حرف کا بھی اختلاف ہو۔

لیکن احادیث قولیہ کو جمع کرنے کی جانب کوئی التفات نہیں فرمائی گئی بلکہ بسا اوقات ہاں اس کے خلاف عمل پایا گیا کہ اس کی روایت بہت کم کی جائے جس کی تصریحات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابن ابی ملیکہ کی اس روایت میں لکھا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی احادیث بیان کرتے ہو جس میں تم میں خود باہم اختلاف ہو جاتا ہے اور تمہارے بعد کے لوگوں میں تم سے زیادہ اختلاف رہے گا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ بیان کرو اگر تم سے کوئی سوال کرے تو یوں کہدو کہ ہمارے تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے جس کو وہ حلال کہے اس کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔

(۲) حافظ نے کہا ہے کہ شعبہ وغیرہ بیان سے وہ شعبہ سے وہ قرظہ بن کعب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق کی طرف روانہ فرمایا تو تھوڑی دور عمرؓ ہمارے ساتھ چلے پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں کیوں تمہارے ساتھ آیا تو سبھوں نے کہا ہاں ہمارے عزت و احترام کے لیئے تو فرمایا کہ اس کے علاوہ بھی ایک بات تھی اور وہ یہ کہ تم ایسے گاؤں والوں کے پاس پہونچو گے جو شہد کی مکھیوں کی طرح گنگنا کر قرآن پڑھتے ہوں گے تو ان کو احادیث میں مشغول کر کے قرآن مجید سے روک نہ دینا بلکہ ان کو قرآن مجید کی تلاوت کے لئے چھوڑ دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم بیان کرنا اور اس بات میں بھی تمہارا شریک ہوں چنانچہ جب قرظہ آئے تو لوگوں نے ان سے احادیث پوچھیں تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو عمرؓ نے منع کر دیا ہے۔

(۳) دراوردی نے محمد بن عمرو سے وہ ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابی ہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسی طرح (خوب) حدیثیں بیان کیا کرتے تھے تو فرمایا کہ جیسے میں تم سے بکثرت احادیث بیان کرتا ہوں اگر عمرؓ کے زمانہ میں اس طرح بیان کیا کرتا تو وہ اپنے کوڑے سے مجھے مارتے۔

(۴) معن بن عیسیٰ سے روایت کی گئی ہے کہ ہم سے مالک نے عبداللہ بن ادریس سے روایت بیان کی انھوں نے شعبہ سے وہ سعید بن ابراہیم سے وہ اپنے باپ سے کہ حضرت عمرؓ نے تین شخصوں یعنے ابن مسعودؓ اور ابوالدرداءؓ اور ابو مسعودؓ انصاری کو قید کیا تھا اور وجہ بیان یہ کی تھی کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنے میں کثرت کر دی۔

(۵) ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ معاویہ کہا کرتے تھے کہ تم حدیثیں بیان کرنے میں وہی روش باقی رکھو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھی کیونکہ انھوں نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کے بیان کرنے کے بارہ میں ڈرا دیا تھا۔

(۶) تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک میں سیوطی نے بیان کیا ہے کہ ہروی نے زہری کے طریق سے کلام کرنے کی مذمت میں بیان کیا ہے کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عمرؓ بن الخطاب نے احادیث لکھنے کا ارادہ کیا تھا جس میں صحابۂ کرامؓ سے مشورہ لیا تو عوام نے ان کی رائے کو پسند کیا پھر وہ ایک مہینہ تک شک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے رہے پھر ایک دن جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں عزیمت ڈالدی تو فرمانے لگے کہ میں نے تم سے

احادیث لکھنے کے ارادہ کا ذکر کیا تھا جو تم کو معلوم ہے پھر مجھے یاد آگیا کہ تم سے پہلے اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کے ساتھ اور کتابوں کو لکھا پھر اسی پر جھک پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا اس لئے خدا کی قسم میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کسی چیز کو خلط ملط نہ کروں گا۔ پھر آپ نے احادیث لکھوانے کا خیال چھوڑ دیا۔ اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ قبیصہ بن عقبہ نے ہم کو خبر دی کہ سفیان نے ہم کو خبر دی ہے کہ معمر نے زہری سے روایت کی ہے کہ عمرؓ نے احادیث کے لکھنے کا ارادہ کیا تو ایک ماہ تک اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا پھر ایک دن آپ نے اپنے عزم کا اظہار فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کا خیال کیا جنھوں نے خود کتاب لکھی اور پھر اسی پر جھک پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا (تعلیق محمد علی موطأ امام محمد)

(۷) بخاری نے اعمش سے روایت کی ہے کہ ابراہیم تیمی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے کوئی ایسی کتاب نہیں جو پڑھی جاتی ہو اور یا جو کچھ اس صحیفہ میں ہے پھر اس صحیفہ کو کھولا تو اس میں اونٹ کی عمروں کا حال لکھا تھا اور یہ لکھا تھا کہ مدینہ عیر سے فلاں جگہ تک حرم ہے تو اس میں جو شخص کوئی نئی چیز پیدا کرے اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اس کے لئے نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ کوئی فدیہ کام دیگا اور اس میں یہ بھی تھا کہ جملہ مسلمانوں کا قول و قرار ایک ہے کہ اس کے لئے ادنیٰ مسلمان بھی کوشش کر سکتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے قول و قرار کو جو وہ کسی کے ساتھ کرلے توڑ دے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ کوئی صدقہ قبول کیا جائے گا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جو آزاد شدہ غلام آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر اپنا حق ولاء کسی قوم کو دیدے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق نہ کسی کی سفارش قبول کرے گا اور نہ فدیہ۔

(۸) عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ حدیث کی روایت بہت کم کیا کرتے تھے۔ اور الفاظ میں احتیاط کیا کرتے تھے۔ (اور شاید یہ حضرت عمرؓ کے برکات تھے) اور ابی عمرو شیبانی سے روایت ہے کہ میں ابن مسعود کے پاس ایک سال بیٹھا لیکن کبھی آپ نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ جب وہ یہ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کانپنے لگتے اور فرماتے کہ اس طرح یا اس کے قریب یا اس جیسا یا یہ فرمایا کرتے

اور ان روایات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے جن لوگوں سے روایت کی گئی ہیں جو ائمہ فتوی اور مسلمانوں کے قاید ہیں بسا اوقات ذہن میں ایک غیر صحیح اثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ لوگ حادیث پر توجہ نہیں کیا کرتے تھے اور قرآنی قانون کو مکمل نہیں سمجھتے تھے حالانکہ ہم اگر ان کی روایات پر غور کریں کہ وہ احادیث کا کتنا خیال کرتے تھے تو یہ حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ وہ صحابہ سے یہ خواہش کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کریں۔ جس کے کچھ اشارات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابن شہاب نے قبیصہ ابن ذویب سے روایت کی ہے کہ ایک دادی ابوبکرؓ کے پاس آئی جس کی خواہش تھی کہ اس کو میراث میں حصہ ملے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ قرآن میں تو تیرا کوئی حصہ مذکور نہیں ہے اور نہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ معلوم ہوا ہے پھر آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہ اٹھے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا چھٹا حصہ سنا ہے تو فرمایا کہ کیا تمہارا کوئی گواہ ہے تو محمد بن مسلمہ نے اسی طرح گواہی دی تو ابوبکرؓ نے اس کو نافذ کر دیا۔

(۲) اور یہ بھی کہا کہ جریری نے ابی نضرہ سے روایت کی ہے اور وہ سعید سے بیان کرتے ہیں کہ ابوموسی نے حضرت عمرؓ کو دروازہ کے پیچھے سے تین بار سلام کیا اور جب انھوں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی تو لوٹ گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا کہ آپ کیوں لوٹ گئے انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی تین بار سلام کرے اور اس کو جواب نہ دیا جائے تو لوٹ جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا تو اس کا ثبوت پیش کرو ورنہ میں تمہاری خبر لونگا تو ابوموسی ہمارے پاس آئے ہم بیٹھے ہوئے تھے ان کا رنگ اڑا ہوا تھا ہم نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے تو ہم کو سارا قصّہ بتایا اور فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اس کو سُنا ہے ہم نے کہا ہاں ہم سب نے اس کو سنا ہے پھر ان کے ساتھ ایک آدمی کو بھیجا جس نے حضرت عمرؓ کے پاس آکر بیان کیا۔

(۳) اور بیان کیا کہ ہشام نے اپنے والد مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے ایسی عورت کے حمل کے متعلق مشورہ کیا جو کسی کے مارنے سے گر جائے تو حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت (لونڈی یا غلام) دلوائی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ایک گواہ لاؤ جس کو دیت دلوانے کا حال معلوم ہو تو محمد بن مسلمہ نے

گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

(۴) اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابی رضؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی حدیث بیان کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اس پر گواہ لاؤ تو وہ گواہ لانے نکلے تو کچھ انصار ان کو مل گئے انھوں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا انھوں نے کہا ہم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے تم پر شبہ نہ تھا بلکہ میں چاہتا تھا کہ ثابت ہو جائے۔

(۵) اور عثمان بن مغیرہ ثقفی نے علی بن ربیعہ سے روایت کی ہے کہ اسماء بن حکم فزاری نے حضرت علیؓ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ نے جو چاہا اس سے میں نے نفع اٹھایا اور اگر کوئی اور آپ کی حدیث مجھ سے بیان کرتا تو میں اس کو قسم دلاتا اگر وہ قسم کھا لیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا اور ابو بکرؓ نے بھی مجھ سے ایک حدیث بیان کی اور وہ اپنے بیان میں صادق تھے (یعنی ان کو قسم دلانے کی میں نے ضرورت نہیں سمجھی) فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کوئی مسلمان بندہ کوئی گناہ کرے پھر وہ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی اور غلط حدیث منسوب ہونے کے خوف سے بہت کم روایات بیان کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور اسی لئے جو روایات ان کے سامنے بیان ہوا کرتی تھیں اس کا ثبوت طلب کیا کرتے تھے خصوصاً حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ تو اس وقت تک ان احادیث کو قبول نہیں کیا کرتے تھے جب تک کہ اس پر دو شخص گواہی نہ دیدیں کہ انھوں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حتیٰ کہ ابو بکرؓ نے مغیرہ بن شعبہ سے ان کے روایت کی تقویت کرنے والے کو طلب کیا اور حضرت عمرؓ نے مغیرہ اور ابو موسیٰ اور الی کی روایات کو تقویت دینے والا طلب کیا حالانکہ ان کی رفعت شان اور ان کی عظمت ان کے ثقہ ہونے کے لئے کافی تھی اور حضرت علیؓ تو راوی کو قسم دلایا کرتے تھے اور جب ان کے نزدیک حدیث ثابت ہو جاتی اور وہ مطمئن ہو جاتے تو پھر وہ اس روایت کے مطابق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو پہونچتی عمل کرتے اور ہرگز اس کی مخالفت نہ کرتے۔

تقلیل اور ان کے اس عمل کا نتیجہ اس زمانہ میں احادیث کی روایت کی کمی کا باعث رہا اور اسی روایت پر وہ اعتماد کرتے تھے جس کی روایت دو گواہوں کی گواہی سے اس وقت ثابت ہوتی جبکہ وہ واقعہ پیش آتا جو حدیث کے ذکر کے لئے داعی ہوتا۔

اس زمانہ میں اجتہاد

اجتہاد کا مطلب ہے جدوجہد اور کوشش کرنا احکام شریعت کے نکالنے میں ان امور سے جن کو شارع نے دلیل قرار دیا ہے اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) احکام کے ظاہر سے کوئی حکم اخذ کرنا جبکہ محل حکم ان احکام کے مطابق ہو۔

(۲) احکام کے مفہوم سے کوئی حکم اخذ کرنا جبکہ احکام کی علت موجود ہو جو اس کی صراحت کرے یا اس سے مستنبط ہو اور کسی واقعہ میں وہ علت پائی جائے اور حکم اس کو شامل نہ ہو اور اسی کو قیاس کہا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں بلا استثنا ذمسائل صرف ان فتاوی تک محدود تھا جن کو وہ شخص جس سے کسی بارہ میں پوچھا جاتا تو وہ فتوی دیدیتا اور رسائل میں اور ان کے جوابات کے بیان کرنے میں وسعت اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو ناپسند سمجھتے تھے اور کسی معاملہ میں رائے کا اظہار اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک وہ معاملہ پیدا نہ ہوجاتا اور جب کوئی واقعہ پیش آجاتا تو پھر اس کا حکم بتانے کے لئے اجتہاد کیا کرتے تھے اسی لئے جلیل القدر صحابہؓ سے فتاوی بہت کم منقول ہیں اور یہ لوگ اپنے فتووں میں حسب ذیل امور پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

(۱) قرآن مجید پر کیونکہ وہ دین کی بنیاد اور ملت کا ستون ہے اور وہ اس کو بالکل صاف اور واضح طور سے سمجھتے تھے کیونکہ وہ ان کی زبان میں نازل ہوا تھا اور نیز وہ اس کے نزول کے اسباب سے بخوبی واقف تھے اور ان میں اس وقت کوئی غیر عرب داخل نہیں ہوا تھا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جب کبھی وہ ان کو مل جاتی اور اس کا راوی ان کے نزدیک ثقہ ہوتا تو وہ اس کی اتباع پر متفق ہوجاتے تھے چنانچہ ابوبکرؓ کے سامنے جب کبھی کوئی معاملہ پیش آتا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں دیکھتے اگر اس میں انھیں اس کا حکم مل جاتا تو اسی کے مطابق حکم کرتے اور اگر وہ کتاب الہی میں نہ پاتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کرتے اگر وہاں اس کے تصفیہ کے لئے کوئی حل پاتے تو اس کے مطابق تصفیہ کردیتے اگر اس میں بھی آپ کو کامیابی نہ ہوتی تو پھر لوگوں سے دریافت فرماتے کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ اس

بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم جاری فرمایا تھا تو اکثر اوقات لوگ کھڑے ہوجاتے اور بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں ایسا ایسا فیصلہ کیا ہے۔

اور حضرت عمر رض کی یہ عادت تھی کہ اگر ان کو کتاب وسنت سے حکم نکالنے میں کامیابی نہ ہوتی تو پھر دریافت فرماتے کہ کیا ابو بکر رض نے اس بارے میں کوئی فیصلہ کیا ہے اگر حضرت ابو بکر رض کا کوئی حکم آپ کو معلوم ہوجاتا اور اس کے خلاف کوئی حکم نہ ملتا تو پھر آپ اسی کے مطابق فیصلہ فرماتے" اور عثمان رض وعلی رض سب کے سب اسی طرح عمل کرتے تھے اور ساتھ ہی روایت قبول کرنے میں احتیاط برتتے تھے۔ اور صحابہ کے سامنے بعض ایسے قضیے بھی پیش ہوتے تھے جس میں کتاب یا سنت میں کوئی حکم نہ ملتا تو پھر قیاس کرنے پر مجبور ہوتے اور اس کو رائے سے تعبیر کرتے اور اسی طرح ابو بکر رض عمل کیا کرتے تھے جبکہ وہ قرآن مجید میں نص نہ پاتے یا لوگوں سے حدیث کا علم نہ ہوتا کیونکہ آپ لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے اور ان سے مشورہ کیا کرتے تھے اور جب وہ کسی معاملہ میں کسی رائے پر متفق ہوجاتے تھے تو اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیا کرتے تھے اور اسی طرح حضرت عمر رض بھی کیا کرتے تھے اور جب آپ نے شریح کو کوفہ کی قضارت عطا فرمائی تو ان سے فرمایا تھا کہ اللہ کی کتاب میں غور کرنا اور اگر اس میں حکم ملے تو پھر کسی سے کچھ دریافت نہ کرنا اور اگر اس میں نہ ملے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کرنا اور اگر سنت میں نہ ملے تو پھر اپنی رائے سے عمل کرنا اور ابو موسی اشعری کو آپ نے جو حکمنامہ بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ قضاء یا تو فریضہ محکمہ ہے یا سنت متبعہ پھر فرمایا کہ اس کے بعد غور وفکر ہے جو تیرے دل میں آجائے جبکہ کتاب وسنت میں کوئی حکم نہ ملے۔ نظائر وامثال کو سمجھو اور اسی پر قیاس کرو

اور عبد اللہ بن مسعود سے مفوضہ (جس عورت کو طلاق تفویض کردی جائے) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں اس بارے میں اپنی رائے سے حکم دیتا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور خطا ہے تو میری طرف سے ہے اور شیطان کی طرف سے اور اللہ و رسول اس سے بری ہیں۔

اور عبد اللہ رض بن عباس رض نے زید رض بن ثابت سے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں بقیہ کا ثلث ہے تو فرمایا کہ میں اپنی رائے سے ایک حکم لگاتا ہوں اور آپ اپنی رائے سے ایک حکم دیتے ہیں۔

اور حضرت عمر رض کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک شخص سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تو نے کیا کیا اس نے کہا کہ زید رض اور علی رض نے یہ فیصلہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں فیصلہ

کرتا تو ایسا کرتا اس نے کہا کہ پھر آپ کو کس نے روکا ہے حکم آخر تو آپ کے ہاتھ میں ہے تو فرمایا کہ اگر میں تجھ کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتا تو ایسا کرتا لیکن میں تجھکو اپنی رائے کی طرف پھیرتا ہوں اور رائے مشترک ہے چنانچہ آپ نے علیؓ وزیدؓ کے فیصلہ کو نہیں توڑا۔

اور وہ باوجود رائے سے کہنے کے اس پر اعتماد کو ناگوار سمجھتے تھے تاکہ لوگ دین کے بارے میں بغیر علم کے کہنے پر جری نہ ہوں اور اس میں اس بات کو داخل کر دیں جو اس میں نہ ہو اور اسی لئے ان میں سے اکثر نے رائے کی مذمت کی ہے اور یہ واضح ہے کہ جس رائے کی انھوں نے مذمت کی ہے وہ وہ رائے نہیں ہے جس پر انھوں نے عمل کیا بلکہ اس کو مذموم سمجھا کہ فتوے میں خواہش کی پیروی کی جائے۔ اصول دین کی ایسی سند کے بغیر جس کی طرف رجوع کیا جا سکے اور محمود وہ ہے جس کو عمرؓ نے اپنے قاضی کو اپنے اس حکم میں بتایا کہ پہلے نظائر و امثال کو پہچانو پھر ان پر امور کو قیاس کرو کیونکہ اس طرح رائے پر عمل کرنا نص کے مفہوم پر عمل کرنا ہوا۔ اور بہرحال ان کے وہ فتوے جن میں انھوں نے رائے پر اعتماد کیا بہت ہی کم ہیں

حضرات شیخینؓ جب جماعت سے کسی بارے میں مشورہ کرتے اور لوگ اس میں کوئی رائے دیتے تو لوگ اس کی پیروی کرتے اور کسی کو مخالفت کی مجال نہ تھی، اور اس طرح اظہار رائے کو اجماع کہا جاتا تھا اور اس زمانہ میں مجتہد صحابہ کی تعداد معدودے چند تھیں جن سے مشورہ کرنا اور جن کے نتائج افکار پر مطلع ہونا دشوار نہ تھا اس لئے اجماع بہت آسان تھا۔

اس لحاظ سے اس زمانہ میں احکام کے ماخذ چار تھے۔

پہلا ماخذ کتاب ہے جو دراصل معتمد ہے۔ دوسرا حدیث تیسرا قیاس یا رائے اور وہ ان دونوں کی شاخ ہے اور چوتھا اجماع اور یہ ظاہر ہے کہ حسب ضرورت وہ اجماع میں قرآن مجید یا حدیث یا قیاس سے سند لیتے ہوں گے۔

اور حضرات شیخین کی سیاست کا نتیجہ یہ تھا کہ احکام میں اختلاف کم ہوتا تھا کیونکہ یا تو وہ مشورہ سے صادر ہوتا تھا اور اس میں اختلاف کا نہ ہونا واضح ہے یا پھر قرآن مجید کے مضبوط حکم یا سنت متبعہ معروفہ کے تحت صادر ہوتا تو اختلاف کا کوئی سبب ہی نہ رہتا البتہ جب رائے سے فتویٰ صادر ہوتا تو اس میں اختلاف کا امکان تھا اور یہ بھی ہم کو علم ہو چکا ہے کہ رائے پر ان کا اعتماد کم تھا اور حضرت عمرؓ کی ہیبت ان سب کے سروں پر تھی تو ان کے نزدیک فتویٰ دینا کوئی آسان کام نہ

تھا بلکہ ہر ایک دوسرے پر ٹالنا چاہتا تھا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جو رائے ان کو معلوم ہوتی تھی وہ انہی کی طرف منسوب ہوتی تھی نہ کہ شریعت کی طرف اس لئے اس پر عمل کو ضروری نہیں قرار دیتے تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جب اپنی رائے سے اجتہاد کیا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ

"یہ میری رائے ہے اگر درست ہو تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہو تو پھر میری طرف سے ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں"

اور حضرت عمرؓ کے کاتب نے ایک مرتبہ یہ فقرہ لکھدیا کہ

"یہ اللہ کی رائے ہے اور عمرؓ کی رائے ہے"

تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ تم نے غلط لکھا (بلکہ یوں لکھو) کہ "یہ عمرؓ کی رائے ہے اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے اور غلط ہو تو عمر کی طرف سے" پھر فرمایا کہ سنت تو وہ جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر فرمادیا ہے لہذا رائے کی خطا کو امت کے لئے سنت نہ قرار دیدو۔

محمد بن حسن نے روایت کی ہے کہ ہم سے ابو حنیفہؒ نے حماد سے روایت بیان کی کہ ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا مہر کچھ مقرر نہیں کیا پھر وہ قبل صحبت کے مرگیا تو عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اس کو اس کے خاندان کی عورتوں کے مطابق مہر ملے گا نہ کم نہ زیادہ فیصلہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے اور خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے اور اللہ اور اس کا رسول دونوں اس سے بری ہیں تو آپ کے ہم نشینوں میں سے ایک شخص نے کہا اور غالباً وہ معقل بن سنان اشجعی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے "اس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے آپ نے وہی فیصلہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق اشجعیہ کے لئے کیا تھا" راوی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعود اس بنا پر کہ ان کا تصفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ہوا اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی بقدر خوش نہ ہوئے تھے اور حضرت علیؓ اس فیصلہ میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس پر عدت لازمی ہے اور اس کو میراث ملے گی اور اس کو مہر کچھ نہ ملے گا اور فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے حکم کے مقابلہ میں قبیلہ اشجع کے ایک بدو کا قول نہیں قبول کیا جاسکتا اس لئے کہ اگر اس عورت کو طلاق ملتی تو اس کو کچھ مہر نہ ملتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لاجناح علیکم ان طلقتم النساء　　　تم پر (مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو

ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ۔ ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے۔

تو حضرت علی موت کو طلاق کے مثل سمجھتے ہیں اور حدیث کو قبول نہیں کرتے ہیں باوجودیکہ وہ حدیث کے لینے میں متشدد تھے اور عبداللہ بن مسعود موت کو طلاق کے مثل نہیں سمجھتے ہیں اور ان کے رائے کی تائید معقل کی روایت سے ہوتی ہے۔

اور ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں چند ان مسائل کا ذکر کر دیں جن میں اس زمانہ کے بڑے مفتیوں میں اختلاف ہوا تاکہ اس سے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں۔

(۱) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مطلقہ عورت نے اپنے عدت کے زمانہ میں نکاح کر لیا (اور نص قرآن سے اس کا منع ثابت ہے) تو عمرؓ نے اپنے کوڑے سے شوہر کو چند درے لگائے اور دونوں میں تفریق کرادی اور فرمایا جو عورت اپنی عدت کے زمانہ میں نکاح کرلے تو اگر اس شوہر نے جس کے ساتھ اس نے نکاح کیا ہے اس سے صحبت نہ کی ہو تو دونوں میں تفریق کرادی جائے اور پہلے شوہر کی جو عدت باقی رہ گئی ہے وہ پوری کرے پھر جو چاہے اس کو پیغام دے۔ اور اگر اس نے مقاربت کر لی تو تفریق کرانے کے بعد اور اگر پہلے شوہر کی بقیہ عدت پوری کرے پھر دوسرے شوہر کی عدت کرے پھر اس کے بعد عمر پھر اس عورت کا نکاح نہ کیا جائے اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب وہ پہلے شوہر کی عدت پوری کرے تو اگر چاہے تو دوسرے سے نکاح کرے تو ان دونوں نے اس بات میں اختلاف کیا کہ عدت والی بیوی کے ساتھ مقاربت کرنے کے بعد زوج ثانی پر حرمت کی ہمیشگی رہے گی یا نہیں اور قرآن مجید کے احکام میں ان دونوں میں سے کسی کی تائید نہیں ملتی ہے اِلّا اینکہ حضرت عمرؓ نے تنبیہ و تادیب کا طریقہ اختیار کیا اور حضرت علیؓ نے عام اصول کو اختیار کیا۔

(۲) عثمانؓ بن عفان اور زیدؓ ثابت نے فتویٰ دیا کہ آزاد عورت اگر غلام کی بیوی ہو جائے تو دو طلاق سے ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی اور حضرت علیؓ نے ان کی مخالفت کی اور فرمایا کہ تین طلاق سے کم میں حرام نہ ہوگی لیکن لونڈی اگر آزاد شخص کی بیوی ہو تو دو طلاق سے حرام ہو جائے گی تو یہ فتویٰ دینے والے غلام کے نصف حقوق پر اتفاق کرنے کے بعد اس بات میں اختلاف رکھتے ہیں کہ طلاق باعتبار شوہر کے ہے یا بیوی کے تو عثمانؓ و زیدؓ کی رائے یہ ہے کہ شوہر کے اعتبار سے ہوگی کیونکہ وہ طلاق کا واقع کرنے والا ہے اور علیؓ کی یہ رائے ہے کہ بیوی کے لحاظ سے ہوگی کیونکہ طلاق اس پر واقع ہونے والی ہے۔

(۳) عبدالرحمٰن بن عوف نے بحالت مرض اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور اس کی عدت کے گزرنے کے بعد عثمان رضؓ نے اس کو میراث دلائی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ شریح ؒ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کو لکھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور وہ مریض ہے تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اس مریض کے مرنے کے بعد اگر وہ عدت میں ہو تو اس کو وارث بنانا اور اگر اس کے مرنے کے پہلے عدت ختم ہو جائے تو اس کو میراث نہیں ملے گی تو گویا بعد اس کے کہ ان دونوں حضرات نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ مریض کی طلاق اس طرح زوجیت کو زایل نہیں کرتی کہ وہ وراثت کو ختم کر دے حضرت عمرؓ نے اس کی ایک حد مقرر کر دی یعنے عدت اور حضرت عثمان ؓ نے اس کی حد مقرر نہیں کی اور اس مسئلہ میں کوئی قطعی حکم قرآن و حدیث سے ثابت نہیں جسکی طرف رجوع کیا جا سکے۔

(۴) حضرت عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا ہے کہ حاملہ عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ دونوں مدتوں میں سے جو مدت زیادہ طویل ہو اس وقت تک عدت کرے یعنے وضع حمل یا چار ماہ دس دن کی مدت اور اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورت کی عدت طلاق کی صورت میں وضع حمل رکھی ہے اور شوہر کا انتقال ہو جانے کی عدت چار مہینہ دس دن رکھی ہے بغیر کسی تفصیل کے تو حضرت علیؓ نے اپنے فتویٰ میں اس کے شوہر کے انتقال پر دونوں آیتیں ملحوظ رکھی ہیں اور حضرت عمرؓ نے طلاق کی آیت وفات پر حکم یعنے خاص رکھا ہے اور اس بارہ میں ایک حدیث کی بھی روایت کرتے ہیں کہ سبیعہ بنت الحارث اسلمیہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور پچیس ۲۵ دن کے بعد وضع حمل ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عدت پورا کرنے کا حکم دیا اس سے ہم کو معلوم ہوا کہ روایات کے بارے میں حضرت علیؓ کی رائے تشدد پر مبنی تھی۔

(۵) مسلم اور احمد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاق کو ایک گنا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اپنے اس کام میں جس میں ان کو مہلت سے کام لینے کا حکم دیا گیا تھا جلدی سے کام لے رہے ہیں تو ہم بھی اسی کو نافذ کر دیں چنانچہ اس کو نافذ کر دیا یعنے ایک وقت میں تین طلاق دینے کو تین طلاق قرار دیدیا لیکن صحابہ نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ حضرت علیؓ اور ابو موسیٰؓ سے اس کے خلاف کی روایت پائی جاتی ہے گویا عمرؓ نے اس کو تعزیراً نافذ کیا اور جس نے ان کی مخالفت کی اس نے ظاہری احکام پر عمل کیا۔

(۶) ابن مسعود وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی سے ایلا کرے اور چار مہینے گزر جائیں اور شوہر نے رجعت نہیں کی تو اسے طلاق بائن واقع ہوگی اور اس کا شوہر بھی اور پیغام دینے والوں میں سے ایک سمجھا جائے گا اور ابن مسعود کے سوا اور لوگوں کا فتویٰ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ یا تو رجوع کرے یا طلاق دیدے اور چار مہینہ کا گزرنا طلاق نہیں سمجھا جائے گا اور آیت کا مطلب دونوں طریقوں کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاؤا فان الله غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان الله سمیع علیم۔

جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس جانے) سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے۔ سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحم فرمانے والے ہیں اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

(۷) حضرت ابن مسعودؓ نے فتویٰ دیا ہے اور اس کی موافقت حضرت عمرؓ بن الخطاب نے بھی کی ہے کہ مطلقہ اپنی عدت سے اس وقت تک فارغ نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنے تیسرے حیض کا غسل نہ کرلے اور زید بن ثابت نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ تیسرے حیض میں داخل ہوتے ہی عدت سے فارغ ہوگئی اور اس اختلاف کا سبب "قرء" کے معنے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ طہر ہے جیسا کہ زید ابن ثابت وغیرہ نے سمجھا ہے یا وہ حیض ہے جیسا کہ ابن مسعود نے سمجھا ہے۔

(۸) عمرؓ بن الخطاب نے فتویٰ دیا ہے کہ حیض والی عورت کا حیض اگر طلاق کے بعد بند ہو جائے تو وہ نو مہینے انتظار کرے اگر اس عرصہ میں حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ نو مہینے گزرنے کے بعد تین مہینے عدت گزارے اور دوسرے حضرات نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ "آیسہ" (حیض سے ناامید) ہونے تک انتظار کرے اس کے بعد مہینوں سے عدت کرلے ان لوگوں کا نظریہ عدت کے بارے میں ظاہری احکام کو ملحوظ رکھنا ہے کیونکہ یہ عدت والی عورت حیض والی عورتوں میں شمار ہوگی اور اس کی عدت ظاہری احکام سے تین قروء ہے اور وہ آیسہ نہیں کہ مہینوں سے عدت کرے اور حضرت عمرؓ کا نظریہ عدت کے معنی کی طرف خیال رکھنا ہے یعنے حمل نہ رہنے کا یقین حاصل کرنا اور غالب مدت گزرنے کے بعد کوئی شک نہیں رہتا لہذا

اس کے بعد مہینوں سے عدت گزارے۔

(۹) حضرت عمرؓ ابن الخطاب کا فتویٰ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں ہو چکیں اس کو خرچ اور رہنے کے لئے گھر ملے گا۔ اور جب آپ کو فاطمہ بنت قیس سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق کے بعد نہ خرچ دلایا نہ مکان تو فرمایا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہ چھوڑیں گے معلوم نہیں کہ اس کو یاد بھی رہا یا بھول گئی اور اللہ کی کتاب میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے۔

لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ۔ — ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ مطلقہ کے لئے منکوحہ کی طرح مکان واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں۔

اور دوسروں نے فتویٰ دیا ہے کہ ایسی عورت کو نہ خرچ ملے گا نہ مکان فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حجت قرار دیا ہے اور اس لئے کہ آیۃ عدت کے ختم پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ — تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے کے) کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کردے (مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے)

تو مطلقہ ثلاثہ کے لئے اللہ تعالیٰ کیا صورت پیدا فرمائے گا جبکہ وہ اپنے طلاق دینے والے پر حرام ہو چکی ہے۔ اور بعض لوگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس کو خرچ تو نہ ملے گا لیکن مکان ملے گا، نفقہ کے وجوب کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مفہوم سے نفی کی ہے۔

وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن۔ — اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک ان کو (کھانے پینے) کا خرچ دو

اس بنا پر ان لوگوں نے کہ جو حاملہ نہ ہو اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔

(۱۰) حضرت ابو بکرؓ بھائیوں کو دادا کے ساتھ وارث نہیں قرار دیتے تھے لیکن عمرؓ نے ان کو دادا کے ساتھ حصہ دلوایا، ابو بکرؓ نے دادا کو باپ قرار دیا اور بھائی باپ کے ساتھ از روئے نص کے وارث نہیں ہوتے اور عمرؓ نے دادا کو باپ قرار نہیں دیا اور زیدؓ بن ثابت کی بھی یہی رائے تھی۔

(۱۱) امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے کہ ایک جدہ (نانی) حضرت ابو بکرؓ کے پاس اپنی میراث کا حصہ دریافت کرنے آئی تو فرمایا کہ کتاب اللہ میں نہ تیرا کوئی حصہ ہے اور نہ ہم نے تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کوئی حصہ پایا لہذا تو لوٹ جا حتیٰ کہ میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کرلوں پھر آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا تو مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا آپ نے نانی کو چھٹا حصہ دلوایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے ساتھ اور کوئی سننے والا ہے تو محمد بن مسلمہ اٹھے اور اسی طرح فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ نافذ کردیا پھر دوسری دادی (حقیقی دادی) عمرؓ بن الخطاب کے پاس آئی اور اپنی میراث کا مسئلہ دریافت کرنے لگی آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تو تیرا کوئی حصہ نہیں اور جو فیصلہ کیا گیا وہ تیرے لئے نہ تھا (یعنی دادی کے لئے نہ تھا بلکہ نانی کے لئے تھا) اور میں فرائض میں کوئی چیز بڑھانے والا نہیں لیکن وہی چھٹا اگر تم دونوں اس میں شریک ہوجاؤ تو آپس میں تقسیم کرلو ورنہ جو اکیلی ہو وہی لے لے۔

(۱۲) امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نے عریض (مدینہ کی وادی) سے ایک چھوٹی نہر نکالی اور محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے اپنی زمین تک لے جانا چاہا تو محمد بن مسلمہ نے اس کو روک دیا تو ضحاک نے کہا مجھے کیوں منع کرتے ہو اس سے تو تم کو بھی فائدہ پہونچے گا کہ پہلے تمہاری زمین سیراب ہوگی اور تم کو اس سے کوئی نقصان بھی نہ ہوگا تو پھر بھی انکار کیا تو اس بارہ میں انھوں نے عمرؓ بن الخطاب سے گفتگو کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کو اس چیز سے کیوں روکتا ہے جو اس کو نفع دیتی ہے اور اول و آخر تیری زمین بھی اس سے سیراب ہوگی۔ اور تجھے کچھ نقصان بھی نہ ہوگا۔ تو محمد نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم میں منظور نہیں کرتا تو عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم ضرور یہ نہر جاری ہوگی اگرچہ تیرے پیٹ پر سے ہی کیوں نہ گزرے پھر عمرؓ نے اس کے جاری کرنے کا حکم دیدیا۔

(۱۳) امام مالکؒ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کھوئے ہوئے اونٹ کھلے پھرتے تھے ان کے بچے ہوتے تھے اور ان کو کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا حتیٰ کہ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے مالک کی تلاش کرو اور نہ ملنے پر فروخت کردو اور جب اس کا مالک آتا تو اس کی قیمت اس کو دیدی جاتی۔

(۱۴) ان اہم مسائل میں سے جو عراق و شام کی فتح کے بعد پیش آئے یہ مسئلہ تھا کہ ان زمینوں

کا کیا کیا جائے جو قوت سے فتح کی گئی ہیں اگر ظاہری احکام سے دیکھتے ہیں تو یہ مثل اور غنیمتوں کے ایک غنیمت ہوتی ہے اور اس کے پانچ حصّوں میں سے چار غازیوں کے اور ایک حصہ ان مصالح عامہ کے لئے رکھا جانا چاہیئے جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں لیکن جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ بھی یہی مطالبہ کر رہے ہیں تو فرمایا کہ جو بعد کے مسلمان آئیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم ہو چکی اور باپ دادا سے میراث میں مل چکی تو ان کا کیا حال ہوگا۔ لہذا یہ رائے مناسب نہیں تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ پھر کیا رائے ہے زمین اور ذمی رعایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور غنیمت عطا فرمائی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو ایسا ہی جیسا کہ تم کہتے ہو لیکن میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا خدا کی قسم میرے بعد جو شہر فتح ہوں گے اس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے وبال ہو جائے پس جب زمین عراق مع رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اسی طرح زمین شام مع رعایا کے تو سرحدوں کی حفاظت کیسے ہوگی اور اس شہر کے چھوٹے بچوں اور بیواؤں کی کفالت کیسے ہوگی اور اہل شام و عراق کے سوا اور مقامات کے ان مصارف کے لئے کیا ہوگا۔ تو لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کثرت سے گفتگو کی اور کہا جو چیز اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائی ہے اس کو آپ ان لوگوں پر اور ان کے بیٹوں اور پوتوں پر وقف کر رہے ہیں جو جنگ میں حاضر نہیں ہوا ہے۔ تو حضرت عمرؓ اس سے زیادہ نہ کہتے تھے کہ یہ تو میری رائے ہے تو پھر لوگوں نے کہا کہ آپ اس بارہ میں مشورہ کیجئے۔ تو آپ نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا تو ان کے درمیان اس میں اختلاف ہوا عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے تھی کہ ان کے حقوق پورے تقسیم کر دئے جائیں اور حضرات عثمان و علی و طلحہ و ابن عمر کی رائے حضرت عمرؓ کے مطابق تھی پھر آپ نے دس انصار کو طلب کیا پانچ اوس کے پانچ خزرج کے جو ان کے بوڑھے اور بزرگ تھے جب وہ آگئے تو فرمایا کہ میں نے آپ کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ میری اس امانت میں شریک ہوں جو میں نے آپ کے معاملات کی ذمہ داری اپنے سر لے کر قبول کی ہے کیونکہ میں بھی آپ ہی میں سے ایک فرد ہوں اور آپ آج حق بات کہیں آپ میں سے جو چاہے میری مخالفت کرے اور جو چاہے میری موافقت کرے اور میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش کی پیروی کریں آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے خدا کی قسم اپنے کلام سے میرا مقصد بجز حق کے اور کچھ نہیں ہے تو لوگوں نے جواب دیا امیر المومنین کہئے ہم سن رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ آپ حضرات نے ان لوگوں کی بات سن لی جن کا خیال ہے کہ میں ان کے

حقوق پر ظلم کر رہا ہوں اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ ظلم کا ارتکاب کروں۔ اگر میں نے ان پر ظلم کیا ہو کہ ان کی چیز جس پر ان کا حق ہو ان سے لے کر ان کے غیر کو دی ہو تو بے شک میں شقی ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ زمین کسریٰ فتح کرنے کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی جو آئندہ فتوحات میں کام دے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہم کو ان کا مال ان کی زمین ان کی رعایا بطور غنیمت عطا فرمادی ہے تو میں نے مال غنیمت تو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا اور خمس نکال کر میں نے اپنی ذمہ داری سے اس کے امور میں خرچ کر دیا اور میری رائے یہ ہے کہ زمین کو مع اس کی رعایا کے روک دوں اور اس زمین میں ان پر خراج مقرر کر دوں اور رعایا پر جزیہ لگا دوں تاکہ وہ اس کو ادا کرتے رہیں تو یہ اسلامی فوج اور ذریت اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے وقف رہے کیا تم اس کو نہیں سمجھتے کہ ان سرحدوں کے لئے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس کی حفاظت کریں کیا تم نے ان بڑے شہروں شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر کو نہیں دیکھا ہے کہ وہاں فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت ہے اور وہاں وظائف دئے جائیں گے تو اگر زمین اور رعایا تقسیم کر دی جائے تو یہ مصارف کہاں سے پورے ہوں گے اس پر سب نے کہا کہ آپ کی رائے صائب ہے اور آپ کا ارشاد بجا ہے۔ اگر ان سرحدوں اور شہروں کی حفاظت آدمیوں کے ذریعہ کی جائے اور جوان کی تقویت کا باعث ہے یعنے وظائف ان کو نہ دئے جائیں تو اہل کفر اپنے شہروں کو لوٹ جائیں گے" جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میرے لئے معاملہ بالکل صاف ہے اور یہ حکم نافذ کر دیا کہ زمین وہاں کے رہنے والوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے اور ان پر خراج مقرر کر دیا اور آپ کی رائے (اللہ ان سے راضی ہو) بالکل صحیح تھی اور اکثریت کی رائے دیکھ کر مخالف خاموش ہو گئے۔

(۱۵) حضرت ابوبکرؓ لوگوں میں مال برابر برابر تقسیم فرمادیا کرتے تھے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ یہ مال سب میں برابر برابر تقسیم فرماتے ہیں حالانکہ ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو سبقت، فضیلت اور قدامت حاصل ہے لہٰذا اگر آپ ایسے لوگوں کو ترجیح دیں تو بہتر ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جو کارنامے اور قدامت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا اور یہ باتیں تو ایسی ہیں جن کا ثواب اللہ کے پاس ملے گا اور یہ جو دیا جا رہا ہے یہ تو آذوقہ ہے اس میں ترجیح کے مقابلہ میں مساوات ہی بہتر ہے لیکن جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا اور خوب فتوحات آنے لگیں تو آپ نے فضیلتوں

کا لحاظ رکھا اور فرمایا کہ میں اس شخص کو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی ہے اس کے برابر نہیں کروں گا جس نے حضورؐ کے ساتھ ہو کر جہاد کیا ہے اور اسی پر فوجی دفتر کی بنیاد رکھی۔

اس سے ہماری غرض اس زمانہ کے مفتیوں کے فتاویٰ کی تعداد بتانی نہیں ہے اور نہ وہ جملہ امور ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں انھوں نے اختلاف کیا ہے بلکہ ہم نے چند مثالیں بیان کردیں جس سے ان کے اجتہاد کا طریقہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب ہونے کے باوجود ان کے اختلاف کے اسباب معلوم ہو جائیں اور مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اسباب تین ہیں۔

(۱) فتویٰ کا اختلاف قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں اختلاف کی بنا پر ہوتا تھا اور اس کی کئی وجوہ تھیں۔

(۱) کسی ایسے لفظ کا وارد ہونا جس میں دو معنیٰ کا احتمال ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل ارشاد میں "قرء" کے معنی سمجھنے میں ان کا اختلاف۔

والمطلقات تیربصن بانفسھن ثلثۃ قروء۔ — اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین قروء تک۔

حضرت عمرؓ اور ابن مسعود نے اس سے حیض سمجھا اور زیدؓ بن ثابت نے اس سے طہر سمجھا اور ہر ایک کے لئے اس کی تائید موجود ہے اور جیسا کہ آیت ایلاء میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایلاء کرنے والے کے لئے ایک مدت مقرر کردی کہ اس کا انتظار اس کے لئے ضروری ہے اور وہ چار مہینے ہے پھر اس کے بعد اپنے اس کلام میں ارشاد فرمایا

فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔ — سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کریں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے رحمت فرما دیں گے اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

اس نص میں احتمال ہے کہ رجوع کرنے یا مدت مقررہ گزرنے کے بعد طلاق دینے کا مطالبہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ مدت محددہ کے اندر ہی تکمیل ہو اور اگر مدت گزر گئی تو اب رجوع ممکن نہیں اور اس کے گزرنے پر طلاق واقع ہو گئی۔

(ب) دو موضوع کے لئے مختلف دو حکموں کے صادر ہونے سے یہ گمان ہوتا کہ ایک حکم دوسرے مسئلہ کے کسی حصّہ کو بھی شامل ہے تو اس جزا میں دونوں حکم ایک دوسرے کے معارض ہو جاتے ہیں اور اس کی مثال وہ عدت والی عورت ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہو کیونکہ نص سے اسکی عدت چار مہینے دس دن ہے اور یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ حکم حاملہ عورت کو بھی شامل ہے اور طلاق سے عدت کرنے والی عورت کے لئے جو آیت ہے اس میں حاملہ کی عدت وضع حمل ہے تو حاملہ عورت کے شوہر کی وفات ہونے پر اس کی عدت دو حکموں کے درمیان پڑگئی یا تو وہ پہلی آیت کے حکم میں شامل ہے جس کی بنار پر اس کو چار مہینے دس دن تک عدت گزارنا ہے اگرچہ اس سے پہلے وضع حمل ہو جائے اور یا یہ کہ اس کی عدت وضع حمل ہے اگرچہ کہ طلاق کی عدت والی آیت پر عمل کرتے ہوئے وہ اس مدت کا انتظار نہ کرے اور بعض جلیل القدر صحابہؓ نے ان دونوں رایوں میں سے ایک ایک رائے دی ہے۔

(دوسرے) احادیث کی بنار پر فتوے کا اختلاف ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وہ ہے جو ظاہر اور کھلی ہو آپ نے اس کو کیا ہو یا صحابہ کے جم غفیر کے سامنے فرمایا ہو جیسے نماز اور اس کی کیفیت اور اس کے رکعات کی تعداد اور جیسے حج اور اس کے ادائیگی کے طریقے اور ان میں سے بعض ایسی بھی تھیں جو ایک یا دو شخصوں کی موجودگی میں آپ نے بیان فرمائیں یا اس پر عمل فرمایا تو اس کی روایت انہی حضرات تک محدود ہوتی تھی جو اس وقت حاضر تھے اور اکثر قولی حدیث اسی طرح کی ہے اور اختلاف کی بنیاد یہیں سے ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بیان کرنا اس زمانہ میں شایع نہ تھا اور احادیث کسی کتاب میں جمع نہ تھیں جس کی طرف رجوع کیا جاتا تو مفتیوں کے سامنے جب کوئی واقعہ پیش ہوتا اور کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملتا تو اپنے ساتھیوں سے دریافت فرماتے کہ کیا تمہارے پاس اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ موجود ہے بسا اوقات ان کے پاس وہ شخص حاضر ہو جاتا جو ان سے حدیث بیان کرتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے بشرطیکہ اس کی روایت تسلیم کرلی جاتی چنانچہ حضرت عمرؓ راوی سے حدیث کی سماعت میں اس کے شریک کو طلب فرماتے اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب راوی کو قسم دلاتے اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ان کے سامنے حدیث بیان ہوتی اور وہ اس پر عمل نہ فرماتے جبکہ ان کو اس روایت کی صداقت کا یقین نہ ہوتا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنّت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے

ہم نہیں جانتے کہ وہ ٹھیک کہتی ہے یا خطا پر ہے اس کو یاد بھی ہے کہ بھول گئی تو روایت کا شائع نہ ہونا اور احادیث کے قبول کرنے میں دقت نظری سے کام لینا بعض اوقات ان کو عموم نص قرآنی کے مطابق فتویٰ دینے پر مجبور کرتا تھا اور بعض اوقات انکو کوئی ایسی سنت بھی ملجاتی تھی جو اس عموم کو خاص کردیتی تھی اور اگر ان کو کوئی نص نہ ملتی تو کبھی رائے اور اجتہاد سے بھی فتویٰ دیدیا کرتے تھے۔

(تیسرا) رائے کی بنار پر فتوے میں اختلاف۔

ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ اگر ان کو کسی واقعہ کے لئے نص قرآنی یا احادیث سے کوئی حکم نہ ملتا تو فتویٰ دینے کے لئے رائے کو اختیار کرتے تھے اور ان کے نزدیک رائے کا مطلب یہ تھا کہ جس بات کو وہ مصلحت سمجھتے اور شریعت اسلامی کی روح سے قریب ہوتا اس بات کو دیکھے بغیر کہ وہاں اس واقعہ کے لئے کوئی اصل معین ہے یا نہیں دیکھو حضرت عمرؓ نے محمد بن سلمہ پر یہ حکم قطعی نافذ کردیا کہ ان کے پڑوسی کی نہران کی زمین میں ہوکر جائے کیونکہ وہ طرفین کے لئے مفید تھی اور محمد کو اس میں کسی قسم کی مضرت نہ تھی اسی طرح تین طلاقوں کو ایک ہی مرتبہ میں نافذ ہونے کا فتویٰ دیدیا کیونکہ لوگ اس کام میں جلدی کرتے تھے جس میں ان کو صبر و تحمل سے کام لینے کی ضرورت تھی اور جو شخص کسی عورت کی عدت میں اس سے نکاح کرے تو اس کے ساتھ دوبارہ (یعنے عدت پوری ہونے کے بعد) اس کو نکاح کرنا حرام قرار دیا ان دونوں کے درمیان تفریق کرانے کے بعد اور یہ حکم اس کی تنبیہ کے لئے نافذ فرمایا' اور مصلحتوں پر غور کرنا ناظرین کے اختلاف کی بنار پر مختلف ہوتا ہے' اسی لئے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہم بعض مفتیوں کو ان کی رائے سے اختلاف کرتا ہوا پاتے ہیں اور وہاں پر کئی مسائل ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اختلاف کیا ہے اور ان کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے جیسا کہ ہم نے بھائیوں کے ساتھ نانی کی میراث کے مسئلہ میں بیان کیا ہے اور وظائف میں ترجیح دینے کے بارہ میں بیان کیا ہے اور اسی طرح وہاں پر اور مسائل ہیں جن میں حضرت علیؓ نے ایسے فتوے دئے ہیں جو ان کے دوسرے بھائیوں (باقی خلفاء راشدین) کے فتووں کے خلاف تھے چنانچہ وہ ان یتامی کے مال سے زکوٰۃ نکالتے تھے جو ان کے زیر پرورش تھے حالانکہ ان کے سوا اور لوگ یتیم کے مال میں زکوٰۃ کا حکم نہیں دیتے تھے۔

اور ہم نے یہ بھی بیان کردیا ہے کہ اس زمانہ میں اختلاف کچھ زیادہ نہیں تھا اس لئے کہ ان کے فیصلے واقعات کے مطابق ہوتے تھے اور یہ فیصلے ان کے زمانہ میں مدون نہیں کئے جاتے تھے'

چنانچہ یہ دور ختم ہوگیا اور فقہ صرف احکام قرآن مجید اور احادیث ظاہرہ متبعہ اور جلیل القدر صحابہ رضہ کی پسند کا نام تھا جو ان کے سامنے دوسرے صحابہ نے روایت کی تھی یا جس کو انھوں نے خود سنا تھا اور بہت کم فتوے ایسے تھے جو اجتہاد اور بحث کے بعد ان کی رائے سے صادر ہوئے تھے۔

اور اس زمانہ میں مشہور فتوے صادر کرنے والے خلفاء اربعہ اور حضرات عبد اللہ ابن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت تھے جن میں کثرت سے فتوے دینے والے حضرات عمرؓ ابن الخطاب اور علی رضہ بن ابی طالب اور عبد اللہ رضہ بن مسعود اور زیدؓ بن ثابت تھے اور یہ فتوے خاص طور سے فرائض کے متعلق تھے۔

اور حضرت ابا بن عمرؓ اور علی رضہ کے حالات اتنے زیادہ واضح ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں یہاں ہم ان کے علاوہ اور لوگوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ رضہ بن مسعود

وہ عبد اللہ رضہ بن مسعود ہذلی ہیں جو نبی زہرہ کے حلیف تھے قدیم الاسلام ہیں فرماتے ہیں کہ میں چھٹا مسلمان تھا کہ روئے زمین پر ہم چھ کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو مکہ معظمہ میں زور سے پڑھا اور جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس لے لیا چنانچہ وہ آپ کی خدمت کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمادیا تھا کہ تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم میری آواز سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو چنانچہ وہ آپ کے مکان میں جایا کرتے تھے اور آپ کو جوتے پہنایا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ بلکہ کبھی آپ کے آگے چلا کرتے تھے اور جب آپؐ غسل فرماتے تو آپؐ کے لئے پردہ باندھا کرتے اور جب آپؐ سویا کرتے تو آپؐ کو اٹھایا کرتے اور حبشہ اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور بدر اور احد اور خندق اور بیعت رضوان میں موجود تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میدان یرموک میں شریک رہے۔ اکثر صحابہ اور تابعین نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں' حضرت حذیفہؓ سے کہا گیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طور و طریقہ میں زیادہ قریب ہو اسے بتائیے کہ اس سے ہم احادیث لیں یا ان سے سنیں تو فرمایا کہ سب لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب طور و طریق و روش میں ابن مسعود ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے جلیل القدر صحابہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابن ام عبد ان سب میں اللہ کے نزدیک بہی زیادہ مقربین میں سے ہیں اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے حاکم بناتا تو ابن ام عبد کو حاکم بناتا۔

حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے ان کو کوفہ کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو لکھا کہ میں نے عمار بن یاسیر کو امیر بنا کر بھیجا ہے اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر، اور وہ دونوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بزرگ ترین ہیں وہ اصحاب بدر میں سے ہیں ان کی اقتدا کرو اور ان کی اطاعت کرو اور ان کے اقوال کو سنو اور میں نے عبداللہ کو تمہارے لئے اپنے اوپر ترجیح دی ہے، چنانچہ وہ کوفہ میں رہے وہاں کے رہنے والے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنا کرتے تھے اور وہ ان کے معلم بھی تھے اور قاضی بھی۔ اور وہ جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے ایسے ہی تھے کہ قرآن مجید پڑھا اس کے حلال کو حلال قرار دیا اس کے حرام کو حرام۔ دین میں فقیہ تھے حدیث کے عالم تھے، ان کے اور حضرت عثمانؓ کے درمیان ان کی زندگی کے آخری ایام میں اختلاف ہو گیا تھا چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ منورہ بلوا لیا اور وہ وہاں آ گئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے اور ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہر ایک نے ایک دوسرے کے لئے اللہ تعالیٰ سے حضرت عبداللہؓ کی موت سے پیشتر مغفرت طلب کی اور یہ ۳۲ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ

وہ زید بن ثابت بن ضحاک بخاری انصاری ہیں، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں ان کی عمر (۱۱) سال کی تھی اور ان کا سب سے پہلا جہاد غزوہ خندق ہے اور جنگ تبوک میں بنی مالک بن نجار کا جھنڈا عمارہ بن حزم کے پاس تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جھنڈا لے کر زید بن ثابت کو دیدیا تو عمارہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کو میرے متعلق کسی قسم کی خبر ملی ہے تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ قرآن مقدم ہے اور زید نے تم سے زیادہ قرآن سیکھ لیا ہے، اور زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی وغیرہ لکھا کرتے تھے اور آپؐ کے پاس سریانی زبان میں خطوط آیا کرتے تھے تو آپ نے زیدؓ کو حکم دیا تو انھوں نے اس زبان کو سیکھ لیا پھر وہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے پاس کتابت

کرتے رہے اور حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ پر تین مرتبہ اپنا نائب بنایا۔ اور حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو جایا کرتے ان کو نائب بنایا کرتے۔ اور علم فرائض میں سب صحابہ سے زیادہ علم رکھتے تھے اسی لئے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تم سب میں علم و فرائض کے زیادہ جاننے والے زید ہیں۔ اور صحابہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور راسخ فی العلم تھے اور جب وہ اپنے اہل و عیال کے پاس ہوتے تو بہت پرمذاق ہوتے اور جب لوگوں میں ہوتے تو بہت زیادہ پر وقار رہتے اور حضرت زیدؓ عثمانی تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن حضرت علیؓ کی فضیلت اور ان کی تعظیم کا اظہار کیا کرتے تھے آپ سے اکثر صحابہ اور تابعین نے روایت کی ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے انہی کو جمع قرآن کا ذمہ دار بنایا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ نے اور لوگوں کے ساتھ ان کو اس کام کے لئے مقرر کیا تھا ۴۵ھ میں وفات ہوئی۔

تیسرا دور

چھوٹے صحابہ اور ان سے استفادہ کرنیوالے تابعین کے زمانہ میں فقہ

اور یہ دور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی حکومت کے زمانہ یعنے ۴۱ھ ہجری سے اس وقت تک کا ہے جب کہ دولت عربیہ میں قرن ثانی کی ابتداء میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔

سیاسی پس منظر

جمہور اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے شروع ہوتا ہے اور اسی لئے ۴۱ھ کو "عام الجماعۃ" کہا جاتا ہے مگر سیاسی اختلاف کے جراثیم جڑ سے ختم نہیں ہوئے تھے بلکہ بعض ایسے رہ گئے تھے جن کے دلوں میں حضرت معاویہ اور ان کے اہل خاندان کی مخالفت پوشیدہ تھی اور جو ان کے ساتھ مکر و فریب سے پیش آتے تھے اور یہ دو فرقے تھے۔

(پہلا فرقہ) فرقۂ خوارج ہے جن کی سیاست استبدادی حکومت اور اس کے بادشاہوں کی دشمنی پر مبنی تھی اور اسلامی خلافت کو کسی مقرر خاندان یا کسی مخصوص شخصیت میں منحصر نہیں سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ جمہور کے ارادہ پر موقوف ہونا چاہیئے اور وہ اسی کو منتخب کرتے تھے جس کو اپنی سیاسی مصلحتوں اور حکومت چلانے کے لئے موزوں سمجھتے تھے اور حضرات عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم سے اپنی برأت ظاہر کرتے تھے اول اس لئے کہ انھوں نے شیخین کی سیاست کے خلاف کام کیا تھا اور اپنے اہل بیت کی رعایت اور ان کے درجے بلند کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو پوری قوم کے حقوق پر ترجیح دینا اختیار کیا تھا۔ اور دوسرے اس لئے کہ انھوں نے اپنے اور مخالفوں کے درمیان تحکیم پر رضامندی کا اظہار کیا اور تیسرے اس لئے کہ وہ حکومت پر قوت سے غالب آئے۔

(دوسرا فرقہ) فرقہ شیعہ ہے جو حکومت کو حضرت علیؓ اور ان کے خاندان کا حق سمجھتا ہے اور جو شخص ان سے اس حق کو چھین لے ان کے نزدیک وہ ظالم اور جور کرنے والا ہے جس کی حکومت جائز نہیں۔

حضرت معاویہؓ کی سیاست دوسرے فرقہ (شیعہ) کی شورش کو پرسکون کرنے والی اور فرقہ اولی (خوارج) کی شدت کو کم کرنے والی تھی اسی لئے ان کی زندگی کے ختم ہوتے ہی وہ شورشیں شروع ہوگئیں جو وحدت کلمۃ اسلام سے جنگ کرنے والی تھیں چنانچہ اہل مدینہ نے یزید کی علیحدگی کا مطالبہ کیا اور حضرت حسینؓ بن علیؓ عراق کے تعصبہ سے نکلے اس خیال سے کہ وہ وہاں اپنے باپ کے مددگار پائیں گے جو ان کو ان کا چھنا ہوا حق دلانے میں ان کی مدد کریں گے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ معظمہ کی حفاظت میں آتے ہوئے مخالفت کی۔ ان لوگوں کی شورش سے اہل مدینہ بہت پریشان ہوئے اور انھوں نے سخت تکلیفیں اٹھائیں جیسے حضرت حسینؓ اپنے خروج میں پریشان ہوئے کہ حدود عراق میں پہونچنے سے پہلے وہ مع اپنی کثیر اہل بیت کے خود عراقیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اگر یزید کی موت واقع نہ ہوتی تو ابن زبیرؓ بھی اسی وقت ان کے پاس پہونچ گئے ہوتے۔

یزید کی موت کے بعد فتنہ کی آگ زیادہ بھڑک اٹھی اور یہ اس وقت تک بھڑکتی رہی جب تک کہ صاحب عزم صادق وہمت عالی عبدالملک بن مروان تخت حکومت پر نہ بیٹھ گیا کہ اس نے حضرت ابن زبیرؓ کا مکہ معظمہ میں خاتمہ کرکے اور ان تمام شہروں کو جو شورش کے مراکز تھے واپس لے کر اس شورش کا خاتمہ کیا اور ملت اسلامیہ متفق ہوگئی اور فرقہ شیعہ کی دعوت خفیہ ہونے لگی اور خوارج کی شدت ماند پڑگئی لیکن اس اتفاق میں اور اس اتفاق میں جو حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ہوا تھا بڑا فرق تھا۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ نے اس پر نرمی اور حسن اخلاق سے قابو پایا تھا اور عبدالملک نے قوت سے کام لیا کیونکہ اس نے مرکز فتنہ میں حجاج بن یوسف کو مقرر کیا جو ظلم و جبر سے کام لینے والوں کا امام تھا جو جبراً و قہراً لوگوں کو کسی بات کے ماننے کے لئے مجبور کیا کرتے ہیں اور اس چیز کا اثر بہت کم باقی رہتا ہے اسی بنا پر اس کی مخالفت میں عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کندی کی قیادت میں بڑا فتنہ اٹھا اور اگر شام کے اندر دین متواتر نہ پہونچتا رہتا جنھوں نے بڑی شدت کے بعد ابن اشعث کے فتنہ کا خاتمہ کیا تو بنی امیہ کی حکومت ختم ہوگئی ہوتی۔ اسی طرح حجاج کو خوارج سے سخت دن دیکھنے پڑے اور اگر مہلب بن ابی صفرہ کی ہمت نہ ہوتی اور خوارج آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کی مصیبت میں نہ پھنس جاتے تو معاملہ بہت سخت ہوگیا ہوتا۔ بہرحال ان سختیوں کا خاتمہ ہوگیا اور ولید بن عبدالملک کا زمانہ آگیا جو بنی امیہ کے زمانوں میں شیریں اور پربہار زمانہ تھا جس میں تمام فتنے دب گئے۔ اور مشرق و مغرب میں بڑی فتوحات ہوئیں، لیکن یہ سکون عارضی تھا

جیسے وہ سکون جس کے بعد سخت ہوائیں چلیں، ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان تخت پر بیٹھا جس نے حکومت کے بڑے بڑے جنرلوں کو جن کا مشرق و مغرب میں سلطنت کو وسعت دینے میں بڑا ہاتھ تھا جیسے قتیبہ بن مسلم محمد بن قاسم بن محمد اور موسیٰ بن نصیر کو بیدخل کر دیا کیونکہ پہلے دونوں کا حجاج بن یوسف سے ربط تھا جس سے ولید ناراض تھا اور رذیل خواہشات کی بنا پر موسیٰ بن نصیر سے بھی وہ خوش نہ تھا اور یہ مخفی نہیں کہ اس طرز عمل سے ان کے قبیلہ کے لوگ اور ان سے تعلق رکھنے والوں کے دل میں کس قدر فساد پیدا ہوا ہوگا، اس کے بعد خلافت مرد صالح حضرت عمر بن عبد العزیز کو ملی جنھوں نے لوگوں میں عدل و مساوات کو پھیلانا چاہا اور اپنے اسلاف پر طعن کیا اور جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو "ظلم" قرار دیکر ان سے واپس لیا اور بیت المال میں داخل کرایا اور خلافت کے بارے میں ان کی رائے خوارج کے مطابق تھی کہ اس کو بنی امیہ سے نکالنا چاہتے تھے اور یہ کہ اس کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کریں جو علم اور دین کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہو لیکن ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ موت نے جلدی سے انھیں آدبوچا اور ان کی نرمی اور لوگوں سے چشم پوشی کا نتیجہ ہی تھا کہ ان کے زمانہ میں دوسری صدی کے شروع میں بنی عباس کی حکومت قائم کرنے کی دعوت خفیہ طریقہ پر قائم ہوگئی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے بعد یزید بن عبد الملک پھر ان کے بھائی ہشام کی حکومت قائم ہوئی اور ان کے زمانہ میں فتنہ علویہ شروع ہوا جس کی قیادت زید بن علی بن الحسین نے کی اور خلافت کا مطالبہ کیا لیکن اس کو کوئی اہمیت نہ پیدا ہو سکی اور وہ بے نیل مرام شہید کر دئے گئے پھر ان کے بعد ان کے لڑکے یحییٰ بن زید کی شہادت واقع ہوئی اور ہشام کے زمانہ میں ہی دعوت عباسیہ پروان چڑھی جس کا نتیجہ دولت امویہ کے خاتمہ کی صورت میں نمودار ہوا یہ تھی اس زمانہ میں عالم اسلامی کی مختصر صورت حال۔

اس دور کی خصوصیات: جیسا کہ ہم نے سیاسی پس منظر میں بیان کیا اس زمانہ میں مسلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اور ہر ایک فریق جن کا ہم نے ذکر کیا یعنے شیعہ و خوارج کا ایک ایک خاص میلان طبع تھا شیعان علیؓ کا میلان حضرت علیؓ، ان کے اہل بیت اور ان کی جماعت والوں کی طرف تھا اور وہ ان کے دشمنوں پر اور ان سے جنگ کرنے والوں پر لعنت بھیجتے تھے بلکہ بسا اوقات ایک دوسرے کو کافر بتلاتے اور ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں ان کے اقوال و آراء کی کوئی قیمت نہ تھی اور خوارج کا میلان حضرات ابی بکرؓ و عمرؓ اور ان کے متبعین کی طرف تھا اور حضرات عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ سے اور ان کے محبوں

سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے اور اسی لئے ان میں سے کسی کی رائے کو جن سے وہ بیزاری کا اظہار کرتے تھے قابل حجت نہیں مانتے تھے۔ اور حضرت معاویہ رضؓ کے طرفدار یا جمہور اسلام ان دونوں فرقوں سے نفرت کرتے تھے اور ان کے نزدیک ان کا کوئی وزن نہ تھا اسی لئے مسائل کے اجتہاد میں اس اختلاف کو بڑا دخل تھا۔

(۲) علمار اسلام اسلامی شہروں میں پھیل گئے کیونکہ صحابہ کرام رضؓ مدینہ منورہ سے دوسرے شہروں میں سکونت کے لئے منتقل ہو گئے جن میں سے بعض معلم تھے بعض قاری حتیٰ کہ یہ نئے شہر ان کا وطن بن گئے اور ان سے بڑے بڑے تابعین کی جماعت پیدا ہوئی جو فتویٰ میں ان کے ساتھ شریک ہوئی اور اس منصب میں ان کی شرکت کے فوائد کا صحابہ کرام نے اعتراف کیا اور ان کے مرتبوں کو جس کو انھوں نے علمی اشغال اور اجتہاد سے حاصل کیا بہت بڑھایا اور اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا وجود نہ ہوتا اور تمام مسلمانوں میں اس کی حرمت مسلم نہ ہوتی اور مکہ مکرمہ مقدس مقام نہ ہوتا جہاں دنیا کے مختلف العقیدہ و مختلف الخیال مسلمان جمع ہوتے تھے تو ان شہروں کے علمار کے درمیان اتصال علمی قائم نہ رہتا۔

(۳) روایت حدیث کی اشاعت میں جو امر مانع تھا وہ زائل ہو چکا تھا اور خلفار راشدین کے بعد جو صحابہ باقی رہ گئے تھے ان کے پاس عالم اسلام سے لوگ سفر کر کے فتوے اور علم حاصل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے اور وسعت تمدن کی وجہ سے لوگوں کی نئی نئی ضرورتیں پیدا ہونے لگی تھیں جس کی بنار پر احکام میں بحث کرنے پر مجبور ہو گئے اور صحابہ اور جلیل القدر تابعین کے علاوہ جو فتاویٰ میں صحابہ کے شریک تھے کوئی ٹھکانہ نہ رہا تھا۔ لہذا وہ ان احادیث سے فتویٰ دیا کرتے تھے جو ان کو حفظ تھیں جن میں سے بعض تو خود انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور بعض بزرگ صحابہ سے سنی تھیں اور اس زمانہ میں اصحاب فتویٰ کے پاس احادیث کی ایک بڑی تعداد تھی جو ان سے روایت کی جاتی تھی اور یہ تعداد بعض کے پاس ہزاروں سے زیادہ تھی مثلاً مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی احادیث (۳۱۳) صفحات میں ہیں اور حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ سے مروی احادیث (۱۵۶) صفحات میں درج ہیں اور تقریباً اتنی ہی ان چھوٹے صحابہ سے مروی احادیث ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھے حالانکہ حضرت ابی بکر رضؓ سے مروی احادیث (۱۳) صفحات میں لکھی ہوئی ہیں اور حضرت عمر رضؓ سے مروی احادیث باوجودیکہ وہ دور اول کے مفتیوں کے امام ہیں۔ (۴۱) صفحات میں ہیں اور حضرت علی رضؓ سے مروی احادیث حالانکہ وہ بھی فتویٰ میں

انہی کے برابر ہیں (۸۵) صفحات میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور یہ جملہ احادیث نہ تو کسی ایک شہر میں موجود تھیں اور نہ کسی ایک کتاب میں کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے فتویٰ دینے والے حضرات شہروں میں متفرق تھے۔ تو ہر شہر والے نے ان ہی سے روایت کی جو ان کے پاس اترے تھے اس لئے جس شہر میں جو روایتیں تھیں وہ دوسرے شہر میں نہ تھیں مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ مکہ معظمہ میں تھے اور فسطاط میں حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرو بن العاص مقیم تھے اور بصرہ میں حضرت انس رضؓ بن مالک کا قیام تھا اور کوفہ میں حضرت ابوموسیٰ رضؓ اشعری اور حضرت علی رضؓ بن ابی طالب کے شاگرد اور ابن مسعود رضؓ تھے یہ تمام انہی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ دیتے تھے جو ان کے پاس تھیں اور یہاں بیت اللہ شریف کے تعلقات زیادہ واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں اس ظہور کے مقابلہ میں جو گزشتہ سنت میں بیان کئے گئے تھے اور ان تینوں خصوصیات۔ یعنی سیاسی تفریق مادی تفریق اور کثرت روایت حدیث ہر شہر کے محدثین کی خصوصیت کے ساتھ فتویٰ میں اختلافات کثیر پیدا کر دئے ان میں سے ہر ایک خصوصیت اختلاف پیدا کرنے میں عامل قوی ہے شیعہ کے پاس الگ فتاویٰ ہیں خوارج کے پاس الگ اور جمہور امت کے الگ، اور یہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جھوٹ کا داخل ہونا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے حضرات ابوبکر و عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو خوف تھا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں اپنی سند سے حضرت طاؤس رح روایت کی ہے کہ یہ "یعنی بشیر بن کعب" حضرت ابن عباس رضؓ کے پاس آئے اور ان سے حدیث بیان کرنے لگے تو حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ فلاں حدیث دوبارہ سناؤ تو انھوں نے وہ حدیث ان کو دوبارہ سنائی، پھر اور احادیث ان کو سنائیں تو فرمایا کہ فلاں فلاں احادیث دوبارہ پڑھو انھوں نے وہ احادیث ان کو دوبارہ سنائیں، اس کے بعد بشیر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے سب احادیث کو بجز ان احادیث کے قبول فرمایا یا سب احادیث کو قبول نہ کر کے صرف ان احادیث کو قبول فرمایا (جن کو آپ نے دوبارہ سنا) تو حضرت ابن عباس رضؓ نے ان سے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کیا کرتے تھے جب تک کہ آپ پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا لیکن جب لوگ سرکش و مطیع اونٹ پر چڑھنے لگے (یعنی جھوٹی سچی حدیثوں میں فرق

نہ کرنے لگے) تو ہم نے آپ سے حدیث کی روایت کرنا چھوڑ دیا۔

اور مجاہد سے روایت کی ہے کہ بشیر عدوی حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئے اور حدیث بیان کرنے لگے اور کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو حضرت ابن عباسؓ نہ ان کی احادیث کو سنتے تھے نہ ان کی طرف دیکھتے تھے تو انھوں نے کہا ابن عباس یہ کیا بات ہے کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ میری بیان کردہ احادیث کو نہیں سن رہے میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کر رہا ہوں اور آپ سنتے نہیں ہیں تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک مدت گزری جبکہ ہم کسی شخص کے متعلق سنتے تھے کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو ہماری آنکھیں اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور اس کی بات سننے کے لئے ہم اپنے کان لگا دیا کرتے تھے لیکن جب لوگ ہر سرکش و مطیع سواری پر چڑھنے لگے تو ہم لوگوں سے بجز ان احادیث کے جن کو ہم پہچانتے ہیں اور احادیث نہ لینے لگے۔

اور حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس کو خط لکھا جس میں ان سے درخواست کی کہ میرے لئے ایک کتاب لکھیں اور جو امور مناسب نہ ہوں اس کو نہ لکھیں تو آپ نے فرمایا کہ لڑکا خیر خواہ ہے میں چند امور چن کر اس کو لکھدوں گا اور جو باتیں مناسب نہ ہوں گی ان کو چھپالوں گا پھر آپ نے حضرت علیؓ کے فیصلے منگوائے اور اس میں سے کچھ فیصلے لکھے گئے اور کسی فیصلہ کو پڑھ کر یہ فرماتے کہ خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ ہرگز نہ کیا ہوگا مگر یہ کہ وہ گمراہ ہو گئے ہوں۔

اور طاؤس سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے تھے تو آپ نے سب کو مٹا دیا مگر اس کے برابر باقی رکھا (سفیان بن عیینہ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا)

اور حضرت ابو اسحاق سے روایت کی گئی ہے کہ جب حضرت علیؓ کے بعد لوگوں نے ان چیزوں کو پیدا کر دیا تو اصحاب علیؓ میں سے ایک شخص نے کہا اللہ ان کو قتل کرے انھوں نے کیسے علم کو خراب کر دیا۔

اور حضرت ابو بکر بن عیاش سے روایت ہے کہ میں نے مغیرہؓ سے سنا کہ حضرت علیؓ کی احادیث بجز اصحاب عبداللہ بن مسعود کے اور کسی سے قبول نہ کی جاتی تھیں۔

اور حضرت ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ پہلے احادیث کی اسناد کے متعلق کوئی سوال

ذکر نا تھا لیکن جب فتنہ پیدا ہو گیا تو لوگوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ اپنے راویوں کی سند بتاؤ تو دیکھا جاتا تھا کہ اگر وہ اہل سنت ہیں تو ان سے احادیث قبول کی جاتی تھیں اور اگر وہ اہل بدعت ہیں تو ان سے حدیث قبول نہیں کی جاتی تھی۔

ابو الزناد اور عبد اللہ بن ذکوان سے روایت ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں سو آدمی ایسے پائے جو بھلے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی احادیث قبول نہ کی جاتی تھیں کہا جاتا تھا کہ یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔

اور شعبی سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے مجھ سے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹا تھا۔

اور حضرت جریر سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں جابر بن یزید جعفی سے ملا لیکن میرے دل میں اس کی وقعت نہ تھی کیونکہ وہ رجعت کا قائل تھا اور زبیر سے روایت ہے کہ میں نے جابر سے سنا کہ وہ کہتا تھا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں جن میں سے میں نے کوئی بیان نہیں کی پھر ایک دن ایک حدیث بیان کی اور کہا یہ اس پچاس ہزار میں سے ہے۔ اور حضرت سفیان سے روایت ہے کہ میں نے جابر سے تقریباً تیس ہزار حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک بھی بیان نہیں کرنا چاہتا خواہ مجھے کتنا ہی انعام ملے۔ اور حضرت ہمام سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ابو داؤد اعمی (اندھا) آیا اور کہنے لگا کہ ہم کو براء نے یہ حدیث سنائی اور زید بن ارقم نے یہ تو ہم نے اس کا ذکر حضرت قتادہ سے کیا تو فرمایا جھوٹا ہے اس نے ان سے کچھ نہیں سنا طاعون کی عام تباہی کے زمانہ میں تو یہ لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔

اور ابو جعفر مدنی ہاشمی کے متعلق روایت ہے کہ وہ حکماء کے کلام کو احادیث کہا کرتے تھے حالانکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کرتے تھے اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں اور اسی سے وہ اسباب ظاہر ہو گئے جو ان جھوٹے لوگوں کو اس بات کی طرف مائل کرتے تھے جن کی بناء پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں روایت کریں جو آپ نے نہیں فرمائیں' امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"جھوٹے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جھوٹ ہے اور وہ بھی کئی قسم ہیں (۱) ایک تو وہ جو ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن کو اصلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اور یہ لوگ زندیق اور ان کے مثل لوگ ہیں جن کے نزدیک دین کا

کوئی وقار نہیں اور وہ اپنی بڑائی اور دین کے تحقیر کی غرض سے یہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔

(۲) اور یا جاہل عبادت گزار جنھوں نے اپنے خیال سے دین اور ثواب کا خیال کر کے فضیلتوں اور رغبتوں کی احادیث وضع کیں۔

(۳) یا فاسق محدثین جنھوں نے ریا کاری اور نادر باتوں کے بیان کرنے کے خیال سے احادیث وضع کیں۔

(۴) بدعتیوں کے مبلغین اور مذاہب کے متعصبین نے تعصب اور اپنے مذہب کی دلیلوں کو قائم کرنے کے لئے احادیث وضع کیں۔

(۵) دنیاداروں کی ان خواہشات کی تکمیل کے لئے جو وہ چاہیں یا جو غلط کام وہ کر رہے ہیں اس میں ان کی معافی کا پہلو نکالنے کے لئے بعض لوگوں نے احادیث وضع کیں۔

اور ان طبقات میں سے ہر طبقہ کی ایک جماعت اہل فن اور روایات حدیث کا علم رکھنے والوں کے پاس متعین ہے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو نفس حدیث کو تو وضع نہیں کرتے تھے لیکن اکثر ضعیف متن والی حدیث کو مشہور اور صحیح سندوں سے بیان کرتے تھے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو سندوں کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں یا اس میں زیادتی کرتے ہیں اور یہ ارادہ یا تو ندرت پیدا کرنے کی غرض سے ہوتا ہے یا اپنے کو جہالت کے الزام سے بچانے کی غرض سے۔

اور ان میں سے بعض اس طرح جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ ایسے شخص سے سننے کا دعویٰ کرتے ہیں جس سے انھوں نے نہیں سنا اور ایسے شخص سے ملنے کا دعویٰ کرتے ہیں جس سے وہ نہیں ملے اور صحیح احادیث کی ان سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض لوگ تو صحابہ کرام وغیرہ اور اہل عرب کی حکمت کی باتوں اور حکماء کے کلام کو بیان کرتے ہیں اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس قسم کے بہت سے لوگ اس دور میں پائے گئے اور کیا گمان ہوگا جابر جعفی جیسے شخص کے متعلق جس کا دعویٰ تھا کہ اس کے پاس پچاس ہزار حدیثیں اور بعض روایات میں ستر ہزار حدیثیں تھیں جن کو وہ محمد باقر بن حسین بن علی سے روایت کرتا تھا۔ ابن عباس کو اس کی خبر اس حال میں پہونچی جبکہ اسلام ابھی تازہ تھا تو آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا ذکر ہم نے اوپر کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ سیاسی اختلاف اور مذاہب کے تعصب نے اکثر ان لوگوں کے لئے جو اپنے

مذہب کے بارہ میں غلو کیا کرتے تھے اس بات کو جائز کر دیا تھا کہ اپنے جذبات کی تائید کے لئے ایسی جھوٹی احادیث بنادیں جس کی روایت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کریں اور وہاں شیعہ اور خوارج اور جمہور مسلمان تھے اور ان میں سے ہر فرقہ میں خبیث لوگ موجود تھے البتہ ان فرقوں میں سے خوارج میں جھوٹے کم تھے کیونکہ ان کے اصول میں یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا تھا تو یہ بہت مشکل تھا کہ ان میں سے کوئی اس کی جسارت کر سکے۔

اور اس مشکل نے آنے والے زمانہ میں اہل حدیث کی مہم کو بہت مشکل بنا دیا تھا اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے سنت کو ملاوٹ سے پاک و صاف کرنے کے لئے کیا کیا اور ان بارہ میں ان کو کس قدر کامیابی ہوئی۔

(۵) غیر عرب تعلیم یافتہ مسلمان کا بڑی تعداد میں ظاہر ہونا کیونکہ اہل فارس و روم و مصر کی کثیر تعداد اسلام میں داخل ہو چکی تھی اور وہ موالی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کیونکہ جو شخص کسی آدمی کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا اس کو اس کا مولیٰ کہا جاتا تھا جن میں سے بعض تو غلام رہ چکے تھے اور بعض غلامی کے اطلاق سے پہلے مسلمان ہو جاتے تھے۔ اور مسلمانوں نے بہت سے لڑکوں کو بھی حاصل کر لیا تھا جن کو تربیت دی اور اپنے زیر اثر رکھکر قرآن مجید و حدیث کی تعلیم دی چنانچہ انھوں نے حفظ کیا اور سمجھا اور لکھنے پڑھنے اور اس عقل و فہم سے انھوں نے مدد لی جو ان کو حاصل تھی اور جمہور اسلام عرب نے جنسیت شدیدہ کی عصبیت کے باوجود اس وقت ان کا احترام کیا اور ان کے فتاویٰ اور ان سے احادیث کی روایت کو تسلیم کیا اور یہ لوگ تمام اسلامی شہروں میں پائے جاتے تھے اور علم و تعلیم میں صحابہ اور جلیل القدر تابعین کے ساتھ شریک تھے چنانچہ بہت کم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ان کے مولیٰ عکرمہ کے بغیر بیان کی جاتی تھی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بہت کم بغیر ان کے مولیٰ نافع کے بیان ہوتی تھی اور عموماً حضرت انسؓ بن مالک کے ساتھ ان کے مولیٰ محمد بن سیرین کا ذکر کیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج کا ذکر اکثر کیا جاتا تھا جو ان کے راوی تھے۔ اور یہی چار حضرات جملہ صحابہ میں حدیث و فتویٰ کے بیان کرنے میں پیش پیش تھے اور ان کے چاروں موالی کا اس میں بڑا حصہ ہے۔ اور یہ سمجھنا غلطی ہے کہ فقہ در روایت حدیث میں اعراب سب سے کم درجہ کے تھے اور یہ کہ وہ صرف ان کے شریک تھے حالانکہ کوئی شہر ایسا نہ تھا کہ جس میں دونوں فریق کی کافی تعداد نہ ہو البتہ بعض شہروں میں موالی

کو خصوصی امتیاز حاصل تھا جیسے کہ بصرہ میں کہ ان کے رئیس حسن بن ابی الحسن بصری تھے لیکن بعض میں فقہاء عرب کو بھی امتیاز حاصل تھا جیسے کہ کوفہ۔

(۶) رائے اور حدیث کے درمیان نزاع کا پیدا ہونا اور دونوں کے اصول کے حامیوں کا پیدا ہونا۔ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ عصر اول میں جلیل القدر صحابہ اپنے فتووں میں اول کتاب اللہ پھر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند لیا کرتے تھے اور اگر وہ اس میں عاجز ہو جاتے تو پھر رائے سے فتویٰ دیتے تھے اور یہی دراصل قیاس ہے اس کی وسیع معانی کے لحاظ سے اور وہ رائے کے اختیار کرنے میں بہت زیادہ توسع اختیار نہ کرتے تھے اسی لئے ان سے رائے کی مذمت منقول ہے اور ہم نے گزشتہ اوراق میں بیان کر دیا ہے کہ جس رائے پر عمل کیا جائے وہ کیا ہے اور جس کی مذمت آئی ہے وہ کیا ہے اور جب یہ پچھلے لوگ آئے تو انھوں نے ان اگلے لوگوں کو دیکھا کہ بعض تو حدیث ہی پر فتویٰ دیتے ہیں اور اس سے بڑھنا نہیں چاہتے کہ ہر مسئلہ میں وہ ان احادیث سے تجاوز کریں جو ان کے پاس ہیں اور وہاں ایسے تعلقات نہ تھے کہ بعض مسائل کو بعض سے مربوط کر دیں اور دوسرے فریق کو انھوں نے دیکھا کہ اس کی رائے ہے کہ شریعت عقلی معنیٰ کے لحاظ سے ہے جس کے کچھ اصول ہیں جن کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے تو وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے میں جہاں تک ممکن ہوتا ان پہلوں کی مخالفت نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ شریعت کے معقول ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی بنا ان مضبوط قواعد پر ہے جو کتاب و سنت سے سمجھے گئے ہیں۔ اسی لئے وہ اپنی رائے سے فتویٰ دینے میں جبکہ ان کو کوئی نص نہ ملتی تو فریق اول کے مثل ڈرتے نہ تھے اس کے علاوہ یہ لوگ ان علتوں اور غایات کے پہچاننے کی تلاش میں رہتے تھے جس کے لئے احکام مقرر کئے گئے ہیں اور بعض اوقات انھوں نے اصول شریعت کے مخالفت کی بنا پر بعض احادیث کو بھی رد کر دیا خصوصاً جبکہ دوسری احادیث بھی اس کے خلاف مل گئیں اور اس مبدأ کا اکثر ظہور اہل عراق میں ہوا۔ چنانچہ ربیعہ بن فروخ نے حضرت سعید بن المسیب سے جو تابعین میں اہل مدینہ کے فقہاء کے شیخ تھے عورت کے انگلیوں کی دیت دریافت کی کہ ایک انگلی کی دیت کیا ہے تو کہا دس اونٹ کہا دو انگلی کی تو کہا بیس کہا تین انگلی کی تو کہا تیس پھر پوچھا کہ چار کی تو فرمایا بیس تو کہا کہ جب اس کا زخم زیادہ ہو گیا تو دیت کم ہو گئی تو ان سے حضرت سعیدؓ نے دریافت کیا کہ کیا تم عراقی تو نہیں ہو۔ سنت یہی ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعیدؓ فرماتے تھے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہوتی ہے تو ظاہر کے مطابق

حکم جاری کیا گیا اگرچہ اس کا نتیجہ عقل کے خلاف نکلے کیونکہ شریعت میں عقل کا کوئی دخل نہیں تو عورت کی تین انگلیوں کی دیت ایک تہائی دیت سے کم ہوگی اسی لئے اس کی تین انگلیوں کی دیت تیس اونٹ ہوئی لیکن چار انگلیوں کی دیت ایک تہائی سے زیادہ ہے لہذا اس کی دیت مرد کی دیت کے نصف کے برابر ہوگی یعنے بیس اونٹ اور اس نتیجہ کی وجہ ربیعہ کی سمجھ میں نہیں آئی اس لئے انھوں نے حضرت سعیدؓ سے دریافت کیا اور حضرت سعیدؒ کو یہ سوال پسند نہ آیا اور ان کے سوال سے یہ نتیجہ نکالا کہ ربیعہ ان لوگوں میں سے ہے جو نص کے ہوتے ہوئے رائے کو شریعت میں داخل کرتے ہیں جیسا کہ اہل عراق کے متعلق مشہور ہے اسی لئے انھوں نے دریافت کیا کہ کیا تم عراقی ہو اور عراقی اس مسئلہ میں اس طرح کہتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے نصف کے برابر ہے ہاتھ پاؤں میں جیسا کہ جان میں اور اس نتیجہ کو چھوڑ دیتے ہیں جس کو عقل محال سمجھتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت سعیدؓ کے قول میں سنت سے مراد حضرت زیدؓ ابن ثابت کی سنت ہے کیونکہ وہی یہ فتوے دیا کرتے تھے۔

اس سے اہل حدیث و اہل رائے کا فرق معلوم ہوگیا کہ اول یعنے اہل حدیث احکام کے ظاہر پر اس کی علتوں میں بحث کئے بغیر عمل کرتے تھے اور بہت کم رائے سے فتوی دیا کرتے تھے۔ اور دوسرے (اہل رائے) احکام کی علتوں اور بعض مسائل کے بعض مسائل سے ربط سے بحث کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس کوئی سند نہ ملتی تو رائے سے حکم دینے سے گریز نہیں کرتے تھے اور اکثر حجازی اہل حدیث تھے اور اکثر اہل عراق اہل الرائے تھے اسی لئے حضرت سعیدؒ بن المسیب نے ربیعہ سے جب کہ انھوں نے اعتراض کیا تو فرمایا کہ کیا تم عراقی ہو۔

اور فقہاء عراق میں جو قیاس اور رائے میں مشہور ہوئے وہ ابراہیم بن یزید نخعی کوفی فقیہ عراق تھے اور وہ حماد بن ابی سلیمان کے شیخ تھے جو امام ابوحنیفہؒ کے شیخ تھے جو اہل عراق کے فقیہوں میں مقدم ہیں اور حضرت ابراہیمؒ نے فقہ اپنے ماموں علقمہ بن قیس نخعی کوفی سے سیکھی جو طبقۂ اولیٰ کے تابعین میں فقہاء کے مقدم ہیں اور حضرت ابن مسعود کے منتخب اصحاب میں سے تھے اور حضرت ابراہیمؒ عامر بن شراحیل شعبی کے معاصر تھے جو کوفہ کے محدث اور وہاں کے عالم تھے اور ان دونوں میں بعد المشرقین تھا کیونکہ حضرت شعبیؒ صاحب حدیث واثر تھے اگر ان کے پاس کوئی فتویٰ پیش ہوتا اور وہ اس میں کوئی نص نہ پاتے تو فتویٰ دینے سے رک جاتے اور اپنی رائے پیش کرنے یا کسی دوسرے کی رائے لینے کو برا سمجھتے تھے۔

چنانچہ حضرت شعبیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر احنف (عرب کے ایک مشہور عقلمند و حکیم سردار کا نام ہے)

قتل کر دیے جائیں اور اس کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی قتل ہو جائے تو کیا دونوں کی دیت یکساں ہوگی یا احنف کی دیت اس کی عقل و علم کی بنا پر زیادہ ہوگی تو لوگوں نے کہا کہ برابر ہوگی تو فرمایا کہ پھر قیاس کچھ نہیں کیونکہ دونوں آدمیوں میں از روئے عقل و قیاس ضرور فرق ہونا چاہیئے گویا حضرت شعبیؒ اور اصحاب حدیث وائر میں جو ان کے مسلک پر ہیں نص کے پاس ٹھہر جاتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے اور جس معاملہ میں موجود ہو اور جس میں نہ ہو اس میں اپنی رائے سے کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ عقل کو اس میں حکم کا کوئی اختیار نہیں اور نہ وہاں مصلحتیں منضبط ہیں جن کو شارع نے اپنی تشریع میں معتبر قرار دیا ہو اور جن کی طرف فتویٰ کے وقت رجوع کریں گویا احکام شرعیہ میں کوئی شیرازہ بندی آپس میں نہیں ہے اسی لئے حضرت سعید بن المسیب شیخ فقہاء اہل حدیث کو ربیعہ کے سوال سے بہت رنج ہوا جبکہ ربیعہ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں عقلی سوال کر دیا۔ اور چونکہ ربیعہ شریعت کی علتوں میں زیادہ بحث کیا کرتے تھے اس لئے اہل مدینہ نے ان کو "ربیعۃ الرائے" کا لقب دیدیا تھا۔ حتیٰ کہ جب عبداللہ بن سوار قاضی نے یہ کہا کہ میں نے ربیعۃ الرائے" سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا تو ان سے پوچھا گیا کہ نہ حسن نہ ابن سیرین تو فرمایا کہ نہ حسن نہ ابن سیرین۔ لیکن ابراہیم نخعی اور جو فقہاء عراق ان کے طریقہ پر تھے بلکہ بعض فقہاء اہل مدینہ بھی اگرچہ اپنے فتووں میں کتاب اور سنت کی سند لیتے تھے لیکن انھوں نے یہ سمجھا کہ اس شریعت کے لئے کچھ مصلحتوں کا ہونا ضروری ہے جن کا حاصل کرنا مقصود ہے جس کے لئے شریعت بنائی گئی ہے اور ان کے لئے ان مصلحتوں کا اعتبار کرنا درست بھی رہا۔ تو انھوں نے ان مصلحتوں کو ان امور میں جن میں کتاب و سنت نہ ملے اجتہاد کی بنیاد قرار دیا اور ان کے پاس ان کی اس دلیل میں سلف صالح کا عمل موجود تھا کیونکہ صحابہ کرام نے بہت سے مسائل میں جو ان کو پیش آئے قیاس کیا تھا جبکہ ان کو کتاب و سنت میں ان مسائل کی دلیل نہیں ملی اور ان کی رائیں انہی مصلحتوں کے اعتبار کا نتیجہ تھا۔

اہل حدیث، اہل الرائے پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنے قیاسات کی بنا پر بعض احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ خطا ہے اور ہم ان میں کسی کو بھی ایسا نہیں پاتے ہیں جس نے قیاس کو اس سنت پر مقدم کیا ہو جو ان کے پاس ثابت ہو چکی ہو ہاں اگر کسی خاص واقعہ میں ان کو کوئی روایت نہیں ملی یا روایت تو ملی لیکن اس کی سند پر اطمینان نہ ہوا تو پھر اس نے رائے سے فتویٰ دیدیا جس میں بعض اوقات فتویٰ سنت کے خلاف ہوگیا جو یا تو معلوم نہ تھی یا معلوم تو تھی لیکن اس کی روایت پر

اس نے بھروسہ نہیں کیا یا اس کی نظر میں اس سے قوی حدیث اس کے معارض تھی جیسے کہ حضرت سفیان ابن عیینہ نے روایت کی ہے کہ حضرات ابوحنیفہؒ اور اوزاعیؒ مکہ معظمہ میں دارالحناطین میں جمع ہوئے تو اوزاعیؒ نے ابوحنیفہؒ سے کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تو ابوحنیفہؒ نے کہا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو کہا یہ کیسے مجھ سے تو زہریؒ نے سالمؒ سے روایت کی ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھایا کرتے تھے جبکہ نماز شروع کرتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت تو حضرت ابوحنیفہؒ نے کہا ہم سے حمادؒ نے حضرت ابراہیمؒ سے بیان کیا اور وہ حضرات علقمہؒ واسودؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے مگر نماز شروع کرتے وقت اور پھر کبھی اس کا اعادہ نہیں کرتے تھے تو اوزاعیؒ نے فرمایا کہ میں آپ سے زہری کی روایت بیان کرتا ہوں جو سالم سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے اور آپ اس کے مقابلہ میں یہ فرماتے ہیں کہ حمادؒ نے حضرت ابراہیمؒ سے روایت کی ہے۔ تو ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ حضرت حمادؒ زہریؒ سے زیادہ فقیہ تھے اور حضرت ابراہیمؒ سالمؒ سے فقہ میں بڑھکر تھے اور حضرت علقمہؒ حضرت ابن عمرؓ سے کم نہ تھے اگرچہ حضرت ابن عمرؓ صحابی تھے یا ان کو صحبت کی فضیلت حاصل تھی اور حضرت اسودؒ کی بڑی فضیلت ہے اور عبداللہؓ ابن مسعود تو عبداللہؓ بن مسعود ہی ہیں جس پر اوزاعی خاموش ہو گئے۔

اور یہ مکالمہ ان کے الفاظ پر بحث کئے بغیر اس بات کی دلیل ہے کہ ہر فریق کے پاس کیا دلائل تھے اور نیز اس بات کی دلیل ہے کہ سب حد سنت پر قائم رہتے تھے جبکہ اس کی روایت پر ان کو اعتماد ہوتا تھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ مصراۃ کے ڈنڈ کا ہے اہل رائے کا فتویٰ تھا کہ خریدنے والا اس کو بھی واپس کرے اور اس کا جو دودھ دوہا ہے اس کی قیمت بھی واپس کرے اور اہل حدیث کا فتویٰ تھا کہ اس بکری کو واپس کردے اور ایک صاع کھجور دیدے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت ابوہریرہؓ نے اس بارے میں روایت کی ہے اور مصراۃ اس بکری کو کہتے ہیں جس کے تھنوں کو باندھ کر ان میں دودھ اس غرض سے جمع رہنے دیا جائے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ وہ بہت دودھ دینے والی بکری ہے۔ اس مسئلہ میں اہل الرائے کہتے ہیں کہ شریعت میں تلف شدہ چیزوں کے تاوان کا قانون یہ ہے کہ اگر اس کے مثل اور مل سکتے ہوں تو اس کا مثل

اور اگر مثل والی چیزوں سے نہ ہو تو اس کی قیمت واپس کی جائے اور یہ حدیث اس چیز میں جس کا نہ مثل ہو نہ اس کی کوئی قیمت ہو تلف شدہ چیز کا تاوان بتاتی ہے اور یہ حدیث اگر ان کو پہونچی ہو تو شک پیدا کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حدیث ان کو نہیں پہونچی اس لئے کہ ہم نے ان کو اکثر الیسا دیکھا ہے کہ ان کو اکثر ایسی احادیث میں جو قوانین عامہ کے مخالف تھیں تو انھوں نے اس پر عمل کیا اور اس کا نام استحسان رکھا۔

بہر حال یہ زمانہ جمہور اسلام میں اہل حدیث واہل الرائے کے مفتیوں کی تقسیم کا تھا مگر وہاں قواعد منضبط نہ تھے جو مجتہدین کے لئے واضح ہوتے کیونکہ فقہ نے اس وقت تک تدوین وترتیب کے لائق درجہ نہیں پایا تھا۔

اس زمانہ میں اجتہاد

کتاب وسنت

جہاں تک کتاب کا تعلق ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خلفاء راشدین کے طریقہ عمل سے اس کی حفاظت فرمادی جس کی وضاحت ہم پہلے کرچکے ہیں لہذا جس طرح وہ مصاحف حضرت عثمان رض میں لکھا گیا اسی طرح پڑھا جاتا تھا اور ان مصاحف سے بہت سے مصحفوں میں اس کو نقل کیا گیا اور اور بکثرت صحابہ کرام وتابعین عظام اس کے حفظ اور اس کے پڑھانے میں مشہور ہوگئے جن کی کثرت تمام شہروں میں لاتعداد ہوگئی حتی کہ ان میں سے جو بعض قاری اس دور کے آخر میں مشہور ہوئے وہ حفاظ قرآن اور اس کے معلمین کی نہر میں ایک قطرہ کے مانند ہیں۔

لیکن جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس زمانہ میں اس کے راویوں کی کثرت اور علماء تابعین کی ایک جماعت کا روایت حدیث کے لئے مخصوص ہونے کے باوجود اس کی تدوین کا کوئی کام نہ ہوا لیکن یہ بات خلاف عقل تھی کہ یہ امر زمانہ طویل تک جاری رہے جبکہ جمہور کے نزدیک سنت کا اعتبار مسلم تھا کہ وہ کتاب کی تفصیل بیان کرنے کی حیثیت سے قانون شریعت کو مکمل کرنے والی ہے اور جمہور میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس رائے کی مخالفت کرتا اور سب سے پہلے اس نقص کا جس نے احساس کیا وہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں امام عادل حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز تھے جنھوں نے مدینہ منورہ میں اپنے عامل ابوبکر بن محمد بن عمرو ابن حزم کو لکھا کہ تم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرو اور ان کو جمع کرو کیونکہ مجھے علم

کے فنا ہونے اور علماء کے ختم ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا ہے اس کو امام مالکؒ نے حضرت محمدؒ بن الحسن کی روایت سے موطا میں روایت کیا ہے اور ابو نعیمؒ نے تاریخ اصبہان میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ انھوں نے ہر چہار طرف لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو تلاش کر کے جمع کرو۔

اور اس دور کے لوگوں میں حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ نے احادیث کے لکھنے اور کھولنے میں امتیاز حاصل کیا جو حفاظ حدیث کے اکابرین سے تھے اور حضرت ابن عباسؓ کی گزشتہ حدیث سے ظاہر ہو چکا ہے کہ شیعان علیؓ کے پاس ایک کتاب موجود تھی جس میں ان کے فیصلے تھے جس کی حضرت ابن عباسؓ نے توثیق نہیں فرمائی اور فرمایا کہ خدا کی قسم علیؓ نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا مگر یہ کہ وہ گمراہ ہوئے ہوں" اور آپ نے اس میں سے اکثر حصہ مٹا دیا اور بجز قلیل کے کچھ باقی نہ رکھا۔

اس زمانہ کے مشہور مفتی

مدینہ کے مفتی

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ | حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے دو سال پہلے نکاح کیا اور جیسا کہ روایت ہے کہ ان کی عمر اس وقت سات سال کی تھی اور مدینہ منورہ میں ان کی رخصتی کردی جبکہ ان کی عمر (۹) سال کی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیویوں میں سے تھی۔ حضرت عطاءؒ ابن ابی رباح نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں اور عام مسائل میں ان کی رائے سب سے بہتر تھی حضرت عروہؒ نے کہا ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے بڑھکر عالم فقہ اور شعر میں کسی کو نہ پایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے بکثرت روایت کی ہے مسند امام احمدؒ بن حنبل میں آپ کی بیان کردہ احادیث صفحہ ۲۹ سے صفحہ (۲۸۲) تک یعنی (۲۵۳) صفحات میں ہیں اور آپ کی روایات میں زیادہ تر اعتماد ان باتوں پر کیا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ مبارک میں انجام دیا کرتے تھے اس کے باوجود فقہ کے ہر پہلو پر آپ کی احادیث موجود ہیں اور فقہاء صحابہ آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے آپ سے اکثر صحابہ و تابعین نے احادیث کی روایت کی ہے۔ اور آپ سے زیادہ روایت کرنے والے آپ کے اہل بیت سے حضرت عروہؒ بن زبیر تھے جو آپ کے بھانجے تھے اور حضرت قاسمؒ ابن محمد تھے جو آپ کے بھتیجے تھے ۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۲) حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ | حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بن خطاب عدوی قرشی نے اپنے باپ کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا جبکہ آپ چھوٹے تھے اور سن بلوغت کو بھی نہ پہونچے تھے اور غزوہ بدر میں چھوٹے تھے اس لئے جنگ میں شریک نہ ہو سکے سب سے پہلی جنگ جس میں آپ نے شرکت کی تھی وہ غزوۂ خندق تھا اور غزوۂ موتہ میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ شرکت کی تھی اور جنگ یرموک اور فتح مصر و افریقہ میں شامل تھے اور حضور اکرم کی سنت کی بیحد اتباع کرنے والے تھے حتی کہ آپ جہاں اترے تھے وہاں اترتے اور جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی وہاں نماز پڑھتے تھے اور حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے تھے تو حضرت ابن عمرؓ اس کو پانی دیا کرتے تھے تاکہ وہ خشک نہ ہو جائے اور حضرت ابن عمرؓ مسلمانوں کے امام اور مشہور مفتیوں سے تھے اور بیحد محتاط تھے اور فتاوی میں اپنے نفس کی خواہشات کے مقابلہ میں اپنے دین کی زیادہ حفاظت کرنے والے تھے باوجودیکہ اہل شام ان کی طرف مائل تھے اور ان سے اہل شام کو محبت بھی انھوں نے خلافت کے لئے جنگ چھوڑ دی اور فتنوں کے زمانہ میں کسی معاملہ میں جنگ نہیں کی اور حضرت علیؓ کی مشکلات کے زمانہ میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شرکت نہیں کی اگرچہ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونے پر ندامت کا اظہار کیا کرتے تھے اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کی طرف دنیا مائل نہ ہوئی ہو اور وہ دنیا کی طرف مائل نہ ہوا ہو بجز حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادہ کے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی بکثرت روایت کی اور جلیل القدر صحابہؓ سے بھی روایت کی اور ان سے اکثر تابعینؒ نے روایت کی ہے جن میں سب سے زیادہ ان سے روایت کرنے والے ان کے صاحبزادے سالم اور ان کے مولیٰ نافع تھے حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ حدیث میں بھی جید تھے اور فقہ میں بھی جید تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد (۶۰) سال زندہ رہے موسم حج وغیرہ میں لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے ۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ | حضرت ابوہریرہؓ کا نام عبدالرحمٰن تھا جو صخر کے صاحبزادے اور قوم دوس سے تھے غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں ہجرت کر کے آئے تھے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے ساتھ رہے آپ سے بکثرت حدیث کی روایت کی ہے اور جلیل القدر صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے اور ان سے اکثر تابعین نے روایت کی ہے جن میں زیادہ روایت کرنے والے ان کے داماد سعیدؒ بن المسیب اور ان کے مولیٰ اعرج اور ان کے علاوہ بکثرت حضرات تھے علم کا مخزن تھے اور بزرگترین

ائمہ فتوی میں سے تھے اور جلیل القدر عبادت گزار اور متواضع تھے اور صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث تھے اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا اے ابوہریرہ تم ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ہم سب سے زیادہ جانتے ہو۔ ۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔

تینوں بزرگوار تمام صحابہ میں مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں حدیث و فتوی کے لحاظ سے زیادہ تھے اور انہی پر اہل مدینہ کے علم کا دارومدار ہے اور انہی سے مدینہ کے بڑے بڑے تابعین نے علم حاصل کیا اور جن میں سے چند مشہور حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۴) حضرت سعیدؒ بن مسیب مخزومی | حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی اور جلیل القدر صحابہؓ سے حدیث کو سنا نہایت وسیع العلم محترم، دیانتدار حق بات کہنے والے اور اپنے نفس کے فقیہ تھے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب مفتیوں میں سے ہیں اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ میں نے سعید بن مسیب سے زیادہ عالم کسی کو نہ پایا اور علی بن مدینی نے فرمایا کہ میں نے تابعین میں حضرت سعیدؒ سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہ پایا وہ تابعین میں میرے نزدیک جلیل القدر لوگوں میں سے ہیں اور وہ سلطان کے انعامات کو قبول نہیں فرماتے تھے اور ان کی اکثر مستند روایتیں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہیں اور حضرت حسن بصریؒ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضرت سعید بن مسیبؒ سے خط کے ذریعہ سوال کرتے۔ ایک قول کے مطابق ۹۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۵) عروہ بن زبیر بن عوام اسدی | آپ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اور اکثر صحابہؓ سے حدیث کی روایت کی اور اپنی خالہ عائشہ صدیقہؓ سے فقہ کا علم حاصل کیا، سیرت کے عالم، حافظ الحدیث اور قابل اعتماد تھے ان سے ان کے صاحبزادہ ہشامؒ نے اور ان کے دوسرے لڑکوں نے روایت کی اور ان سے حضرت زہریؒ، ابوالزناد اور دیگر علماء مدینہ نے بھی روایت کی ہے امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت ابوبکرؒ بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی | آپ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے روایت کی اور ان سے حضرت زہریؒ اور دوسرے چھوٹے تابعین نے روایت کی ہے نہایت ثقہ، صاحب حجت، فقیہ، امام، بہت زیادہ روایت بیان کرنے والے، سخی اور صالح تھے عابد اور نابینا تھے ان کو راہب قریش کہا جاتا تھا ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۷) حضرت علیؒ بن حسین بن ابی طالب ہاشمی | آپ شیعہ امامیہ کے چوتھے امام ہیں زین العابدینؒ کے نام سے

مشہور تھا اپنے والد اور اپنے چچا حضرت حسنؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، زہری نے فرمایا ہے کہ میں نے علی بن حسینؓ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا لیکن وہ احادیث کم بیان کیا کرتے تھے ان کے صاحبزادہ کا بیان ہے کہ میں نے کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہ پایا اور حضرت ابن مسیبؒ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ پرہیزگار کسی کو نہ پایا ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۸) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہم سے حدیثیں لیں اور فقہ و حدیث میں امام ہونے کے علاوہ اچھے شاعر بھی تھے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے اتالیق تھے امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عبیداللہ علم کا ایک دریا تھے ۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۹) حضرت سالمؒ بن عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد اور حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت ابوہریرہؓ و حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہم سے احادیث سنیں ان کے والد کو ان سے بہت محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے۔

یلومونني في سالم والومهم وجلدة بين العين والانف سالم

مجھے سالم کے بارے میں لوگ ملامت کرتے ہیں اور میں ان کو ملامت کرتا ہوں۔ کیونکہ سالم میری آنکھ اور ناک کے درمیان کا چمڑہ ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ زہد و فضل میں گزشتہ صالحین کے مشابہ ان سے زیادہ کوئی نہ تھا اپنے والد کے طریقہ پر چلتے تھے اور بہت سادہ رہتے تھے ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) حضرت ام المومنین میمونہؓ کے مولیٰ سلیمانؒ بن یسار | آپ نے ام المومنینؓ میمونہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ حضرات سے روایت کی حضرت حسنؒ ابن محمدؒ بن الحنفیہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک سعید بن المسیب سے زیادہ سمجھدار تھے اور کہا جاتا ہے کہ سعید بن مسیب کے پاس کوئی شخص فتویٰ طلب کرنے آتا تو وہ کہتے کہ سلیمان بن یسار کے پاس جاؤ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کے عالم تھے ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) حضرت قاسمؒ بن محمد بن ابی بکرؓ | آپ نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت ابن عباس و ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں، آپ کی پھوپھی نے آپ کی تربیت کی، حضرت یحییٰؒ بن سعید کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں ایسا کوئی شخص نہ پایا جس کو قاسمؒ پر فضیلت دیں، اور ابوالزنادؒ نے فرمایا کہ میں نے قاسمؒ سے بڑھکر کوئی فقیہ اور احادیث کا عالم نہ پایا، حضرت ابن عیینہؒ نے فرمایا کہ قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور حضرت ابن سعدؒ نے فرمایا کہ وہ امام فقیہ ثقہ رفیع المرتبت زاہد اور

زیادہ احادیث بیان کرنے والے تھے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے کچھ بھی اختیار ہوتا تو میں تیمی تیم کے ایمش یعنی قاسم کو خلیفہ بناتا سنہ ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمر کے مولیٰ نافع، اپنے مولا حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابی ہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے ان کو مصر روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے باشندوں کو سنت کی تعلیم دیں، حضرت سالم کی زندگی میں وہ فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر کی تیس سال تک خدمت کی دیلمی الاصل تھے سنہ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) حضرت محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شہاب زہریؒ | سنہ ۵۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور حضرات عبداللہ بن عمر و انس بن مالک و سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت لیثؒ ابن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کو حضرت زہریؒ سے زیادہ جامع علوم نہیں پایا اگر ترغیب کی حدیثیں بیان کرتے تو تم کہتے کہ ان سے بہتر کوئی بیان نہیں کرسکتا اور اگر عرب اور انساب کے متعلق بیان کرتے تو تم کہتے کہ ان کے علاوہ کوئی شخص یہ اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا اور اگر قرآن وسنت کے بارے میں کہنے لگتے تو بھی تم اسی طرح کہتے۔ اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ کوئی شخص زہریؒ سے زیادہ گزشتہ حدیثوں کا عالم باقی نہیں رہا۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ ابن شہاب باقی رہ گئے ہیں جن کی نظیر دنیا میں کوئی نہیں اور حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ وہ تمام لوگوں میں سخی تھے اور ہشام بن عبدالملک کے لڑکے کے اتالیق تھے اور اس کے مصاحب تھے ایک مرتبہ ہشام نے ان سے درخواست کی کہ ان کے کسی لڑکے کو کچھ لکھوادیں تو ان کو چار سو حدیثیں لکھوادیں پھر تقریباً ایک ماہ کے بعد اس لڑکے نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ وہ کتاب ضائع ہوگئی تو کاغذ منگواکر اس کو دوبارہ لکھوادیں وہ پہلی کتاب مل گئی اور اس سے مقابلہ کرایا تو ایک حرف اس میں کم نہ تھا۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ابن شہابؒ مدینہ منورہ آئے اور حضرت ربیعہؒ کا ہاتھ پکڑ کر دونوں دفتر میں گئے پھر جب عصر کے وقت دونوں نکلے تو ابن شہابؒ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں گمان نہیں کرتا کہ مدینہ میں ربیعہ کا مثل کوئی ہوگا اور ربیعہ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص علم کی اس حد کو پہنچا ہوگا جس حد تک ابن شہاب پہونچے ہوئے ہیں۔ اور ابن شہاب نے کہا کہ حضرت قاسمؒ بن محمد نے مجھ سے فرمایا کہ میں تم کو علم کا حریص پاتا ہوں کیا میں تم کو علم کا خزانہ نہ بتادوں۔ تو میں نے کہا ضرور تو فرمایا کہ عبدالرحمن کی

صاحبزادی سے ملو کیونکہ وہ حضرت عائشہ کی آغوش تربیت میں تھیں لہذا میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو بحر ذخار پایا ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) حضرت ابوجعفر بن محمد بن علی بن حسین، جو باقر کے نام سے مشہور تھے اور وہ شیعہ امامیہ کے پانچویں امام تھے آپ نے اپنے والد سے اور حضرت جابرؓ و حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے سردار تھے ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان، آپ فقیہ مدینہ تھے اور آپ نے حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعین سے حدیث کو سنا حضرت لیثؒ ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کے پیچھے تین سو طالب فقہ، و طالب شعر اور مختلف قسم کے فنون کے طالب دیکھے تھے مگر کچھ زمانہ نہیں گزرا کہ وہ اکیلے رہ گئے اور سب حضرت ربیعۃ الرائے کے پاس پہونچ گئے، اور حضرت ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے ربیعہؒ اور ابوالزنادؒ کو دیکھا ہے اور ابوالزناد دونوں میں زیادہ فقیہ تھے اور حضرت سفیانؒ ابوالزناد کو امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) حضرت یحییٰ بن سعید انصاری آپ نے حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعینؒ سے روایت کی ہے، حضرت یحییٰ قطانؒ کہتے ہیں کہ وہ زہریؒ سے افضل ہیں کیونکہ انھوں نے زہریؒ سے اختلاف کیا ہے لیکن زہریؒ نے ان سے اختلاف نہیں کیا ہے، اور حضرت احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یحییٰؒ بن سعید تمام لوگوں میں زیادہ محتاط ہیں اور حضرت وہیبؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا تو بجز یحییٰ بن سعید اور امام مالک کے کسی کو ایسا نہ پایا جس کے متعلق کوئی بھی بری بات نہ کہتا ہو۔ ۱۴۳ھ میں وفات پائی

(۱۷) حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخ آپ حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعین سے روایت کرتے ہیں، امام حافظ فقیہ مجتہد اور رائے کے ماہر تھے اور اسی لئے ان کو ربیعۃ الرائے کہا جاتا تھا اور حضرت یحییٰؒ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ ذہین کسی کو نہ پایا اور حضرت سوار ابن عبداللہ قاضیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو رائے کا عالم نہیں پایا تو میں نے پوچھا کہ نہ حسن کو اور نہ ابن سیرین کو تو فرمایا کہ نہ حسن کو نہ ابن سیرینؒ کو اور فرماتے تھے کہ وہ بہت سخی تھے اور یہ وہی ہیں جن سے امام مالک بن انس نے علم فقہ حاصل کیا۔ ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔

مکہ کے مفتی

(۱) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بن عبدالمطلب آپ ہجرت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو دین کی سمجھ دے اور تاویل کا علم عطا فرمائے، اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ بہترین مفسر قرآن ہیں اگر ان کو ہماری عمر ملتی تو کوئی ان کا ہمسر نہ ہوتا' اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کا علم عموماً ان تین حضرات سے تھا حضرات عمر و علی و ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان سے روایت ہے کہ "میں یہ سنتا تھا کہ کسی شخص کے پاس حدیث ہے تو میں اس کے پاس آتا اور بیٹھا رہتا حتی کہ وہ خود نکلتا حالانکہ اگر میں چاہتا کہ وہ نکلے تو ایسا کرسکتا تھا" تفسیر و فقہ میں اہل مکہ کے علم کا دار و مدار حضرت عباسؓ پر ہے ۶۸ھ میں وفات پائی۔

(۲) بنی مخزوم کے مولی مجاہدؒ بن جبر | آپ نے حضرات سعد و عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے احادیث کی سماعت اور حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک مدت رہے اور ان سے قرآن پڑھا علم کا ایک خزانہ تھے' فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حضرت ابن عباسؓ سے تین بار پڑھا ہر آیت کے پاس ان کو ٹھیراتا تھا اور دریافت کرتا تھا کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کیسے نازل ہوئی حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ باقی لوگوں میں تفسیر کے سب سے زیادہ عالم مجاہدؒ ہیں' مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اکثر مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے میری رکاب روک کر دریافت فرمایا ہے ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ کے مولی عکرمہ | آپ نے حضرات ابن عباس، اور عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور حضرت ابن عباسؓ سے فقہ حاصل کیا' حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ سے بڑھکر عالم کون ہے تو فرمایا کہ ہاں عکرمہؒ ہیں اور حضرت شعبیؒ سے مروی ہے کہ کتاب اللہ کو عکرمہ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ اور ان پر اعتراض ہے کہ ان کی رائے خوارج کی رائے کے مطابق تھی اسی وجہ سے امام مالکؒ اور امام مسلم بن حجاجؒ نے ان سے کوئی حدیث نہیں لی ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت عطاء بن ابی رباح مولی قریش | آپ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ و ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی سیاہ رنگ کے گھونگر والے بال والے فصیح اور زیادہ علم رکھنے والے تھے آپ فوج میں پیدا ہوئے تھے حضرت ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عطاء سے افضل میں نے کسی کو نہیں پایا حضرت اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ عطاء اپنی موت کے دن لوگوں میں تمام اہل زمین سے زیادہ مقبول تھے حضرت اسماعیلؒ ابن امیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء زیادہ سکوت فرمایا کرتے تھے اور جب بات کرتے تھے تو ہم کو

یہ خیال ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ان کی تائید ہو رہی ہے حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل مکہ تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تمہارے اندر عطا موجود ہیں ۱۱۴ھ میں وفات پائی

(۵) حضرت حکیمؓ بن حزام کے مولی ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس | آپ نے حضرات ابن عباسؓ وابن عمر و سعید بن جبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث بیان کی حضرت یعلیؒ بن عطار فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالزبیر نے حدیث بیان کی جو تمام لوگوں میں بلحاظ عقل کامل ترین اور حافظ ترین تھے حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت جابرؓ کے پاس جاتے تھے وہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے جب ہم وہاں سے نکلتے تو آپس میں مکالمہ کیا کرتے تو حضرت ابوالزبیرؒ ہم لوگوں میں سب سے زیادہ حدیث کے حافظ نکلتے ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیان کوفہ

(۱) فقیہ عراق حضرت علقمہؒ بن قیس نخعی | آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے اور حضرات عمر و عثمان و ابن مسعود و علی رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی اور حضرت ابن مسعودؓ سے علم فقہ حاصل کیا اور ان کے راشد تلامذہ میں سے تھے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ مجھے جو معلوم ہے یا جو میں پڑھتا ہوں تو علقمہ بھی وہ پڑھتے ہیں اور ان کو بھی معلوم ہے۔ حضرت قابوسؒ بن ابی ظبیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ آپ صحابہؓ کو چھوڑ کر حضرت علقمہؒ کے پاس کیوں آتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کو علقمہؒ سے سوال کرتے اور ان سے فتوی طلب کرتے پایا ہے حضرت ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ امام و فقیہ فائق تھے اور قرآن مجید کو بہت عمدہ آواز سے پڑھتے تھے اور روایت کے نقل کرنے میں محتاط تھے صاحب خیر اور زاہد تھے حضرت ابن مسعودؓ سے چال ڈھال اور طور طریقہ میں مشابہت رکھتے تھے۔ ۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی | آپ علامہ فقیہ تھے اور حضرت عمرو بن معدیکرب کے بھانجے تھے حضرات عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے زیادہ طلب علم کرنے والا میں نے نہیں پایا اور وہ حضرت شریحؒ سے زیادہ فتوی کے ماہر تھے اور حضرت شریحؒ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور حضرت مسروقؒ حضرت شریحؒ کے محتاج نہ تھے ۶۳ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی مرادی | آپ یمن کی فتح کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور حضرات علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فیصلہ میں شریحؒ کے مقابلہ کے تھے، اور حضرت عجلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبیدہ حضرت ابن مسعودؓ کے ان اصحاب میں سے تھے جو لوگوں کو پڑھاتے تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے ۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت اسود بن یزید نخعی | کوفہ کے عالم اور حضرت علقمہؒ بن قیس کے بھتیجے تھے۔ حضرات معاذ و ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت شریح بن حارث کندیؒ | حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا ان کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا جو حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک رہے اور اپنی موت سے ایک سال پہلے مستعفی ہو گئے اور ہم کو معلوم نہیں کہ انکے سوا کوئی اور قاضی (۶۰) سال سال تک لوگوں میں عہدہ قضیہ پر رہا حضرات عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی ۸۷ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت ابراہیمؒ بن یزید نخعی | آپ فقیہ عراق تھے اور آپ نے حضرات علقمہ و مسروق و اسود وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور حضرت حماد بن ابی سلمہ فقیہ کے استاد ہیں مخلص علماء میں سے تھے شہرت سے اپنے کو دور رکھتے تھے اسی لئے ستون کے پاس نہیں بیٹھتے تھے حضرت عبدالملکؒ بن ابی سلیمان نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعیدؒ بن جبیر کو یہ کہتے سنا ہے کہ تم لوگ ابراہیم نخعی کے ہوتے ہوئے مجھ سے فتویٰ مانگتے ہو اور علم کے بارے میں جب تک ان سے سوال نہ کیا جاتا بات نہ کرتے تھے ۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۷) حضرت والبہؒ کے مولی حضرت سعیدؒ بن جبیر | آپ نے حضرات ابن عباس و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی اور حضرت ابن عباسؓ سے جب اہل کوفہ حج کے زمانہ میں مسائل پوچھتے تو فرماتے کہ کیا تم میں سعیدؒ بن جبیر نہیں ہیں۔ وہ کسی کو اپنے سامنے غیبت نہیں کرنے دیتے تھے، حضرت میمونؒ بن مہران فرماتے ہیں کہ سعیدؒ بن جبیر کا ایسے زمانہ میں انتقال ہوا جب کہ دنیا کا ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا۔ حجاج نے ابن اشعث کے فتنہ کے زمانہ میں ان کو ۹۵ھ میں قتل کیا۔

(۸) حضرت عامر بن شراحیل شعبیؒ | آپ تابعین میں علامہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام حافظ فقیہ اور ہر فن مولیٰ تھے حضرات علی و ابی ہریرہ و عباس

وعائشہ صدیقہ وابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور وہ حضرت ابوحنیفہ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے قاضی کوفہ تھے حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبیؒ سے بڑا عالم نہیں دیکھا اور ابوحصین فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو شعبی سے زیادہ فقیہ نہیں پایا اور حضرت ابن سیرینؒ نے حضرت ابوبکر ہذلی سے فرمایا کہ شعبی کو لازم پکڑے رہ کہ صحابہ کی کثرت کے زمانہ میں میں نے ان کو فتویٰ دیتے پایا ہے اور حضرت ابن ابی لیلی نے فرمایا کہ شعبیؒ متبع حدیث تھے اور ابراہیمؒ صاحب قیاس ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ شعبیؒ کے پاس سے گزرے اور وہ مغزوات کا بیان کر رہے تھے تو فرمایا کہ تم قوم کے پاس موجود تھے اس لئے اس کو سب سے زیادہ یاد رکھتے ہو اور مجھ سے زیادہ اس کے عالم ہو اور انہی سے روایت ہے کہ گذشتہ صالحین نے زیادہ حدیثیں بیان کرنا مکروہ سمجھا ہے اور اگر مجھے جو بات بعد میں معلوم ہوئی پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو بجز ان احادیث کے جن پر علماء کا اتفاق ہو چکا ہے اور کچھ بیان نہ کرتا حضرت ابن عونؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شعبیؒ کے پاس کوئی مسئلہ آتا تو جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے اور حضرت ابراہیمؒ اس کے بیان کی کوشش کرتے یہ بھی انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرت شعبیؒ خوش مزاج تھے اور حضرت ابراہیمؒ بعکس تھے لیکن جب کوئی فتویٰ دینے کا موقع آتا تو شعبیؒ کو انقباض ہوتا اور حضرت ابراہیمؒ کو بسط ہوتا اور حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ہم فقہا نہیں ہیں بلکہ ہم نے حدیث کو سنا تو اس کی روایت کردی فقیہ تو وہ ہے کہ جب اس کو کسی بات کا علم حاصل ہو گیا تو اس پر عمل بھی کرے اور حضرت شعبیؒ قیاس کو ناگوار سمجھتے تھے ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

مفتیان بصرہ

(۱) حضرت انسؓ بن مالک انصاری | آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور زمانہ دراز تک صحبت رسولؐ میں رہے اور بہت سی حدیثیں ان کو یاد تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہجرت سے وفات نبوی تک رہے پھر حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا۔ عمر طویل پائی حضرت امام بخاری نے ان سے اسی حدیثیں اور امام مسلمؒ نے ان سے ستر حدیثیں اور دونوں نے ان سے (۱۲۸) متفقہ حدیثیں روایت کی ہیں ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت ابوالعالیہ رفیعؒ بن مہران ریاحی | جو قبیلہ تمیم کی شاخ ریاح کی ایک عورت کے غلام

آپ نے حضرات عمر وابن مسعود و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں، ان سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی مجھے بلند جگہ بٹھلاتے تھے اور قریش اس سے نیچی جگہ پر بیٹھا کرتے تھے اور فرماتے کہ علم اس طرح شریف کے شرف کو بڑھاتا ہے اور بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتا ہے سنہ ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت زید رض بن ثابت کے مولی حسن بن ابوالحسن سیار | آپ نے مدینہ منورہ میں نشو ونما پائی اور حضرت عثمان رض کی خلافت کے زمانہ میں قرآن حفظ کیا پھر بڑے ہوتے پھر جہاد اور علم وعمل میں مشغول رہے۔ اور ممتاز بہادروں میں سے تھے اکثر صحابہ رض سے حدیث روایت کی ہے حضرت ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ عالم رفیع المرتبت اور قابل اعتماد صاحب حجت تھے، عبادت گزار بڑے علم والے فصیح وخوبصورت اور ان لوگوں میں سے تھے جو حق کے لئے ٹکر لیتے ہیں اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں سنہ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت ابوالشعثاء جابرؒ بن زید مصاحب حضرت ابن عباس رض | حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تمام بصرہ والے حضرت جابرؒ بن زید کے قول کو مان لیتے تو اللہ کی کتاب کا علم ان کے پاس وسیع پاتے اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ تم اپنے درمیان میں جابرؒ بن زید کے موجود ہوتے ہوئے مجھ سے دریافت کرتے ہو، حضرت عمروؒ بن دینار فرماتے ہیں کہ جابرؒ بن زید سے بڑھ کر علم فتویٰ کا عالم میں نے کسی کو نہیں پایا اور روایت ہے کہ حضرت ابن عمر نے ان سے طواف میں ملاقات کی اور فرمایا اے جابر تم فقہاء بصرہ میں سے ہو تمہارے پاس فتوے کے لئے سوالات آتے ہیں لہٰذا تم بجز قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے فتویٰ نہ دینا اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کرو گے سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت محمدؒ بن سیرین حضرت انس رض بن مالک کے مولی | آپ حضرت عثمان رض کی خلافت کے دو سال باقی رہنے کے وقت پیدا ہوئے تھے اپنے مولد حضرت انس رض اور حضرت ابوہریرہ وابن عباس وابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے فقیہ امام وسیع العلم مستند قابل وثوق اور تعبیر خواب میں علامہ تھے زہد میں سربرآوردہ تھے، مورق عجلی فرماتے ہیں کہ میں نے پرہیزگاری میں ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہ پایا اور نہ فقہ میں ان سے زیادہ کوئی پرہیزگار پایا سنہ ۱۱۰ھ میں حضرت حسن بصریؒ کی وفات کے پورے ایک سو دن کے بعد وفات پائی۔

(۶) حضرت قتادہ بن دعامہ دوسیؒ | آپ نے حضرات انس رض وسعیدؒ بن مسیب وغیرہما سے روایت

کی ہے نابینا تھے۔ حافظہ قوی تھا ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ قتادہ لوگوں میں سب سے زیادہ حافظ تھے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ میں نے اس کے بارے میں کچھ نہ سنا ہو حضرت امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ قتادہؒ سے زیادہ تفسیر کا عالم میں نے کسی کو نہیں پایا اور اختلاف علماء کے وہ ماہر تھے اور انھوں نے حفظ اور فقہ میں ان کی تعریف کی ہے اور ان کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مرتبے میں ان سے آگے بڑھنے والے بہت کم پاؤ گے اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال کا عرصہ ہوا کہ اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دیا اور حفظ کے علاوہ وہ عربیت اور لغت اور ایام عرب والنساب کے ماہر تھے ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیان شام

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری | آپ نے حضرات عمر و معاذ وغیرہما رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے ان کو شام کی طرف روانہ کیا تھا تاکہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں اور شام کے تابعین نے انہی سے علم فقہ حاصل کیا عظیم القدر تھے اور فاضل تھے ۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲) حضرت ابوادریس خولانی عائذ اللہ بن عبداللہ | آپ علم و عمل کے جامع لوگوں میں سے تھے حضرت معاذؓ بن جبل اور بہت سے صحابہؓ سے علم حاصل کیا اہل دمشق کے قاضی اور ان کے واعظ اور قصہ خواں تھے حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ وہ شام کے فقہاء میں سے تھے ۸۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت قبیصہؓ بن ذویب | آپ خلیفہ عبدالملک کی مہر کے محافظ تھے حضرات ابوبکر و عمر وغیرہما رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت زہریؒ فرماتے ہیں کہ قبیصہ اس امت کے علماء میں سے تھے اور حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھکر عالم نہیں پایا اور حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ قبیصہؒ حضرت زیدؓ بن ثابت کی قضا کو سب سے زیادہ جانتے ہیں ۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۴) حضرت مکحولؒ بن ابی مسلم | یہ ہذیل کی ایک عورت کے مولیٰ تھے اور ان کی اصل کابل سے تھی چھوٹے صحابہؓ سے روایت کرتے اور بڑے صحابہؓ پہ تدلیس کرتے تھے یعنی ان کے درمیان کے واسطوں کو چھوڑ کر بڑے صحابہؓ سے روایت بنایا کرتے تھے۔ طلب علم میں بہت سفر کئے حتیٰ کہ اس کا حصہ وافر حاصل کیا حضرت زہریؒ نے فرمایا کہ علماء تین ہیں پھر انہی میں مکحولؒ کا ذکر بھی فرمایا اور حضرت ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ اہل شام میں مکحول سے بڑا فقیہ میں نے کسی کو نہیں پایا۔ ۱۱۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت رجاء بن حیاۃ کندیؒ | آپ اہل شام کے شیخ تھے اور حکومت کے رکن تھے حضرات معاذ

وعبداللہ بن عمرو جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی حضرت مطرؒ وراق فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں میں ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہ پایا اور حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ رجاء اہل شام کے سردار تھے اور ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ فاضل اور قابل اعتماد وکثیر العلم تھے ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۶) حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بن مروان | وہ بنی امیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، مصر میں نشو و نما پائی۔ اور حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعینؒ سے علم حاصل کیا۔ امام، فقیہ، مجتہد، سنت کے جاننے والے، بڑی شان کے بزرگ، صاحب وثوق، صاحب دلیل، حافظ اللہ تعالیٰ کے مطیع، خشوع کرنے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے عدل میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے مشابہ تھے اور زہد میں حضرت حسنؒ بصری کے اور علم میں حضرت زہریؒ کے برابر تھے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان کو سکھانے آئے تھے اور اس وقت تک ان کے پاس رہے کہ ہم خود ان سے سیکھنے لگے ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

مفتیان مصر

(۱) حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے روزہ دار عبادت گزار تھے اللہ کی کتاب پڑھنے والے اور علم طلب کرنے والے تھے۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی علم کی باتیں لکھیں حضرت ابوہریرہؓ ان کے کثرت علم کا اعتراف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا پرہیزگار تھے اور اپنی حالت پر غور کیا کرتے تھے اور اپنے والد کو فتنہ میں شریک ہونے پر ملامت کیا کرتے تھے اور اس میں عدم شرکت کو نافرمانی کے خوف سے گناہ سمجھتے تھے اسی لیے صفین میں شریک ہوئے اگرچہ تلوار نہیں چلائی اور اہل کتاب کی بہت سی کتابیں حاصل کی تھیں اور اس میں غور و تامل کیا تھا اور اس میں عجیب معلومات حاصل کی تھیں، مصریوں نے آپ سے بہت علم حاصل کیا مصر میں ۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوالخیر مرثد بن عبداللہ یزنی مفتی مصر | آپ نے حضرات ابوایوب انصاری اور ابوبصرہ غفاری اور عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور آخر الذکر اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے علم فقہ حاصل کیا ابن یونس کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں اہل مصر کے مفتی تھے ۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) یزید بن ابی حبیب مولی ازد | اگرچہ آپ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی اکثر روایت تابعین رضی اللہ عنہم سے ہے ابوسعید بن یونس کہتے ہیں کہ وہ اہل مصر کے

مفتی تھے اور حلیم اور عاقل تھے اور انھیں نے سب سے پہلے مصر میں علم کا چرچا پھیلایا اور مسائل اور حلال و حرام کو ظاہر کیا حالانکہ اس سے پہلے ترغیب اور جنگوں اور فتنوں کی احادیث بیان کی جاتی تھیں لیث بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار تھے اور کہا جاتا ہے کہ یزید ان تینوں میں سے ایک تھے جن کو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مصر میں فتوے کی اجازت دی تھی اور وہ بربری الاصل تھے ان کے والد دنقلہ کے رہنے والے تھے اور مصر میں نشوونما پائی اور جب کبھی کسی خلیفہ کی بیعت کی جاتی تو سب سے پہلے عبداللہ بن ابی جعفر اور یزید بن ابی حبیب بیعت کیا کرتے تھے ابن لہیعہ فرماتے ہیں کہ یزید بیمار ہوئے تو حوثرہ بن سہیل حاکم مصر نے ان کی عیادت کی اور فرمایا اے ابو رجاء تمہارا کیا فتویٰ ہے اس کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جس میں مچھر کا خون ہو تو انھوں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا تو وہ کھڑے ہو گئے تو یزیدؒ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ تو روزانہ ایک خلق کو قتل کرتا ہے اور مجھ سے مچھروں کے خون کے بارے میں دریافت کرتا ہے اور حضرت سعیدؒ بن عفیر فرماتے ہیں کہ زبان بن عبدالعزیز نے حضرت یزیدؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے علم کے بارے میں کچھ دریافت کروں تو انھوں نے جواب کہلا بھیجا کہ بلکہ تم میرے پاس آؤ کیونکہ میرے پاس تمہارا آنا تمہارے لئے زینت کا باعث ہوگا اور تمہارے پاس میرا آنا میرے لئے عیب کا باعث ہوگا۔ سنہ ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

مفتیان یمن

(۱) حضرت طاؤس بن کیسان جندی | ان لڑکوں میں سے تھے جو جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں آپ نے حضرت زید بن ثابت و عائشہ صدیقہ و ابو ہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں اور علم و عمل میں چوٹی کے لوگوں میں سے تھے حضرت عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس کے مثل کسی کو نہیں دیکھا اور قیسؒ بن سعید فرماتے ہیں کہ طاؤسؒ ہم میں ایسے تھے جیسے اہل بصرہ میں ابن سیرین اور ذہبیؒ نے فرمایا کہ طاؤسؒ اہل یمن کے شیخ تھے اور ان کے فقیہ اور ان کے لئے باعث برکت تھے جلیل القدر تھے اور حج بہت زیادہ کئے تھے اسی لئے ان کی موت بھی مکہ مکرمہ میں سنہ ۱۰۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔

(۲) حضرت وہب بن منبہ صنعانی | عالم اہل یمن تھے آپ نے حضرات ابن عمر و ابن عباس و جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان کے پاس اہل کتاب کے علم کا کافی ذخیرہ تھا کیونکہ اس طرف

انھوں نے توجہ کی بھتی اور بالغ نظری سے کام لیا تھا۔ عجلی فرماتے ہیں کہ وہ مستند تابعی اور قاضی تھے۔ سنہ ۱۱۱ھ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت یحیی بن ابی کثیر مولی طی | آپ نے حضرت انسؓ بن مالک اور اکثر تابعینؒ سے روایت کی حضرت شعبہؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں زہری سے زیادہ اچھے تھے اور حضرت احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی امام زہریؒ ان کی مخالفت کریں تو حضرت یحییؒ کا قول معتبر ہوگا سنہ ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔

یہ لوگ جن کے ہم نے نام لکھے ہیں اس دور میں وہ جلیل القدر حضرات تھے جو لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی روایت کرتے تھے اور لوگوں میں یہ طریقہ نہ تھا کہ کسی معین فقیہ کی طرف منسوب ہوں کہ اس نے جو روایت یا راوی بیان کی ہو اس پر عمل کیا جائے بلکہ مختلف شہروں میں یہ مفتی فقہ اور روایت حدیث سے مشہور تھے تو فتوی مانگنے والا ان میں سے جس کے پاس چاہتا جاتا اور جو واقعہ اس کو پیش آیا اس کے متعلق دریافت کرتا تو وہ اس کو فتوی دیدیتا اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ دوبارہ کسی اور مفتی کے پاس جاتا اور شہروں کے قاضی لوگوں کا فیصلہ انہی امور کے لحاظ سے کرتے تھے جو کتاب اللہ یا اس کے رسول کی سنت سے معلوم ہوتا یا اس رائے سے جو ان پر ظاہر ہوتی اور ایسا اوقات وہ اپنے شہر کے مشہور مفتیوں سے فتوی طلب کرتے اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ استفتا خلیفۂ وقت کے پاس بھیجتے اور جو واقعہ پیش آیا اس کے متعلق دریافت کرتے چنانچہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانہ میں اکثر ایسا ہوا۔

اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا جس کو مورخین نے خوارج کے نام سے موسوم کیا ہے اور ان کی اصل وہ جماعت ہے جس نے حضرت عثمانؓ بن عفان پر خروج کیا تھا کیونکہ انھوں نے ان امور کی بنا پر جو حضرت عثمانؓ سے سرزد ہوئی تھیں ان کی مخالفت کی اور اسی بنا پر انھوں نے ان پر خروج کو جائز قرار دیا تھا پھر انھوں نے ان کو شہید کیا اور جب انھوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تو حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان معاملہ کی شدت کا سبب اکثر یہی لوگ تھے حتی کہ انجام کار دونوں جماعتوں کے درمیان جو عالم اسلامی کے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے میدان صفین میں جنگ عظیم کا باعث بنے اور جب حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب نے تحکیم کی دعوت دی تو پہلے تو اس پر راضی ہو گئے پھر اس کے بعد ان پر عیب لگایا اور کہا کہ یہ تو کفر ہے اس لئے کہ (لا حکم الا للہ یعنی اللہ کے سوا کسی کو حکم کا اختیار نہیں) اور اس کلمہ کو انھوں نے اپنا شعار یعنی علامت قرار دے لیا حتی کہ جس کی رائے خوارج کی رائے سے مشابہت رکھتی تو اس کو کہا جاتا کہ یہ تو "حکم" ہیں یعنی لاحکم الا للہ کہنے والے

ہیں) اور ان کے اور حضرت علی کے درمیان بہت سخت تقریریں ہوئیں پھر انھوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور حضرت علیؓ نے بھی ان سے جنگ کی جس سے حضرت علیؓ کا مرکز اپنے اس خصم کے مقابلہ میں کمزور ہوگیا جو ایک انتہائی فرمانبردار لشکر تھا اور انجام کار انہی خارجیوں میں سے ایک کے ہاتھ سے آپ کی شہادت واقع ہوگئی جس کا نام عبدالرحمن بن ملجم تھا اور اسی وقت سے ایک خاص فرقہ ممتاز شخصیت والا پیدا ہوگیا جو "شراۃ" کے نام سے مشہور تھا اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اس قول سے لیا۔

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔ | اور بعض آدمی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں اپنی جان تک صرف کرڈالتے ہیں اور ان کا

عام اصول حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت اور حضرات عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم سے برارت پر مبنی تھا اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کی مخالفت کی تھی اور حضرت علیؓ تحکیم پر راضی ہوگئے تھے اور حضرت معاویہؓ ان کی رضامندی کے بغیر ان پر حاکم بن گئے تھے۔

اور اس سے خلافت کے متعلق ان کا یہ اصول معلوم ہوا کہ امر خلافت امت کے حوالہ ہے وہ جس کو چاہے اور جس خاندان سے چاہے منتخب کرے اور خلافت کے لئے قریش کی خصوصیت کے منکر تھے اور اس امر کے قائل تھے کہ خلیفہ کی اطاعت سوا اس دائرہ حدود کے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب میں یا اس کے رسول کی سنت متبعہ میں معین ہے واجب نہیں اور اگر اس نے اس دائرہ کی مخالفت کی تو پھر وہ اس سے بری ہیں اور اس کی مخالفت واجب ہوگئی اور وہ لوگ کافر اور فاسق کے درمیان کچھ فرق نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر وہ شخص جو حدود الٰہی سے تجاوز کرے وہ ان کے نزدیک فاسق ہے اور فاسق ہی کافر ہے اور ظاہر قرآن سے ان کی تائید ملتی ہے اور اسی لئے وہ لوگ ہر اس شخص کو جس نے حضرت معاویہ کی حمایت کی اور حضرات علی و عثمان رضی اللہ عنہم سے بیزاری ظاہر نہیں کی اس کو ملت سے خارج سمجھتے تھے حالانکہ جمہور امت یہی لوگ تھے (یعنی حضرت معاویہ کی حمایت کرنے والے اور حضرات علیؓ و عثمانؓ سے بیزاری نہ کرنے والے) تو ان خارجیوں نے اسی جمہور امت سے جنگ کی اور جنگ کو جائز قرار دیا اور ان میں بڑے بڑے زعماء تھے جنھوں نے ان کو خلفاء جمہور سے جنگ کے لئے ابھارا اور یہ سب محض اس وجہ سے ہوا کہ دین کے معاملہ میں ان کی رائیں شدید تھیں اور وہ لوگ ظاہر قرآن کو لیتے تھے اور سنت سے صرف انہی کی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کو وہ دوست سمجھتے تھے اور اس بارہ میں ان کی مستند احادیث وہ تھیں جو شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے زمانہ کی احادیث مشہور تھیں اور ان میں بڑے بڑے علماء اور مفتی تھے جن کی طرف وہ رجوع ہوتے

ہور پر ان کی شدت اور ان کے بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور امت کو ان سے متنفر کرانے کا باعث بنا اسی لئے ہر وہ شخص جس پر اس کا شبہ ہوتا تھا کہ اس کی رائے خوارج کی رائے کے مطابق ہے تو اس سے روایت نہ کرتے تھے اگرچہ وہ محدث ہو اور نہ ان سے فتویٰ لیتے تھے اگرچہ وہ مفتی ہو باوجودیکہ یہ خوارج تمام فرقوں میں جھوٹ سے زیادہ بچنے والے تھے کیونکہ وہ جھوٹ کو کفر سمجھتے تھے اور ان سے نفرت کی وجہ سے بعض ائمہ حدیث نے حضرت عکرمہؒ کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا چنانچہ حضرات مالکؒ بن انس اور مسلمؒ بن الحجاج نے ان کی کوئی روایت نہیں بیان کی کیونکہ ان پر خوارج کی رائے رکھنے کا شبہ تھا اور بعض ائمہ نے خوارج کے فقیہ اور شاعر عمران بن حطان کی روایت کو اسی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن خود خوارج میں زیادہ عرصہ تک اتحاد باقی نہ رہا بلکہ جمہور کے بارے میں ان کے نظریوں میں اختلاف کی بنا پر تفریق پیدا ہونے لگی اور ان کی شدت وحدت بنی امیہ کے زمانہ میں اور دولت عباسیہ کے شروع زمانہ تک رہی۔

اور فرقہ شیعہ بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوا جو حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کی محبت پر قائم رہا اور ان کی وہ اصل جو ان کے تمام فرقوں میں مسلم ہے یہ ہے کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے جس کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی وجہ سے مستحق ہوتے اور اسی لئے وہ ان کو وصی کہا کرتے تھے اور یہ کہ ان کے بعد خلافت اس کا حق ہے جو ان کی اولاد سے ہو ان سے خلافت کو بجز ظالم و غاصب کے کوئی نہیں نکال سکتا اور اسی وجہ سے ان میں سے بعض کو حضرات شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر نکتہ چینی کا موقع ملا کیونکہ ان کی رائے میں انہوں نے حضرت علیؓ کا حق غصب کیا تھا اور ان لوگوں نے امامت کو ان کے بعد ان کے لڑکے حضرت حسنؓ پھر ان کے دوسرے صاحبزادہ حسینؓ کے لئے مخصوص قرار دیا اور اس میں ان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں البتہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ دو فرقوں میں بٹ گئے ایک نے تو محمد بن حنفیہ کو مستحق امامت قرار دیا کیونکہ وہ حضرت حسینؓ کے بعد ان کے سب سے بڑے لڑکے تھے اور ان لوگوں کا لقب کیسانیہ ہوا، اور انہی محمد کا نام اس ہنگامہ میں لیا جاتا ہے جس کو مختار بن ابی عبید ثقفی نے بنی امیہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف اٹھایا تھا اور انہی کو "مہدی" بھی کہا جاتا تھا اور اس ہنگامہ کی روح کو دین سے کوئی تعلق نہ تھا جیسے خوارج کی روح کو دین سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ دنیوی تعلق تھا اور اسی لئے انھوں نے اپنی اغراض حاصل کرنے کے لئے جھوٹ کو حلال کر لیا تھا، اور بعض شیعہ نے خلافت کو صرف اولاد فاطمہؓ میں منحصر

مرکھا ہے چنانچہ ان کے خیال کے مطابق حضرت حسینؓ کے بعد ان کے صاحبزادے علی زین العابدینؒ امامت کے مستحق ہوئے جو اس زمانہ کے فقہاء میں سے تھے اور جب ان کا وصال ہوا تو ان کے دو لڑکے تھے ایک محمد بن علی جن کو باقر کہا جاتا ہے اور دوسرے زید بن علی تو حضرت باقر کو امام قرار دیا اور ان کی وفات کے بعد دو فرقے ہو گئے ایک نے تو زید بن علی کو امام قرار دیا اور یہی زیدیہ کہلائے اور ان میں سے بعض باقرؒ کی اولاد کی محبت پر قائم رہے اور امامت کو ان کے صاحبزادہ جعفر صادقؒ کی طرف منتقل کیا اور امامت کے متعلق زیدیہ کی ایک خاص رائے تھی کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے بیزاری کا اظہار نہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ حاکم ہوئے اور انھوں نے عدل سے کام لیا اور یہ کہتے تھے کہ امامت حضرت علیؓ کی اس اولاد میں ہے جو فاطمہؓ سے ہو لیکن امام کا تعین اس کی صفات سے ہوتا ہے اور اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ وہ وصیت میں نام کے ساتھ معین کیا جائے جیسے کہ جعفریہ کہتے ہیں اسی لئے ان کی رائے تھی کہ اولاد علیؓ میں سے جو شخص اپنی امامت کی طرف دعوت دے اور وہ صفات امامیہ کا حامل ہو تو اس کی اتباع اور اس کی مدد واجب ہے اور اسی لیے حضرت زیدؒ بن علیؒ کے ساتھ ان کے اس ہنگامے میں شریک ہوئے جو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں انھوں نے اٹھایا تھا اور جب وہ شہید ہو گئے تو ان کے صاحبزادے یحییٰ کے ساتھ کھڑے ہوئے پھر محمد مہدی کے ساتھ جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور تھے جو عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کے فرزند تھے جنھوں نے منصور عباسی کے خلاف حکومت عباسیہ کے شروع میں بغاوت کی تھی۔

اس دور میں تین فرقے تھے جن کی اصل تشیع تھی اور وہ کیسانیہ اور امامیہ زیدیہ اور امامیہ جعفریہ تھے اور ہر گروہ اپنا علم اور اپنا دین اسی سے سیکھتا تھا جس کی نسبت اس کے امام کی طرف ہوتی تھی اور جو ان کی موافقت کریں اور ان ائمہ کے بارے میں ان کے اعتقادات مختلف تھے جو اعتدال اور غلو کے لحاظ سے مختلف تھے اور بعضوں نے حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کی تائید میں اس قدر غلو کیا کہ بہت سی ایسی احادیث روایت کیں کہ ائمہ جمہور کو ان میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت جھوٹی ہے اسی لئے انھوں نے ہر غلو کرنے والے شیعہ یا شیعیت کی تبلیغ کرنے والے کی روایت قبول کرنے میں اسی طرح توقف کیا جس طرح غلو کرنے والے خوارج کی روایت قبول کرنے میں توقف کیا۔

چوتھا دور

دوسری صدی کی ابتداء سے چوتھی صدی کے نصف تک کی فقہ اور یہی زمانہ احادیث و فقہ کی تدوین اور ان بڑے ائمہ کے ظہور کا زمانہ ہے جنکی قیادت کا جمہور نے اعتراف کیا۔

سیاسی پس منظر

اس دور میں وہ خفیہ سیاسی جماعت کامیاب ہو گئی جو بنی امیہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب خلافت کو منتقل کرنا چاہتی تھی چنانچہ خلافت بنی عباس بن عبدالمطلب میں چلی گئی اور ان میں سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھا اور عباسیوں نے بنی امیہ کی مخالفت میں اس شدت سے کام لیا کہ تاریخ میں کوئی آدمی اس شدت کا نہیں پایا جاتا اور انتہائی بے رحمانہ اور وحشیانہ اعمال کے مرتکب ہوئے جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ فارس کے رہنے والے اپنے موافقین اور مددگاروں کو خوش کریں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بنی امیہ کے عمائد میں سے ایک شخص کے فرار کا موجب بنے جس نے بلاد اندلس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور وہاں ایک بڑی سلطنت قائم کی جو بنی عباس سے مستقلاً جدا رہی اور اسلامی سطح میں یہ سب سے پہلی تقسیم، لیکن یہ تبدیلی ان کے چچازاد بھائیوں کو جو اولاد علی بن ابی طالب سے تھے نہ بھائی جو اپنے کو ہر خاندان سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے چنانچہ انھوں نے اس خلافت کو اپنے لئے حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کیا یہ کہ اس کی صفائی کو ان کے دشمنوں کے لئے مکدر کردیں چنانچہ علویین میں سے پہلے ہنگامہ بپا کرنے والے اٹھے پھر اولاد حسن میں سے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی اور وہ منصور سے اپنا مقصد حاصل کر لیتے اگر چند غلطیاں اور سوء اتفاقیاں پیش نہ آتیں جو ان کا مدینہ منورہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم کا بصرہ اور کوفہ کے درمیان خاتمہ نہ کر دیتیں۔

پھر دوسرا ہنگامہ اس کے پوتے موسیٰ ہادی بن محمد مہدی بن ابی جعفر کے مقابلہ میں اطراف مکہ

ہیں اٹھا اور باغی اپنا مقصد حاصل کئے بغیر مارا گیا اور میدان جنگ سے محمد نفس زکیہ کے بھائی ادریس بن عبداللہ بھاگ گئے اور مغرب اقصیٰ کی طرف چلے گئے اور بربر میں خلافت اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور یہ دوسرا حصہ تھا جو خلافت عباسیہ سے قطع ہوا اور یہی خلافت ادریسیہ کہلائی۔

اور اسی طرح ان کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ مشرق کی طرف بلاد دیلم میں بھاگ گئے جن کا اتباع ایک بڑی جماعت نے کیا لیکن رشید نے ان یحییٰ پر فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک کے ذریعہ سیاسی چالوں سے مدد لے کر اس کو اس کے قلعہ سے اتار لیا اور اس کو ایک امن کا معاہدہ لکھکر دیا لیکن جب وہ اترا تو رشید نے جس بات کا وعدہ کیا تھا پورا کیا۔

رشید نے دیکھا کہ اس وقت اس کو ایک ایسی مضبوط قومی حکومت کی ضرورت ہے جو مغرب میں ادریسیوں کی طماع نظروں کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو سکے تو اس نے اپنے ہاتھ سے افریقیہ میں دولت اغالبہ کی بنیاد رکھی پھر ماموں نے خراسان میں امارت طاہریہ کی بنیاد رکھی اور بلاد یمن میں امارت زیادیہ کی اور ان سب کا مقصد مختلف ممالک میں شیعہ کے مقاصد کو ناکام کرنا تھا۔

لیکن شیعہ امامیہ اتفاق کر چکے تھے کہ حضرت جعفرؒ بن محمد صادق کو خلیفہ بنائیں جو ائمہ شیعہ کے چھٹے امام تھے اور ان کے ماننے والے بہت تھے مگر انھوں نے اپنے لئے خلافت کو پسند نہیں کیا اور جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے ماننے والے دو فرقوں میں منقسم ہوگئے ایک نے تو ان کے لڑکے موسیٰ کاظم کو امام تسلیم کیا اور یہی موسوی کہلاتے ہیں اور انھوں نے امامت کو ان کے بعد ان کی اولاد اور ان کی نسل میں ان کے بارہویں امام تک پہونچایا اور اسی بناء پر وہ امامیہ اثنیٰ عشریہ کہلاتے ہیں اور یہ بارہویں امام ابوالقاسم محمد عسکری بن حسن عسکری بن علی ہادی بن محمد جواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی ابن ابی طالب ہیں اور شیعہ امامیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد ۲۶۰ھ میں چھپ گئے اور آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور زمین جو ظلم وجور سے بھری ہوگی وہ اس کو عدل سے بھر دیں گے چنانچہ یہ فرقہ اس وقت تک ان کا انتظار کر رہا ہے، اور دوسرے فرقہ نے حضرت اسماعیل بن جعفر صادق علیہم الرحمۃ کو امام مانا اور یہ اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہیں اور اس فرقہ نے پہلے فرقہ کے برعکس خلافت کے حصول کی کوشش کی، انھوں نے اپنا طریقہ کار مخفی دعوت سے شروع کیا اور اس کی تعلیمات کچھ ایسی مقرر کیں جس سے نفرت رکھنے والے لوگ بھی اس طرف مائل ہوگئے حتیٰ کہ جب ان کے ارادے پورے ہوگئے تو ان کا امام عبیداللہ المہدی بلاد افریقیہ میں ظاہر ہوا جس سے دولت فاطمیہ کی ابتدا ہوئی اور یہ

تمام مغرب میں غلبہ و تسلط کاملہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور یہ زمانہ ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ان کی ایک عظیم الشان اور مضبوط حکومت قاہرہ مصر مغربیہ میں قائم ہوگئی۔

دولت عباسیہ کا دار و مدار دو عصبیتوں پر تھا ایک عصبیۃ عربیہ یہ ان عربوں سے متعلق تھی جو عباسی خلفاء کے ساتھ تھے اور عصبیۃ فارسیہ جو دعوت عباسیہ کے پھیلانے والے تھے خلفاء بنی عباس کی عادت تھی کہ ان دونوں فریق میں سے کسی ایک پر اگر ان کو شبہ ہوجاتا تو اس کے مقابلہ میں دوسرے فریق سے مدد لیتے حتیٰ کہ مامون بن رشید جس کی تربیت خالص فارسی تھی اور انہی کی مدد سے وہ اپنے بھائی محمد امین پر غالب ہوا تھا یہی مناسب سمجھا کہ عربی عصبیت کو توڑ دے اور اپنی بنیاد دوسری عصبیت پر رکھے اور جب اس کا بھائی اسحاق معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے لئے دوسری عصبیت ترک غلاموں کی بنائی جو اس کے پاس بہت زیادہ تھے اور یہی خلافت عباسیہ کے فنا کا سبب بنا کیونکہ متوکل ابن معتصم نے ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا تو قبل اس کے کہ وہ ان کو تمام میں ختم کر دے انھوں نے اسی کو ختم کردیا۔ اور یہ اس کے لڑکے منتصر کے نفاق سے ہوا اور اسی وجہ سے تمام خلفاء نے اس اقتدار کے سامنے جس کو معتصم نے قائم کیا تھا اپنا سر تسلیم خم کردیا چنانچہ قریب قریب سب پر ترکوں نے اپنا اقتدار قائم کرلیا اور اسی ضعف کی وجہ سے مشرق میں متعدد حکومتوں کی بنیاد پڑی چنانچہ ماوراء النہر میں حکومت سامانیہ اور فارس میں دولت صفاریہ قائم ہوگئیں اور یہ زمانہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ بنو بویہ کھڑے ہوگئے اور انھوں نے اپنے خاندان کے لئے ایک علیحدہ حکومت قائم کی اور یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ خود بغداد پر جو خلافت بنی عباس کا دارالخلافہ تھا قابض ہو گئے اور بنی عباس کا بجز نام کے کچھ باقی نہ رہا اور بنی بویہ اور ان کے دیلمی حمایتیوں کا تسلط قائم ہوگیا۔

یہ اس حکومت کا حال ہے جس نے ۱۳۲ھ میں بنی امیہ سے ایک عظیم حکومت میراث میں وصول کی تھی اور ابھی ۳۰۰ھ نہیں آیا تھا کہ خلافت کا صرف نام ہی باقی رہ گیا اور عرب کا اقتدار دوسری قوموں مثلاً فارس و دیلم و ترک و بربر میں چلا گیا اور معتصم کے زمانہ سے فوج کے دفتر میں ایک عربی بھی باقی نہ رہا۔

اس دور کی خصوصیات

(۱) وسعت تمدن | جب ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تاکہ وہ بلاد اسلامیہ کا دارالخلافہ بنے اور اس کی بنا میں اس درجہ ندرت پیدا کی کہ وہ اس زمانہ میں دنیا کے تمام شہروں پر

فائق ہوگیا اور جب وہ بالکل تیار ہوگیا تو وہاں پر تمام اسلامی شہروں سے علماء کو جمع کیا اور اسی طرح ہر طرز و طریقہ کے تجار و صناعوں کو جمع کیا اس کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا کہ وہ تمام شہروں میں ممتاز اور صحیح معنوں میں عروس البلاد کی دلھن بن گیا اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ ہوگئی اور دجلہ کے کنارے پھیلتا چلا گیا چنانچہ مغربی کنارہ مدینۃ منصور تک اور مشرقی کنارہ مدینۃ مہدی تک وسعت پا گیا چونکہ اس کی تعمیر میں عربی و فارسی و رومی تینوں دماغوں نے کام کیا تھا اور ہر دماغ نے اختراع و ایجاد کی اپنی پوری صلاحیتیں اس پر صرف کی تھیں اس لئے بغداد حقیقت میں تمام شہروں کا سرتاج بن گیا۔

اگر آپ مملکت اسلامیہ کی حدود پر نظر ڈالیں تو مغرب میں آپ کو شہر قرطبہ جو جزیرہ اندلس میں ہے نظر آئے گا جو بغداد کی برابری کا دعویدار ہے یہ شہر امیر جلیل عبدالرحمن بن معاویہ بانی دولت امویہ اندلس کا پایۂ تخت ہے۔ اور اگر آپ افریقیہ کی طرف متوجہ ہوں تو آپ کو شہر قیروان ملے گا جس کو افریقیہ رومانیہ کے شہروں کی عظمت ترکہ میں ملی ہے اور ان کا حسن و جمال وہاں منتقل ہوا ہے ایسے ہی شہر فسطاط یاد گے جو مصر کا دارالخلافہ ہے جس کی عظیم الشان مسجد میں علماء کے اجتہاد و استنباط اور عظیم الشان علمی یادگاروں کی امین ہیں انہی علماء میں سے عام لوگوں کے سامنے ائمہ مجتہدین کے نقطہ اور ان کے اختلاف کو واضح کیا اصحاب امام مالک میں ابن وہب اور ابن قاسم جیسا کون ہوگا اور اصحاب شافعی میں ربیع و مزنی جیسا کون ہوگا اور جامع فسطاط نے ہی امام شافعی کے علم کو ظاہر کیا اور اصحاب ابو حنیفہ میں ابو جعفر طحاوی کے مثل کون ہے؟ یہ تمام فسطاط کی بہترین یادگاریں ہیں اس شہر کے بارے میں مورخین نے جو کچھ لکھا ہے اس کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ اس شہر کے تمدن علم اور تجارت اور صنعت شہر بغداد سے کسی طرح کم نہ تھا پھر ذرا شہر دمشق کو دیکھو اگرچہ وہاں خلافت کی عظمت نہ رہی تاہم بنو امیہ کی عظمت جو اس کو میراث میں ملی تھی اس کا محافظ ہے اور کوفہ و بصرہ کو تو ہمیشہ ہی علماء اور حکماء کے مسکن ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ بغداد باوجود ان شہروں سے نزدیک ہونے کے اپنی عظمت سے ان کے چاند ستاروں کو ماند نہ کر سکا۔ کیونکہ بصرہ ہندوستان کی تجارت کا بڑا مرکز تھا اور کوفہ عربی عنصر کا مستقر تھا اور اگر مشرق کی طرف رخ کرو تو مرو اور نیشاپور وغیرہ بڑے دعوت نظارہ دیتے نظر آئیں گے اور وسعت تمدن سے تجارت زراعت وصناعت کے دائرہ کی وسعت لازمی ہے چنانچہ اس دور میں یہ سب چیزیں عروج پر پہونچی ہوئی تھیں حتی کہ دنیائے اسلام کا تمدن ہر تمدن پر سبقت پا چکا تھا کیونکہ وہ مختلف تمدنوں کا خلاصہ تھا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ فقہ میں اس کا اثر بہت بڑا تھا کیونکہ اس منصب پر قائم رہنے والے کے

لئے مختلف مسائل کی ترتیب اور وضع کرنے کی ضرورت تھی تاکہ وہ جوابات کا صحیح استنباط کر سکے۔

(۲) اسلامی شہروں میں علمی حرکت | پہلے دور کے آخر میں علمی حرکت کی ابتدا ہوئی اور اس دور میں اس نے خوب خوب ترقی کی کیونکہ قدیم تمدن کی باتیں عرب مفکرین کے دماغوں میں پہنچ چکی تھیں اور اس کے دو سبب تھے۔

پہلا سبب تو یہ تھا کہ اسلام میں موالی یعنے غلام بکثرت داخل ہو چکے تھے جن میں اکثر فارسی و رومی و مصری تھے ان میں سے بعض وہ تھے جو بچپن کی حالت میں قید ہوئے اور اپنے مسلمان آقاؤں کی آغوش میں تربیت پائی اور جو علوم اسلامیہ ان کے پاس تھے اس کے وہ وارث بنے جس کی بنیاد کتاب و سنت تھی چنانچہ انھوں نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور اس جماعت میں عربی عنصر کے مقابلہ میں بڑے بڑے قرار اور جلیل القدر محدثین نکلے اور ان میں بعض وہ لوگ تھے جنھوں نے بڑی اور پختہ عمر میں اسلام قبول کیا اور اس کا نتیجہ افکار کی آمیزش اور عقلوں کی پختگی ہے۔ اور اس دور کی ابتدا کے وقت ان موالی کی بڑی شان سیاست مدنی میں پیدا ہو چکی تھی کیونکہ خلافت عباسیہ کا قیام جب ہوا ہے تو دولت عباسیہ کے موالیوں کی قیادت اہل خراسان و عراق کر رہے تھے اور اسی بنا پر وہ حکومت کے شریک ہو گئے اور اس سے ان کا علمی سیاسی اشتراک مکمل ہو گیا۔

دوسرا سبب، رومی و فارسی کی وہ کتب تھیں جن کا عربی زبان میں ترجمہ پہلے دور کے آخر میں شروع ہو چکا تھا اور اس دور میں اس کا اہتمام ابی جعفر منصور کے زمانہ سے جو خلفاء عباس کا دوسرا خلیفہ تھا اس طرف اور بھی زیادہ توجہ کی گئی اور یہ کام مامون بن رشید کے زمانہ تک تیسری صدی کی ابتدا میں ترقی کرتا رہا جو یونانی علوم اور ارسطو کے نظریات کا مداح تھا اس میں اور بھی کتابیں بکثرت شائع ہونے لگیں اور اہل کلام کی معلومات کا اصلی سبب بنیں ان متکلمین نے جن کے سرماموں کے زمانہ میں بہت اونچے ہو گئے تھے محدثین کو ان کے بلند مرتبہ سے گرانے کے قریب پہونچ گئے کیونکہ مامون ان کی جانب مائل تھا اور اسی میل کا نتیجہ مسئلہ خلق قرآن کی صورت میں ظاہر ہوا اور مامون محدثین کو اپنا عقیدہ بدلنے پر مجبور کرنے لگا اور جس شخص نے اس کے اس خط کو دیکھا ہے جو اس نے محافظ بغداد کے نام لکھا ہے وہ جانتا ہے کہ محدثین کے بارے میں متکلمین کی کیا رائے تھی رؤسا کے بارے میں لکھا تھا تو اس نے ان کو ایک ایک کر کے نام بنام لکھا ہے اور ان کے افکار پر طعن اور ان کے اخلاق پر طنز کیا ہے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مامون خلیفۃ المسلمین ہونے کے باوجود اس مسئلے میں غلطی پر تھا کیونکہ اس نے ایسے عقیدہ میں مداخلت کی ہے جس میں جمہور مسلمانوں کا اختلاف تھا

اور اہل علم کے ایک فریق کو مجبور کیا کہ وہ اس کی رائے کو اختیار کریں جو اس کی رائے ہے یہ آزادی فکر کا روکنا ہے جس کے جواز کی کوئی دلیل نہ تھی اور جملہ اہل حدیث اہل کلام کی اس حرکت کے خلاف کھڑے ہونے پر متفق اللسان تھے اور جمہور ان کے ساتھ تھے چنانچہ انھوں نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور اسی لیے ہمارے اور اہل کلام کے درمیان تعلق منقطع نظر آتا ہے بجز ان امور کے جن کو اہل حدیث ان سے نقل کرتے ہیں، لیکن خود انھوں نے جن امور کو لکھا ہے ان میں سے ہم کسی کا اثر نہیں پاتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس دور کی فقہ سازی میں ان کو بڑا موقع ملا عنقریب ان کے مناظرات کا ذکر آئے گا جو انھوں نے سنت اور قیاس کے بارے میں کیا ہے اور مشہور متکلمین کے سردار عمرو بن عبید متوفی ۱۴۴ھ اور ابو الہذیل علاف متوفی ۲۳۵ھ اور عمرو بن بحر جاحظ متوفی ۲۵۵ھ ہیں۔

(۳) حفاظ قرآن کریم کی زیادتی اور اس کے حسن ادا کی طرف توجہ | اس دور میں حفاظ قرآن کریم بہت زیادہ ہوئے اور تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے جیسا کہ اس کی تحریر پھیل گئی تھی مگر ہر خطہ کے مسلمانوں نے چند قراء کی برتری کا اعتراف کیا ہے جن کے اسماء مشہور ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) مدینہ منورہ میں، حضرت نافع بن ابی نعیم جو جعونہ کے مولی تھے حضرت ابن عباس کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور ۱۶۹ھ میں وفات پائی اور ان سے جن لوگوں نے قرأت کی روایت کی ان میں سے مشہور عیسیٰ بن مینا الملقب بہ قالون تھے جنھوں نے ۲۰۵ھ میں وفات پائی اور ابو سعید عثمان بن سعید مصری تھے جو ملقب بہ ورش تھے اور ۱۹۷ھ میں وفات پائی اور اکثر اہل مغرب انہی کی قراءت پڑھتے ہیں۔

(۲) مکہ مکرمہ میں، حضرت عبداللہ بن کثیر جو عمرو بن علقمہ کے مولی تھے ان کی اصل فارس سے ہے حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے پڑھا اور ۱۲۰ھ میں وفات پائی اور جن لوگوں نے ان کے قرأت کی روایت کی ان میں مشہور ابو الحسن احمد بن عبداللہ بزی تھے جو ۲۵۰ھ میں فوت ہوئے اور ابو عمر محمد تھے جن کا لقب قنبل تھا جنھوں نے ۲۹۱ھ میں وفات پائی اور یہ دونوں ابن کثیرؒ کے شاگردوں سے روایت کرتے ہیں۔

(۳) بصرہ میں، ابو عمرو بن علاء مازنی تھے جو دراصل کازرونی تھے حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا انھوں نے کوفہ میں ۱۵۴ھ میں وفات پائی اور ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں یحییٰ بن مبارک یزیدی مشہور ہیں اور یحییٰ سے ابو عمر حفص بن عمر دوری نے روایت کی جنھوں نے ۲۴۶ھ میں وفات پائی اور ابو شعیب صالح بن زیاد سوسی ہیں جنھوں نے ۲۶۱ھ میں

وفات پائی اور اکثر اہل سوڈان ابی عمر کے طریقہ کے مطابق قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

(۴) دمشق میں حضرت عبد اللہ بن عامر جنھوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کے شاگردوں سے پڑھا ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ اور ان کی قرات جنھوں نے روایت کی ان میں مشہور ابو الولید ہشام بن عمار دمشقی ہیں جنھوں نے ۲۴۵ھ میں وفات پائی اور ابو عمرو عبد اللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان ہیں جنھوں نے ۲۴۲ھ میں وفات پائی اور یہ دونوں حضرات ابن عامر سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) کوفہ میں (ا) حضرت ابو عاصم بن ابی النجود جنھوں نے حضرات علی و عثمان و ابن مسعود و ابی و زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے شاگردوں سے پڑھا اور کوفہ میں ۱۲۷ھ میں وفات پائی ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور شعبہ بن عیاش کوفی ہیں جنھوں نے ۱۹۳ھ میں وفات پائی اور حفص بن سلیمان ہیں جنھوں نے ۱۸۰ھ میں وفات پائی اور مصری انہی کی قرأت پڑھتے ہیں اور اکثر بلاد اسلامیہ میں بھی انہی کی قرأت پڑھی جاتی ہے۔

(ب) حضرت حمزہ بن حبیب زیات جنھوں نے حضرات علی و ابن مسعود و عثمان رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر پڑھا ۱۵۶ھ میں وفات پائی اور ان کے قرأت کی جنھوں نے روایت کی ان میں مشہور خلف بن ہشام بزار ہیں جنھوں نے ۲۲۹ھ میں وفات پائی اور عیسیٰ بن خالد ہیں جن کا لقب خلاد تھا جنھوں نے ۲۲۰ھ میں وفات پائی اور انھوں نے حضرت حمزہ کے شاگردوں سے پڑھا ہے۔

(ج) حضرت ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی جو بنی اسد کے مولی اور اہل فارس سے تھے حضرت حمزہ بن حبیب سے پڑھا ۱۸۹ھ میں وفات پائی ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور ابو الحرث لیث بن خالد ہیں جنھوں نے ۲۴۰ھ میں وفات پائی اور دوری جو ابی عمرو بن علاء کی روایت پڑھتے تھے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو قرا شیعہ کے نام سے مشہور ہوئے اور یہ اغیار پر اتقان و ضبط میں فایق ہیں شہرت میں حسب ذیل تین اشخاص بھی شہرت میں ان کے قریب قریب پہونچے۔

(۱) حضرت ابو جعفر یزید بن قعقاع مدنی جن کا ۱۳۰ھ میں انتقال ہوا اور ان کے دونوں راوی عیسیٰ بن وردان اور سلیمان بن جماز ہیں۔

(۲) حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمی جن کا انتقال ۲۰۵ھ میں ہوا اور ان کے دونوں راوی اویس و روح ہیں۔

(۳) حضرت خلف بن ہشام بزار جن کے راوی حمزہ بن حبیب ہیں اور ان کے دونوں راوی تاریخ فقہ اسحاق وراق اور ادریس خداد ہیں اور ان تینوں متقدمین کو قرار عشرہ کہا جاتا ہے اور ان قرار عشرہ کے ساتھ چار اور قرار ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) محمد بن عبدالرحمٰن مکی جو ابن محیصین کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے دونوں راوی بزی ہیں جو ابن کثیر کی روایت کرتے ہیں اور ابوالحسن بن شینوذ ہیں۔

(۲) یحییٰ بن مبارک یزیدی، جو ابی عمرو بن علار کی روایت سے پڑھتے ہیں اور ان کے دونوں راوی سلیمان بن حکم اور احمد بن فرخ ہیں۔

(۳) حسین بن ابوالحسن بصری فقیہ ہیں اور ان کے دونوں راوی شجاع بن ابی نصر بلخی اور دوری ہیں جو ابی عمرو بن علار اور کسائی کی روایت کرتے ہیں۔

(۴) اعمش سلیمان بن مہران ہیں اور ان کے دونوں راوی حسن بن سعید سطوعی اور ابوالفرج شنبوذی شطوی ہیں لیکن ان چار دل قرار کی قرارت نے تواتر کا درجہ نہیں پایا اسی لئے یہ قرآت شاذ کہلاتی ہے۔

ان قرارتوں میں بجز ان چند باتوں کے اور کوئی اختلاف نہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے لکھے ہوئے مضمون میں پایا جاتا ہے۔

اور یہ دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ قرارت علوم دینیہ کا ایک مستقل علم بن گیا چنانچہ علمار نے اس فن میں ایسی کتابیں لکھنا شروع کیں جن کا تعلق اس کی صحت ادا اور روایت سے ہے۔

(۴) سنت کی تدوین | یہ دور ترویج سنت کا بہترین تھا کہ راویان حدیث نے اس کی جمع و تدوین کی ضرورت کا خیال کیا اور تصنیف کے یہ معنے تھے کہ ایک ہی قسم کی احادیث کے بعض موضوع کو بعض موضوع میں ملا دیا جائے جیسے نماز کی احادیث اور روزہ کی احادیث اور جو اس کے مثل ہوں، اور یہ خیال تمام اسلامی شہروں میں قریب قریب ایک ہی وقت میں پیدا ہو احتی کہ یہ پتہ نہ چل سکا کہ کس نے سب سے پہلے اس میں سبقت کی، چنانچہ اس دور کے طبقہ اولیٰ کے مدونین میں مدینہ منورہ میں حضرت امام مالکؒ بن انس اور مکہ مکرمہ میں حضرت عبدالعزیز بن جریج اور کوفہ میں حضرت سفیان ثوری اور بصرہ میں حضرات حماد بن سلمہ اور بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ اور واسط میں حضرت ہشیم بن بشیر اور شام میں حضرت عبدالرحمٰن اوزاعی اور یمن میں حضرت معمر بن راشد اور خراسان میں حضرت عبداللہ بن مبارک اور رے میں جریر بن عبدالحمید تھے اور یہ ۱۴۰ھ کے اوپر چند سالوں میں تھے اور ان کتابوں میں احادیث صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال

تاریخ

جیسا کہ ہم موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں پاتے ہیں۔
ہ بعد دوسرے طبقہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دوسروں کے
ذاکرے لکھیں اور اس کا آغاز ۲۰۰ھ کے شروع میں ہوا پھر مسانید تصنیف کی گئیں جیسے مسند عبد اللہ بن موسی کوفی اور مسند مسدد بن مسرہد بصری اور اسد بن موسی مصری اور نعیم بن حماد خزاعی اور اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل، ان حضرات نے احادیث کو ان کے راویوں کے مسانید میں درج کیا۔ مثلاً مسند ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اس میں وہ تمام روایات درج کردیں گے جو آپ سے مروی ہیں پھر آپ کے بعد صحابہ کو یکے بعد دیگرے اسی ترتیب سے درج کریں گے لیکن ان مسانید میں اب صرف مسند امام احمد بن حنبل ہمارے پاس رہ گئی ہے۔

اس کے بعد اور ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے اپنے سامنے اس بڑی اور عظیم الشان دولت کو پایا تو اس نے اپنے لئے انتخاب کا دروازہ کھول دیا اور اس طبقہ کے سرخیل دو جلیل القدر امام سنت کے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری جعفی (جن کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا) اور مسلم بن حجاج نیشاپوری تھے (جن کا ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا) ان دونوں نے اپنی تصانیف کو روایات میں انتہائی دقت نظر اور انتخاب سے تصنیف کیا ہے کہ اس بارہ میں انتہائی درجہ تک پہونچ گئے اور بالکل ان کے نقش قدم پر ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اور ابو عیسی محمد بن عیسی سلمی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی المشہور بابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اور ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ تھے اور ان کی کتابیں اہل حدیث کی زبان پر کتب صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں جن کا مسلمانوں کے نزدیک بہت بڑا درجہ ہے کیونکہ ان کے راوی نہایت مستند ہیں خصوصاً بخاری و مسلم اور صرف انہی حضرات نے احادیث کی کتابیں نہیں تالیف کیں بلکہ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ اس راہ پر چلے ہیں لیکن ان لوگوں نے جو شہرت عظیمہ پائی ہے وہ اور کوئی نہ پا سکا۔

اس زمانہ کے لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی ہمتیں رواۃ حدیث تابعین کے اور ان کے بعد کے لوگوں کے حالات کی بحث میں صرف ہوئیں اور ان میں سے ہر شخص کی تعریف جس کا وہ مستحق تھا ضبط و اتقان و عدالت کی یا اس کے خلاف اوصاف بیان کردیں اور ان لوگوں کو اصحاب جرح و تعدیل کہا جاتا ہے کہ جن کو انھوں نے عادل قرار دیا ان کی روایت مقبول ہوئی اور جس کو انھوں نے مجروح قرار دیا اس کی روایت چھوڑ دی گئی اور کبھی اس حالت کے بیان میں اختلاف بھی ہوگیا کہ ہم بعض راویوں کو ایسے پاتے ہیں کہ اس کی عدالت، ضبط اور اتقان پر عام لوگوں کا اتفاق ہے۔

انتہائی بلند درجہ ہے اور بعضوں نے اسی راوی کے ترک پر اتفاق کرلیا جو انتہائی کمترین درجہ ہے اور اس کے درمیان بھی درجات ہیں کہ بعض بعض سے کمتر ہیں اور بعض اسناد ایسی ہیں جیسے چمکتا سورج حتیٰ کہ سننے والا اس کے صدق روایت کا یقین نہیں رکھتا اور بعض اس سے بھی کم۔

اس دور میں علم حدیث نے اس قدر ترقی کی کہ اب یہ ایک مستقل فن بن گیا اور بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوگئے تھے جنھوں نے حدیث ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا اگرچہ فقہ اور استنباط میں ان کو کچھ زیادہ کمال حاصل نہ تھا۔

(۵) مادہ فقہ میں نزاع' ان اصول سے جن سے احکام کا استنباط ہوتا ہے احکام مرتب کرنے والوں میں اسی زمانہ میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا اور یہاں ہم اس نزاع کی تفصیلی کیفیت بیان کرتے ہیں

(۱) احادیث میں نزاع' سابقہ دور اس حالت میں گزرا کہ احادیث ہی شریعت کی اصل بنیاد تھی کہ فتویٰ دینے والے جب قرآن مجید میں کوئی حکم نہ پاتے تو احادیث کی طرف رجوع کرتے لیکن زمانہ کی درازی اور رواۃ حدیث کی کثرت اور وضعی احادیث کی اشاعت نے اس میں بہت اختلاف پیدا کردیا حتیٰ کہ جو احکام کا استنباط کرنا چاہتا اپنے سامنے ایسی گھاٹی پاتا جس کو عبور کرنا مشکل ہوتا سنت صحیحہ کی تحقیق میں قبل اس کے نصوص کے سمجھنے میں اور اس سے احکام کے استنباط کرنے میں مشغول ہو تو اس نے ان دو لفظوں میں نزاع کے ابواب سے ایک باب کو کھول دیا۔

(۱) کیا حدیث شریعت اسلامی کے اصول سے ایک ایسی اصل ہے جو قرآن کریم کو مکمل کرنے والی ہے؟

(۲) اگر ہم ایسا کہیں تو اس کے اعتماد کا کیا طریقہ ہے؟ پہلے نقطۂ نظر سے تو ایک قوم نے احادیث کو مطلقاً چھوڑ دیا اور صرف قرآن کریم کو کافی قرار دیا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی کتاب "ام" کے ساتویں جز میں ایک باب یہی باندھا کہ "باب اس جماعت کے اقوال کی حکایت جس نے احادیث کو بالکل رد کردیا" اس میں ان کا قول بیان کیا انہی میں سے ایک آدمی کی زبان سے کہ اس نے اس سے کہا۔

"تم عربی ہو اور قرآن انہی کی زبان میں اترا جس میں تم ہو اور تم اس کے اچھے حافظ ہو اور اس کو اچھی طرح سمجھتے ہو اسی میں اللہ تعالیٰ کے فرائض ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا اگر کوئی شخص شک کرے کہ قرآن اس پر مشتبہ ہوگیا تو تم اس کو توبہ کراؤ گے اگر اس نے توبہ

کرلی تو بہتر ورنہ اس کو قتل کردو اس لئے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں فرمایا ہے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز کا اس میں بیان ہے) تو یہ بات کسی اور کے یا تیرے لئے کیسے جائز ہے کہ کسی چیز کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے کبھی تو کہے کہ فرض عام ہے اور کبھی کہے کہ فرض خاص ہے اور کبھی امر اس میں فرض ہے اور کبھی امر اس میں دلالت ہے اور اگر چاہے تو اباحت ہے اور اسی قسم کے اور بھی فرق ہیں۔

ایک حدیث ہے جس کو ایک شخص سے روایت کیا جاتا ہے وہ دوسرے سے وہ دوسرے سے یا دو حدیث یا تین حدیث حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادو اور میں نے تم کو اور اس کو جو تمہارے طریقہ پر ہے اس طرح پایا ہے کہ جس سے تم ملاقات کرتے ہو اس کو بھول چوک اور غلطی سے بری کرتے ہو حالانکہ تم نے اس کو صدق اور حفظ میں مقدم کیا ہے اور نہ میں نے کسی ایسے شخص سے ملاقات کی جس سے تمہاری ملاقات ہوئی ہو کہ وہ غلطی کرے یا بھول کرے یا اپنی حدیث میں خطا کرے بلکہ میں نے تم کو کئی لوگوں کے بارے میں یہ کہتے سُنا ہے کہ فلاں نے فلاں حدیث میں خطا کی اور فلاں نے فلاں حدیث میں اور میں نے تم کو یہ بھی کہتے سُنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حدیث کی بابت جس کے ذریعہ تم نے کوئی چیز حلال یا حرام کی ہو کہے کہ یہ علم خاصہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کہا ہے بلکہ تم نے یا جس نے تم سے حدیث بیان کی ہے اس نے خطا کی ہے اور تم نے جھوٹ کہا ہے یا جس نے تم سے حدیث بیان کی ہے اس نے جھوٹ کہا ہے تو تم اس سے توبہ نہیں کراتے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے کہ تو نے بہت برا کہا میں کہتا ہوں کہ کیا یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کے احکام میں فرق کیا جائے اور اس کا ظاہر ایک ہو اس کے نزدیک جس نے اس کو سنا اس کی خبر سے جس میں وہ ضعف ہو جو تم بیان کرتے ہو اور ان کی خبروں کو تم کتاب اللہ کا قائم مقام قرار دیتے ہو اور تم اسی سے دیتے ہو اور اسی سے منع کرتے ہو۔

پھر کہا کہ جب تم نے یہ حجت قائم کرلی کہ تم ان کی خبروں کو قبول کروگے اور ان میں وہ بات موجود ہے جو تم نے ان کی خبروں کو قبول کرنے کے بارے میں مقرر کی ہے تو تمہاری کیا دلیل ہے اس کے بارے میں جو اس کو رد کردے پھر کہا کہ میں اس سے کچھ بھی قبول نہ کروں گا جس میں وہم کا امکان ہو اور نہ میں اس کو قبول کروں گا کہ بجز اس بات کے بیان کروں جس کی میں اللہ پر گواہی دوں جیسے کہ میں اس کی اس کتاب سے گواہی دوں جس میں کسی حرف

کے بارے میں شک ہو یا جائز ہو کہ کوئی چیز اس کے احاطہ کے قائم مقام ہوا اور اس سے نہ ہو۔

اس قول کی حکایت اور اس کی دلیل سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ان اخبار کو رد کر رہا ہے جو علم کو مفید نہیں بوجہ جواز خطا و نسیان کے اپنے راویوں پر اور وہ سنّت کو اس حیثیت سے رد نہیں کر رہا ہے کہ وہ سنت ہے حتی کہ اگر وہ بات اس طریق سے ثابت ہو جائے جو علم کے مفید ہو جیسے سنت متواترہ تو اس کو قبول کیا جائے گا لیکن اس نے اس مذہب پر رد کے درمیان اس بات کی صراحت کر دی کہ وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے سنت کو اس حیثیت سے رد کر دیا کہ وہ سنت ہے اور کچھ لوگوں نے اس حیثیت سے سنت کو رد کیا ہے کہ وہ حکم قرآن کی تفصیل نہیں ہے چنانچہ کہا ہے کہ۔

> اور اس میں لوگوں کے دو مذہب ہو گئے ہیں ایک فریق تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا جب کہ کتاب اللہ میں تفصیلی حکم موجود ہو تو میں نے کہا کہ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوگا کہا کہ اس کو ایک بڑے معاملہ تک پہنچا دیا یعنے جس نے ایسا عمل کر لیا جس پر کم از کم نماز یا زکوٰۃ کا اطلاق کیا جا سکے تو اس نے اس فرض کو ادا کر دیا جو اس پر واجب تھا کہ اس کے لئے کسی وقت کے پابندی کی ضرورت نہیں اور اگر اس نے دن میں دو رکعت پڑھ لیں یا تمام عمر میں دو رکعت پڑھ لیں اور یہ کہدیا کہ کتاب اللہ میں جو چیز نہ ہو وہ کسی پر فرض نہیں اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ جس بارہ میں قرآن مجید کا حکم موجود ہے اس کے بارے میں حدیث قبول کی جائے گی تو یہ قول بھی اس قول کے قریب ہی ہوا جو یہ کہتا ہے کہ جس کا حکم قرآن میں نہ ہو اس کے متعلق حدیث قبول نہیں تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہوگا جو فریق اول کا ہے یا اس کے قریب اور اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس نے حدیث کو رد کرنے کے بعد پھر اس کو قبول کر لیا اور یہ کہ وہ نہ ناسخ و منسوخ کو مانتا ہے اور نہ خاص و عام کو اور یہ اس نے غلطی کی

اس کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں مذہبوں کی گمراہی کا طریقہ واضح ہے اور امام شافعی نے اس شخص کی شخصیت نہیں بتائی جس کی یہ رائے ہے اور نہ تاریخ نے اس شخص کو ظاہر کیا الا اینکہ امام شافعیؒ نے اپنے اس مناظرہ میں جو آپنے اصحاب رائے کے ساتھ کیا تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی تصریح کی ہے کہ یہ مذہب بصرہ کی طرف منسوب ہے اور بصرہ مرکز تھا حرکت علمیہ کلامیہ کا اور وہیں سے معتزلہ کے مذاہب پھوٹے جس میں ان کے بڑے بڑے معتزلہ مصنفین پیدا ہوئے

اور وہ اہل حدیث کے ساتھ جھگڑنے میں مشہور تھے ممکن ہے کہ یہ کہنے والا انہی میں سے ہو۔ اور مجھے اپنے اس گمان کی تائید اس بیان سے بھی ہوئی جو میں نے کتاب موسومہ تاویل مختلف الحدیث" مصنفہ حضرت ابی محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہؒ متوفی ۲۷۶ھ میں دیکھا جس کے شروع میں موصوف نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنی اطاعت کی سعادت عطا فرمائے اور تم پر اپنی حفاظت کا احاطہ کرے اور اپنی رحمت سے تم کو حق کی توفیق عطا فرمائے اور تم کو اس کا اہل بنائے کہ ان باتوں پر جن سے تم واقف ہو تفصیل سے لکھا ہے کہ اہل کلام اہل حدیث پر کیا عیب لگاتے ہیں اور ان کی ذلت کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں ان کی مذمت اور ہجو بیان کرتے ہیں ان پر جھوٹ اور ایسے متناقض روایتوں کے بیان کرنے کا الزام لگاتے ہیں جس سے اختلافات پیدا ہوئے اور کثرت سے مذاہب پیدا ہو گئے اور جماعتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور مسلمانوں کے آپس میں دشمنیاں پڑ گئیں ایک نے دوسرے کو کافر قرار دیا اور ہر فریق نے اپنے مذہب کے لئے ایک جنس حدیث سے تائید حاصل کر لی اس کے بعد مختلف فرقے جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ بعض احادیث بعض کی مخالفت کرتے ہیں تفصیل سے بیان کیا اور اس کے بعد اہل سنت کے خلاف سخت اعتراضات ایسی بلیغ عبارات میں جو دلوں پر اثر کریں نظام اور جاحظ بلیغ متکلمین کی طرف سے بیان کئے ہیں، پھر دوسرے باب میں متکلمین پر اپنا اعتراض لکھا ہے اور ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہی زیادہ اختلاف کا باعث بن رہے ہیں باوجودیکہ وہ دعوی کرتے ہیں معرفت قیاس اور غور و فکر کے اسباب مہیا کرنے کا چنانچہ ابوالہذیل علاف نظام کی مخالفت کرتا ہے اور نجار ان دونوں کی مخالفت کرتا ہے اور ہشام بن حکم ان سب کی مخالفت کرتا ہے اور اسی طرح ثمامہ بن اشرس ان سب کی غرض ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا خود مستقل مذہب نہ ہو کہ اس نے اپنی رائے سے قائم کر لیا ہو اور ہر ایک کے مذہب کے چند متبع بھی ہیں پھر نظام کی نہایت قبیح قول سے توصیف بیان کی اور خود اس کے اصحاب نے اس پر جو عیب لگائے اس کی صراحت کی اور اس کے وہ مسائل فقہیہ بیان کئے جس میں اس نے اجماع کی مخالفت کی مثلاً اس کا یہ قول کہ الفاظ کنایات سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ اس نے نیت بھی کی ہو اور یہ کہ نیند کسی حالت میں بھی ناقض وضو نہیں ہے اور نظام نے فقہاء صحابہ جیسے بڑے مفتیوں پر جو الزام لگایا ہے اس کا ذکر کیا پھر ابو الہذیل کا ذکر کیا اور اس کا بھی اسی طرح برائی کے ساتھ تذکرہ کیا تو اسی طرح عبیداللہ بن حسن قاضی بصرہ کی جس کا یہ قول ہے کہ ہر مجتہد صاحب الرائے ہے حتیٰ کہ اصول میں بھی اس کی صحت قائم رہتی ہے۔

اس کے بعد اصحاب رائے کا ذکر کیا اوران کے عیوب بیان کئے اور ابتدا امام ابوحنیفہؒ سے کی ہے اوران کے وہ مسائل ذکر کئے جس میں انھوں نے نصوص کی مخالفت کی ہے۔

پھر جاحظ کے بارے میں بحث کی ہے اوراس نے جو اہل السنت کی تنقیص کی ہے اور ان کی روایات کی جو ہنسی اڑائی ہے اس کا ذکر کیا ہے پھر حضرات اہل حدیث کا ذکر کیا اوران کے وہ اوصاف بیان کئے ہیں جن سے مسلمان اچھی صفت کے ساتھ موصوف ہوسکتے ہیں۔

بعض طعن کرنے والے ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ضعیف روایتیں بیان کرتے ہیں اور غریب روایتیں تلاش کرکرکے لاتے ہیں حالانکہ غریب میں علت ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ لوگ ضعیف اور غریب کو حق سمجھتے تھے اس لئے اس کی روایت نہیں کی بلکہ انھوں نے نیک و بد اور صحیح و سقیم سب کو اس لئے جمع کردیا تاکہ وہ ان کے درمیان فرق کریں اوران کا پتہ لگائیں چنانچہ ایسا ہی کیا۔

پھراس کے بعد اُن مقاصد کا ذکر کیا جس کے لئے کتاب لکھی گئی ہے یعنے ان احادیث کی طرف سے جواب دینا جس کے متعلق متکلمین نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ آپس میں متناقض ہیں یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے مناقض ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں امام شافعیؒ نے یہ رسالہ لکھا ہے یا اس کے تھوڑا عرصہ پہلے متکلمین کا اہل سنت پر بڑے بڑے حملے کئے۔ اور چونکہ اکثر متکلمین بصرہ میں تھے تو یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جس نے امام شافعیؒ سے مناظرہ کیا تھا وہ انہی میں سے ہوگا۔

یہ رائے اصحاب حدیث کی قوت سے ٹکرا کر چھپ گئی اور احادیث پر اعتماد کا مذہب غالب آیا اس صفت کی بناء پر کہ وہ قرآن مجید کے بعد اصول شریعت اسلامیہ کی ایک اصل ہے لیکن اس مذہب کے ماننے والے اس طریقہ کے بارے میں مختلف الرائے ہوگئے جس کی بناء پر احادیث پر اعتماد کیا جاسکتا چنانچہ بعض لوگوں نے خبر خاص کو رد کردیا جس کو فقہا کی زبان میں خبر واحد کہا جاتا ہے جو علم کو فائدہ نہیں پہنچاتی۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے اس شخص کی زبان سے جو اس رائے کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں یوں بیان کیا ہے۔

"حکام اور مفتیوں میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فتویٰ دے یا حکم کرے مگر احاطہ کی حیثیت سے اور احاطہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ جانے کہ ظاہر و باطن میں حق ہے اور اس سے اللہ پر گواہی دے سکے اور یہ قرآن مجید و احادیث ہیں جن پر اتفاق ہے اور یا پھر وہ

چیز جس پر لوگ اتفاق کرلیں اور اس میں مختلف نہیں ہیں تو حکم سب کا ایک ہے ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم ان میں سے بجز ان باتوں کے جس کو ہم نے بیان کردیا اور کچھ قبول نہ کریں مثلاً ظہر کی چار رکعتیں ہیں اس میں نہ نزاع ہے نہ کوئی مسلمان اس کی مخالفت کرتا ہے اور کسی کو اس میں شک کی گنجائش بھی نہیں۔

اس کے بعد انھوں نے اپنی غرض بیان کی کہ وہ علم جس کا اتباع واجب ہے اس کی چند اقسام ہیں۔

(۱) جس کو عوام نے عوام سے نقل کیا ہو جس سے اللہ و رسول پر گواہی دی جاسکے مثلاً جملہ فرائض

(۲) کتاب جس میں تاویل کا احتمال ہو اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہوسکتا ہو اور جب اس میں اختلاف ہو تو ظاہر پر عمل ہوگا اور اسکی عام باتیں ابداً باطن کی طرف نہ پھیری جائیں گی اگرچہ اس کا احتمال ہو البتہ لوگوں کے اس پر اجماع سے پھیری جاسکتی ہیں لیکن اگر اس میں وہ اختلاف کرجائیں تو ظاہری معنی ہی مراد ہوں گے۔

(۳) جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہوچکا اور اپنے سے پہلے کے لوگوں کا اس پر اجماع بھی بیان کیا ہو اگرچہ یہ ایسا کتاب وسنت سے نہیں کہتے میرے نزدیک یہ متفق علیہ حدیث کے قائم مقام ہے اس لئے کہ اتفاق رائے پر نہیں ہوسکتا رائے میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔

(۴) خبر خاص سے حجت اس وقت تک نہیں لی جاسکتی جب تک کہ اس کی نقل ایسے طریقہ پر واقع ہو کہ جس میں خطا کا امکان نہ ہو تو سنت کے متعلق اس رائے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے دلیل اسی وقت پکڑی جاسکتی ہے جبکہ وہ متواتر ہو کہ اس کو عوام عوام سے نقل کریں حتیٰ کہ وہ خطا سے پاک ہو لیکن پہلی رائے کی طرح جمہور اسلام نے اس رائے کو بھی ترک کردیا ہے اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث اس وقت تک قبول نہیں کی جاسکتیں جب تک کہ عوام عوام سے نہ نقل کریں یا شہروں کے فقہاء اس پر عمل کرنے پر متفق نہ ہوجائیں اور سابقہ وجہ پر ایک تیسری وجہ کا اضافہ کیا اور کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایک صحابی کسی فیصلہ کی روایت کرے کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیا ہے اور کسی صحابی نے اس روایت کی مخالفت نہیں کی تو اس سے ہم دو باتوں کی دلیل لیں گے ایک تو یہ کہ اس نے اس حدیث کو جماعت صحابہ میں بیان کیا اور دوسرا یہ کہ اگر انھوں نے اس پر رد نہیں کیا کسی ایسی جو اسکی مخالف ہو تو سمجھا جائے گا کہ وہ اس حدیث کو جانتے تھے گویا اس صحابی نے ان کو اس حدیث کی خبر دی تو یہ خبر ان کے عوام کی طرف سے ہوئی

اور یہی طریقہ ہے جس کی طرف فقہاء عراق مثلاً امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا میلان واقع ہوا اور اسی مطلب کو امام ابو یوسفؒ نے سوار اور پیادہ کے حصہ کے باب میں اپنی اس کتاب میں جس کو سیر الاوزاعی (نامی کتاب) کی تنقید میں لکھا ہے بیان کیا ہے۔ اور اس کو امام شافعیؒ نے (اپنی کتاب) ام میں بیان کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ تم کو وہ احادیث اختیار کرنی چاہئیں جس کو عوام جانتے ہیں اور شاذ (نادر) احادیث سے بچو کیونکہ ہم کو ابن ابی کریمہ نے حضرت ابی جعفرؓ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلوایا انھوں نے آپ سے گفتگو کی حتیٰ کہ عیسیٰؑ کے بارے میں جھوٹ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ نے لوگوں کے سامنے تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے عنقریب احادیث خوب خوب بیان کی جائیں گی تو مجھ سے جو احادیث ایسی بیان ہوں جو قرآن مجید کے مطابق ہوں تو وہ تو میری طرف سے سمجھو اور جو میری طرف سے ایسی احادیث بیان ہوں جو قرآن مجید کے خلاف ہوں تو وہ میری نہ ہوں گی اور حضرات مسعر بن کدام اور حسن بن عمارہ رحمہم اللہ نے حضرت عمرو بن مرہؒ سے انھوں نے حضرت بختری سے انھوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے تو سمجھ لو کہ وہی چیز زیادہ ہدایت والی اور زیادہ تقویٰ والی اور زیادہ حیات والی ہے' اشعث بن سوار اور اسماعیل بن ابی خالد حضرت شعبیؒ سے وہ حضرت قرظہ بن کعب انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں انصار کی ایک جماعت میں کوفہ آیا تو حضرت عمر بن الخطابؓ پیدل ہماری مشایعت کرتے ہوئے ایک مقام تک آئے (جس کا انھوں نے نام بھی بتایا) پھر آپ نے فرمایا کہ اے جماعت انصار کیا تم جانتے ہو کہ میں نے کیوں تمہاری مشایعت کی تو انھوں نے کہا کہ ہاں ہمارے اعزاز کا خیال کرتے ہوئے اس پر فرمایا کہ ہاں تمہارا اعزاز بھی تھا اور اس لئے بھی کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس آؤ گے کہ وہ قرآن مجید ایسے پڑھتے ہوں گے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ان کے سامنے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کم بیان کرنا اور مجھے تم اپنا شریک سمجھو اس پر قرظہؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث ہرگز بیان نہ کروں گا۔

ہم کو جہاں تک خبر ملی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بجز دو شاہدوں کے قبول نہ کرتے تھے اور اگر کتاب طویل نہ ہو جاتی تو میں تمہارے لئے حدیث کی سند بیان کرتا' اور حضرت علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول ہی

نہیں کرتے تھے اور روایت بہت زیادہ بڑھتی جاتی ہے اور اس سے نامعلوم باتیں بھی نکلتی ہیں اور نہ اس کو اہل فقہ جانتے ہیں اور نہ وہ کتاب وسنت کے موافق ہیں لہذا نادر و شاذ احادیث سے بچو اور ان احادیث کو اختیار کرو جس کو عام مسلمان جانتے ہیں اور جس کو فقہاء جانتے ہوں اور تمام اشیاء کا اسی پر قیاس کرو تو جو حدیث قرآن مجید کی مخالفت کرے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے اگرچہ روایت سے ثابت ہوئی ہو' ہم سے ایک ثقہ راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ میں اسی کو حرام کرتا ہوں جس کو قرآن نے حرام کیا ہے۔ خدا کی قسم مجھ پر کوئی بات نہ رکھیں۔ میں تو قرآن مجید اور مشہور احادیث کو امام اور رہنما بناتا ہوں اور اسی کا اتباع کرتا ہوں اور اسی پر ان باتوں کا قیاس کرو جو تم کو پیش آئیں اور قرآن وسنت میں موجود نہ ہوں' لیکن امام شافعیؒ نے اس رائے پر اعتراض کیا ہے اور اس کو رد کیا ہے اور جمہور اہل حدیث اس کے خلاف ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک تیسری رائے اور ہے جس پر امام مالکؒ اور ان کے اصحاب چلتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ سنت دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ائمہ وہی کہیں جو اس کے موافق ہو (اور اسی کی نسبت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے) دوسرے یہ کہ لوگوں کو اس میں اختلاف کرنے نہ پائیں (اور یہ وہی ہے جس کے بارہ میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اسی کو ہم متفق علیہ قرار دیتے ہیں) اور اگر ہم اس بارہ میں ائمہؒ کا قول نہ پائیں اور لوگوں کو اس میں اختلاف کرتے پائیں تو اس کو رد کر دیں گے۔ ان کے نزدیک حدیث کی تحقیق کا یہ قاعدہ ہے کہ جس پر اہل مدینہ کا عمل ہے اور وہ اس پر متفق ہوں' اور امام مالکؒ نے اہل مدینہ منورہ کے عمل کو اور ان کے فقہاء کے اتفاق کو بڑی اہمیت دی ہے کہ سابقہ دونوں اعتبار پر ایک وسیلہ حدیث پر اعتبار کا زیادہ کر دیا' اور امام شافعیؒ نے اس مذہب کی تنقید میں اس کی اصل اور تطبیق دونوں پر تنقید کی ہے' میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک خط کی نقل کر دوں جس کو اس زمانہ کے سید فقہاء — بلکہ علم و اخلاق کے لحاظ سے جمیع بلاد کے فقہاء کے سردار یعنی حضرت لیثؒ بن سعیدؒ فقیہ مصر نے اپنے بھائی حضرت مالکؒ بن انس کو لکھا تھا جس میں ان کے مذہب پر اہل مدینہ کے عمل پر اعتماد کرنے کی وجہ سے جو اعتراضات ہوتے ہیں اس کو وضاحت سے لکھا ہے اور یہ خط دراصل اس خط کا جواب ہے جو ان کو حضرت امام مالکؒ نے لکھا تھا لیکن ہم کو یہ خط نہ ملا البتہ اس کا جواب حضرت ابی عبداللہ محمدؒ

بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ کی کتاب اعلام الموقعین میں ملا جو حضرت ابو یوسف یعقوب بن سفیانؒ قسوی کی کتاب تاریخ و معرفت سے نقل کیا گیا ہے چنانچہ حضرت لیثؒ فرماتے ہیں۔

آپ پر سلام ہو۔ میں تمہاری طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اما بعد اللہ تعالیٰ تمکو اور ہمکو عافیت دے اور دنیا و آخرت میں ہماری عاقبت کو بہتر بنائے مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے اپنا اصلاح حال لکھا ہے جس سے مجھے خوشی ہوئی یہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ دائم کرنے اور اس کی مدد پر شکر کرتے ہوئے پورا کرے اور اس کے احسان میں زیادتی کرے اور تم نے جو ذکر کیا ہے کہ تم نے ان خطوں کو دیکھا جو میں نے تم کو بھیجا اور ان کو اپنے پاس محفوظ رکھا ہے اور اس پر اپنی مہر لگائی ہے اور ہمارے پاس تمہارے خطوط پہنچے تو اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے اس بات کی جو تم نے اس خطوط کے ساتھ کیا تو تمہارے خطوط کے متعلق میں نے بھی یہی پسند رکھا کہ اس کی اس حقیقت تک پہنچوں جو اس میں تمہاری نظر کے مطابق ہوں اور تم نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو خطوط میں نے تم کو لکھے ہیں اس سے تم کو نشاط پیدا ہوا اس امر کی درستگی کے لئے جو تمہارے متعلق مجھے معلوم ہوئی تھی جس پر میں نے نصیحت کی ابتدا کی تھی اور مجھے امید ہے کہ اس کا میرے پاس کوئی مقام ہو اور یہ کہ اس بات سے تم کو کسی نے نہیں روکا تھا مگر یہ کہ تمہاری رائے ہمارے بارے میں اچھی تھی مگر میں نے تم سے اب جیسے مذاکرہ کر رہا ہوں کبھی نہیں کیا تھا اور یہ کہ تم کو خبر ملی ہے کہ میں لوگوں کو ایسے فتویٰ دے رہا ہوں جو اجماع کے مخالف ہیں اور مجھ کو اپنے نفس کا خوف ہے بوجہ اس اعتماد کے جو مجھ پر پہلے سے لوگ کرتے ہیں یہ اس وجہ سے تھا جو میں انکو فتویٰ دیتا تھا اور یہ کہ لوگ اہل مدینہ کے تابع ہیں جہاں ہجرت واقع ہوئی اور وہیں قرآن مجید نازل ہوا اور جو کچھ تم نے اس کے متعلق اپنی رائے لکھی وہ ان شاء اللہ ٹھیک ہوگی اور تم جو بات چاہتے ہو وہی واقع ہوگی اور میں کسی ایسے شخص کو جس کی طرف علم کی نسبت ہوگی مجھ سے زیادہ شاذ فتاوی کو برا سمجھتا ہوگا اور نہ گذشتہ علماء مدینہ کی فضیلت بیان کرنے میں مجھ سے زیادہ ہوگا اور نہ ان کے متفقہ فتاوی کو مجھ سے زیادہ قبول کرنا ہوگا اور اس پر اللہ کی تعریف ہے جو رب العالمین ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں لیکن آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں قیام تھا اور وہاں آپ پر صحابہؓ کے سامنے قرآن مجید کا نزول ہوا اور ان باتوں کا ان کو علم ہوا جو اللہ تعالیٰ نے

ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تعلیم دی اور یہ کہ لوگ اس بارہ میں ان کے تابع ہوتے تو واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا لیکن یہ جو تم نے ذکر کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم۔	اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں

جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔

تو ان سابقین اولین میں سے بہت سے تو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے نکلے اور فوج در فوج جمع ہوئے اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے ان کے سامنے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ظاہر کی اور انھوں نے اس میں سے کچھ نہیں چھپایا جو وہ جانتے تھے اور ان کے ہر لشکر میں ایک جماعت ہوتی تھی جو اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت سکھاتے تھے اور اپنی رائے سے ان معاملات میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور اس بات میں ان پر ابتداء حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم نے کی تھی جن کو مسلمانوں نے اپنے لئے منتخب کیا تھا اور یہ تینوں نہ مسلمانوں کی فوجوں کو ضائع کرنے والے تھے اور نہ ان سے غافل تھے بلکہ ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں ان کو اقامت دین کے لئے اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں اختلاف سے ڈرایا کرتے تھے تو انھوں نے کوئی ایسا معاملہ نہ چھوڑا جس کی قرآن نے تفسیر کی ہو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا مشورہ کیا ہو مگر یہ کہ ان کو انھوں نے سب کچھ بتا دیا جب کوئی موقع آیا تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر وشام وعراق میں حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عمل کیا حتیٰ کہ انھوں نے وفات پائی اس کے سوا انھوں نے کوئی حکم نہیں دیا تو مسلمانوں کی فوجوں کو یہ جائز نہیں کہ آج ایسی بات پیدا کریں جس کو ان کے سلف

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعین نے نہ کیا باوجودیکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں فتاویٰ کی بہت سی باتوں میں اختلاف کیا ہے اور اگر مجھے اس کا علم نہ ہوتا کہ تم ان اختلافات کو جانتے ہو تو میں تم کو وہ تفصیل سے لکھتا، پھر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعین نے بہت سی باتوں میں اختلاف کیا چنانچہ حضرت سعیدؒ بن المسیب اور ان کے مثل لوگوں نے سخت اختلاف کیا پھر جو لوگ ان کے بعد ہوئے انھوں نے اختلاف کیا چنانچہ میں ان کے پاس مدینہ منورہ وغیرہ مقامات میں حاضر ہوا اور اس وقت ان کے سرکردہ حضرات ابن شہاب و ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رحمہم اللہ تھے اور حضرت ربیعہؒ کو بعض گزشتہ باتوں کے متعلق جو اختلاف تھا وہ تم جانتے ہو اور میں حاضر ہوا اور ان کے بارے میں تمہارا اور اہل مدینہ کے اصحاب الرائے مثلاً حضرات یحییٰ بن سعید و عبیداللہ بن عمر اور کثیر بن فرقد وغیرہ رحمہم اللہ کے اقوال سنے جو ان سے زیادہ عمر رسیدہ تھے حتیٰ کہ اس کراہت کی وجہ سے آپ ان کی مجلس چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آپ اور عبدالعزیز بن عبداللہ سے میں نے مذاکرہ کیا اور جو اعتراض میں نے ربیعہ پر کیا تھا تم نے اس پر میری موافقت کی تھی کہ تم بھی ان کی وہ باتیں بری سمجھتے تھے جن کو میں ان کے حق میں بری سمجھتا تھا باوجودیکہ ربیعہؒ کے پاس خیر کثیر اور راسخ عقل، اور بلیغ زبان اور ظاہری فضیلت اور اسلام میں اچھا طریقہ اور اپنے عوام اور برادران اسلام کے لئے سچی محبت اور ہمارے لئے خاص طور پر محبت صادقہ تھی اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کو بخشدے اور ان کو ان کے اعمال کی اچھی جزا دے اور ہم جب حضرت ابن شہابؒ سے ملتے تو بہت اختلاف ہوتا تھا اور جب ہم میں سے کوئی ان کو لکھتا تھا تو بسا اوقات وہ ایک معاملہ کے بارہ میں اپنی صائب رائے اور علم کی بنا پر تین طریقوں سے لکھتے تھے جو ہر ایک دوسرے کے مخالف ہوتا تھا اور وہ یہ محسوس نہ کرتے تھے کہ انھوں نے اس بارہ میں پہلے کیا رائے لکھی ہے اور یہی وجہ تھی کہ میں نے ان کو چھوڑ دیا جس پر تم نے مجھ پر اعتراض بھی کیا اور تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میں نے کس مسئلہ کی وجہ سے انکار کیا وہ یہ کہ مسلمانوں کی چھاؤنیوں میں کوئی شخص بارش کی رات دو نمازوں کو جمع کرے اور ملک شام کی بارش تو مدینہ منورہ کی بارش سے زیادہ ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ان کے کسی امام نے بارش کی رات

میں نمازوں کو جمع نہیں کیا جن میں حضرات ابوعبیدہ بن الجراح اور خالد بن ولید اور یزید بن ابی سفیان وعمرو بن العاص اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم موجود تھے اور ہم کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال وحرام کو تم میں سب سے زیادہ جاننے والے معاذؓ بن جبل ہیں اور معاذؓ قیامت کے دن علماء سے ایک قدم آگے رہیں گے' اسی طرح حضرات شرجیل بن حسنہ اور ابوالدرداء اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہم بھی تھے اور مصر میں حضرت ابوذر رضا اور حضرات زبیر بن العوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما تھے اور حمص میں ستر اہل بدر صحابی اور تمام مسلمانوں کی چھاؤنیاں میں تھے اور عراق میں حضرات ابن مسعود اور حذیفہ بن الیمان اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم تھے اور خود امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کئی سال وہاں مقیم رہے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کافی اصحاب تھے کہ انھوں نے کبھی مغرب وعشار کو جمع نہیں کیا' اور ابن شہاب کے انہی مسائل میں ایک شخص کی گواہی اور صاحب حق کی قسم پر فیصلہ کرتا ہے اور تم کو معلوم ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فیصلہ نہ تو شام وحمص ومصر وعراق میں کیا اور نہ خلفاء راشدین حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے کیا پھر حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور جیسا کہ تم کو معلوم ہے کہ وہ احیاء سنن میں اور اقامت دین کی کوشش میں اور اصابت رائے میں اور علم میں کس مقام بلند پر تھے اور کس طرح سلف کے طریقہ پر کاربند تھے تو ان کو حضرت رزیقؒ بن حکم نے لکھا کہ تم مدینہ منورہ میں ایک شخص کی گواہی اور صاحب حق کی قسم پر فیصلہ کرتے تھے تو انھوں نے اس کا جواب دیا کہ ہم مدینہ منورہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے لیکن جب اہل شام کو اس کے خلاف فیصلہ کرتے دیکھا تو اب ہم دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر فیصلہ نہیں کرتے اور انھوں نے بھی کبھی بارش کی رات میں مغرب اور عشار میں جمع نہیں کیا حالانکہ بارش ان کے مکان پر ہوا کرتی تھی جو خناصرہ میں تھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ اہل مدینہ عورتوں کے مہر کے بارہ میں فیصلہ کرتے تھے کہ وہ جب چاہے اپنے مہر معجل کا مطالبہ کرے تو اس کو فوراً دیا جائے اور اہل عراق نے اس بارہ میں اہل مدینہ کی موافقت کر لی تھی بلکہ اہل شام

ومصر نے بھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی نے اور نہ ان کے بعد کسی نے کسی عورت کو اس کا مہر مؤجل بجز موت یا طلاق سے تفریق کے دلوانے کا فیصلہ نہیں کیا کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ کر سکے۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایلاء کا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ طلاق ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ مرد اس کی حد مقرر کر دے اگر چار مہینے گزر جائیں اور مجھ سے حضرت نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور وہی مہینوں کے گزرنے کے بعد حد بندی کے راوی ہیں کہ ایلاء جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے اس کے مطابق ایلاء کرنے والے کو یہ جائز نہیں کہ جب مدت ختم ہو جائے تو بجز اس کے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا تو رجوع کرے یا طلاق دیدے اور تم کہتے ہو کہ اگر وہ ان چار مہینے کے بعد جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ ٹھیر گیا اور تحدید نہیں کی تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اور ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرات عثمان بن عفان اور زید بن ثابت اور قبیصہ بن ذویب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم نے ایلاء کے بارے میں کہا ہے کہ اگر چار مہینے گزر جائیں تو اس پر طلاق بائن پڑ جائے گی اور حضرات سعید بن المسیب اور ابو بکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام اور ابن شہاب رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ جب چار مہینے گزر جائیں تو اس پر ایک طلاق واقع ہوگی اور عدت میں اس سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ جب مرد اپنی عورت کو اختیار دیدے کہ یا شوہر کے پاس رہے یا اپنے کو طلاق دیدے تو اگر اس نے شوہر کے پاس رہنا اختیار کیا تو بھی اس پر ایک طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر اس نے اپنے کو تین طلاق دیدیں تو بھی ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور عبدالملک بن مروان نے یہی فیصلہ کیا تھا اور حضرت ربیعہ بن عبدالرحمن بھی یہی کہا کرتے تھے اور لوگ اس بات پر متفق تھے کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس نے اپنے لئے ایک یا دو طلاق اختیار کر لیں تو اس میں رجعت کا حق ہے اور اگر اس نے اپنے نفس کو تین طلاق دیدی تو اس سے جدا ہو گئی اور اس وقت تک اس کے لئے وہ حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ

کرے اور اس سے جماع بھی کرے پھر اس کو طلاق دے یا مرجائے الا اینکہ وہ شوہر اسی مجلس میں اس پر رد کر دے اور کہدے کہ میں نے تجھے ایک طلاق کا مالک بنایا تھا اور اس پر قسم کھائے اور اس کے اور اس کی عورت کے درمیان چھوڑ دیا جائے گا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ جس شخص نے لونڈی کا نکاح کر دیا پھر اس کے شوہر نے اس کو خرید لیا تو اس شوہر کا اس لونڈی کو خرید لینا تین طلاق ہو گئیں اور حضرت ربیعہؒ بھی یہی کہتے تھے اور اگر کسی آزاد عورت نے کسی غلام سے نکاح کر لیا پھر اس کو خرید لیا تو بھی یہی مسئلہ ہے اور ہم کو تمہارے فتاوی کی خبر ملی ہے کہ جو ناپسندیدہ ہیں اور میں نے بعض کے متعلق تم کو لکھا بھی تھا لیکن تمہارا جواب نہیں آیا تو مجھے خوف ہوا کہ شاید تم پر یہ بارگراں بن گیا ہو تو میں جن امور کو ناپسند کرتا ہوں اس کے بارہ میں تم کو لکھنا چھوڑ دیا اور ان امور کے بارہ میں بھی جن پر میں نے تمہاری رایوں پر اعتراض کیا ہو جن میں سے یہ بھی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے حضرت زفرؓ بن عاصم ہلالی کو جبکہ انھوں نے نماز استسقاء پڑھنے کا ارادہ کیا اور یہ حکم دیا کہ خطبہ کے پہلے نماز پڑھیں تو یہ بات مجھے بری معلوم ہوئی اس لئے کہ نماز استسقاء کا خطبہ جمعہ کے دن کے خطبہ کے مثل ہے الا اینکہ جب امام خطبہ سے فراغت پانے کے قریب ہو تو دعا کرے اور اپنی چادر کو پلٹ دے پھر اتر کر نماز پڑھائے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم وغیرھما رحمہما اللہ نے ایسا ہی کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دعا اور خطبہ کو نماز پر مقدم رکھتے تھے اس لئے لوگوں نے زفر بن عاصم کے اس فعل کو ناپسند کیا اور تعجب سے دیکھا۔

اور انہی مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ اگر کسی مال میں دو شخص شریک ہوں تو ان دونوں پر صدقہ اس وقت تک واجب نہ ہوگا جب تک کہ ان میں سے ہر ایک کے حصہ میں اس قدر مال نہ ہو کہ جس پر صدقہ واجب ہو حالانکہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے خط میں ہے کہ دونوں پر صدقہ واجب ہے اور دونوں برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور تمہارے پہلے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ وغیرہ کے زمانہ میں اسی پر عمل تھا اور اس کی روایت حضرت یحییٰؒ بن سعید نے کی ہے جو اپنے زمانہ کے افاضل علماء سے کمتر نہ تھے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کی

مغفرت فرمائے اور جنت ان کا ٹھکانہ بنائے ۔

اسی طرح مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم اس کے بارہ میں کہتے ہو جو دیوالیہ ہو جائے اور اس کو کوئی شخص سامان فروخت کر چکا ہو اور اس نے قیمت کا ایک حصہ لے لیا ہو یا خریدار نے کچھ مال صرف کر دیا ہو تو جو سامان اب اس کے پاس باقی ہے وہ لے لے لیکن عام دستور یہ تھا کہ بائع نے جب قیمت کا کچھ حصہ لے لیا یا خریدار نے سامان کا کچھ حصہ صرف کر دیا تو اب وہ مال بعینہ وہ نہیں رہا ۔

اور انہی امور میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ بن العوام کو صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا اور لوگ سب یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ان کو دو گھوڑوں کے چار حصے دیئے البتہ تیسرے گھوڑے کا آپ نے ان کو حصہ نہیں دیا اور اس حدیث پر تمام لوگوں کا یعنی اہل شام و اہل مصر و اہل عراق اور اہل افریقیہ کا اتفاق ہے اس میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے تو تمہارے لئے یہ زیبا نہ تھا کہ اس طرح بیان کرتے اگرچہ کسی ایک محبوب شخص سے بھی تم نے سنا ہو اور اس طرح تمام امت کی مخالفت کرتے ۔

اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو میں نے چھوڑ دیں اور میں تمہارے لئے اللہ سے توفیق چاہتا ہوں اور طول بقا اس لئے کہ میں اس میں لوگوں کا نفع دیکھتا ہوں اور تم جیسے شخص کے جانے سے مجھے لوگوں کے ضائع ہونے کا ڈر ہے نیز آپ سے مجھے جو انس ہے اگرچہ مکان کی دوری ہے تو آپ کا تو یہ مرتبہ میرے پاس ہے اور میری یہ رائے آپ کے متعلق ہے تو اس کو یقین مانئے اور اپنی اور اپنی حالت اور بال بچوں کی خیریت اور اپنی یا اپنے کسی متعلق کی کوئی ضرورت ہو تو اس سے ضرور اطلاع دیجئے کہ اس سے مجھے بعد مسرت ہوگی اور ہم اب الحمد للہ بخیر و عافیت ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو اور آپ کو ان باتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائے جو اس نے ہم کو عطا کی ہیں اور جو نعمتیں اس نے ہم کو عطا کی ہیں وہ تمام فرمائے اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ۔

ہم نے اس خط کو مکمل تمہارے سامنے پیش کرنے کا اس لئے ارادہ کیا تھا تاکہ ادبی تنقید کی بہترین مثال ہو سکے کیونکہ ہم نے اختلاف کے بارہ میں اس سے زیادہ مہذب اور شریفانہ طریقہ نہیں پایا کاش ہم اپنے آباء کے نقش قدم پر چل سکیں ۔

لیکن شیعہ حضرات تو حدیث کو اسی وقت قابل اعتبار سمجھتے تھے جبکہ اس کی روایت ان کے ائمہ کے واسطے سے یا ان کے ذریعہ سے پہونچے جو ان کے مذہب پر ہو اور اس کے سوا سب چھوڑ دیا کرتے تھے کیونکہ جو حضرت علی رضؓ سے محبت نہیں رکھتا وہ اس بھروسہ کا اہل نہیں۔

اور اسی طرح خوارج نے ان احادیث پر انحصار رکھا جس کو وہ صحابہ میں سے دوست رکھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک احادیث وہی قابل اعتبار ہیں جو فتنہ کے پہلے ظاہر ہوگئیں اس کے بعد کی احادیث اور جمہور امت کو چھوڑ دیا اور ان کی دشمنی اختیار کی کیونکہ انھوں نے ان کے خیال کے مطابق ائمہ ظلم کی پیروی کی لہذا وہ ان کے اعتبار کے قابل نہ رہے لیکن وہ رائے جس پر عام اہل حدیث ہیں جن کے سرگروہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ ہے کہ حدیث کا اعتبار اس طرح ہوتا ہے کہ ایک عادل شخص دوسرے اپنے جیسے عادل سے روایت حاصل کرے حتی کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دے خواہ راوی ایک ہی کیوں نہ ہو اور اس کے علاوہ اور شرائط کا کوئی وزن نہیں رکھا اور اسی وجہ سے روایت کردہ حدیث کی قدر وقیمت کا اندازہ کرنے میں بڑا اختلاف ہوا۔ اسی لئے تم دیکھو گے کہ حنفی ایک حدیث پر اس کی شہرت کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور شافعی اس کے سند کے ضعف کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیتا ہے اور مالکی کسی حدیث کو اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ عمل اس کے خلاف رہا ہے اور اسی حدیث پر شافعی اس کے سند کی قوت کی بنا پر عمل کرتا ہے اور جب شراح اور حامیان مذاہب اور اس کے ناقدین کا زمانہ آیا تو انھوں نے اُن اُصولوں کو اختیار نہیں کیا جس کو ان کے ائمہ نے اختیار کیا تھا اور ان کے مخالفین پر ہر اس حدیث کی مخالفت کا الزام لگانے لگے جس کی سند صحیح ہو اگرچہ وہ ان شرائط کو پورا نہ کرے جس کی اس کے ناقدین نے شرط لگائی تھی اسی طرح ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہر اس حدیث کو کمزور قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس کو ان کے امام نے قبول نہیں کیا یا تو اس کی سند میں نکتہ چینی کر کے یا اور کسی وجہ کی بناء پر حالانکہ آسان طریقہ تو یہ تھا کہ وہ یہ کہدیتے کہ امام نے اس حدیث کو اس وجہ سے نہیں لیا کہ اس میں وہ شرط مکمل پوری نہ تھی جس کو امام نے حدیث پر عمل کرنے کے لئے ضروری کہا ہے اور عنقریب اور اس قسم کے بہت سے نظائر آپ کی نظر سے گذریں گے۔

(نزاع دوم) قیاس اور رائے اور استحسان میں نزاع۔ صحابہ اور تابعین جب قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں کوئی حکم نہ پاتے تو مجبوراً رائے کو اختیار کرتے جیسا کہ انکے

فتاویٰ سے ظاہر ہے رائے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے قواعد عامہ کی بناء پر کوئی حکم لگایا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

لاضرر ولاضرار — نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہونچانا۔

اور جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

دع ما یریبک الی مالا یریبک — جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑدو اور وہ چیز اختیار کرو جو تم کو شبہ میں نہ ڈالے۔

مگر وہ اصل معین کا اہتمام نہیں کرتے تھے جو محل حادثہ کے مشابہ ہو، جس کے متعلق وہ فتویٰ دے رہے ہوں جیسے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت محمد بن سلمہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے پڑوس کی نہر کو اپنی زمین میں سے گزر لے دیں کیونکہ اس سے اس کے پڑوسی کا تو فائدہ تھا لیکن محمد کو اس سے کچھ نقصان نہ تھا تو اس فتویٰ کی علت اصل عام سے ہے کہ مفید چیز جائز اور مضر چیز ممنوع لیکن انھوں نے اس کو کسی اصل معین پر قیاس کر کے یہ حکم نہیں دیا تھا اور اسی کو فقہار کی اصطلاح میں مصالح مرسلہ کہتے ہیں یعنی جس کی کوئی اصل معین نہ ہو' لیکن اگر اسی رائے میں کچھ وسعت ہو جائے تو پھر وہ نقصان کا باعث ہو سکتی ہے کیونکہ اس سے اکثر حدیثوں کے چھوڑنے تک نوبت آجائے گی خصوصاً جبکہ اس رائے والا احادیث کی چھان بین کرنے والا ماہر نہ ہو اور کسی شہر کے عالم کے لئے یہ آسان نہیں کہ اس کے علم میں وہ تمام احادیث ہوں جو دوسرے شہروں میں پھیلے ہوئے علماء کے پاس ہیں اور اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو رائے سے فتویٰ دینے میں وسعت کرتے ہیں اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف فتویٰ دیدے جو اس کو یاد نہ ہو اور دوسرے کو وہ یاد ہو اسی لئے فقہار نے اس خطرہ کو محسوس کر کے رائے کے دائرہ کو محدود کر دیا اور یہ شرط لگادی کہ رائے سے استنباط کرنے والے کے لئے ایک اصل معین ہونی چاہیئے جس کی طرف وہ فتویٰ دیتے ہیں رجوع کرے اور یہ اصل یا تو قرآن مجید ہوگی یا حدیث اور یہی قیاس ہے جس کو قرآن مجید اور احادیث کے بعد اصول شریعت میں سے ایک اصل قرار دیا اور اس میں فقہاء عراق نے بہت جدوجہد کی مگر وہ اکثر قیاس کو چھوڑ کر ایک ایسی بات کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کو استحسان کہتے ہیں چنانچہ حضرت محمدؒ بن حسن اکثر مبسوط میں کہتے ہیں کہ میں قیاس کو چھوڑ کر اس کو مستحسن سمجھتا ہوں کہ کبھی ان کا استحسان یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اثر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو مقتضائے قیاس کی مخالفت کرتا ہے یا اصول عامہ کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور اسی کو پہلے رائے کہا جاتا تھا۔

جانتے ہیں کہ قارئین کے سامنے وہ اصول رکھدیں جس سے اہل حدیث اور اہل الرائے کے موقف میں تمیز ہو جائے۔

اہل حدیث دو وجہ سے صرف احادیث کو اپنے سامنے رکھتے ہیں اول یہ کہ وہ قرآن کو مکمل کرنے والی ہیں دوسرے وہ خود مستقل احکام ہیں کہ شارع نے اس شخص کے لیے جو اسلام کو اپنا دین قرار دے اس کی حیثیت اطاعت کے لحاظ سے ایسی قرار دی ہے کہ اس کو ان علتوں کا سبب دریافت کرنے کی ضرورت نہیں جس کی شارع نے شریعت میں رعایت رکھی ہے اور نہ اس کے ایسے اصول عامہ قرار دیے ہیں جس کی طرف مجتہد رجوع کر سکے اور نہ مختلف ابواب کے خاص اصول رکھے ہیں اس لئے یہ صرف اس لفظ کے مقلد ہیں اسی لیے ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ جب کسی مسئلہ میں نص نہیں پاتے تو خاموش رہتے ہیں اور فتویٰ نہیں دیتے لیکن اہل رائے وقیاس نے شریعت کو معنی کے لحاظ سے عقلی قرار دیا اس کے لئے اصول عامہ قرار دئے جس کو قرآن مجید نے بیان کیا اور احادیث نے اس کی تائید کی اور اسی طرح ابواب فقہ سے ہر باب کے اصول بنائے جس کو قرآن مجید واحادیث سے مرتب کیا اور تمام مسائل جو پیش آتے ہیں ان کو انہی اصول کیطرف لے گئے جو اس باب میں آتے ہوں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی نص نہ ہو اور وہ احادیث کی صحت پر اہل حدیث ہی کی طرح اعتماد کر لیتے ہیں مگر وہ احادیث کی روایت زیادہ نہیں بیان کرتے اس لئے کہ ان کو اپنے اصولوں پر کافی بھروسہ ہے اور احادیث کے متعلق ان کی رائے بھی پہلے بیان ہو چکی ہے اور جب وہ ایسی احادیث پاتے ہیں جو ان اصولوں کی مخالفت کرتی ہوں اور ایسی احادیث صحیح ثابت ہو جائیں تو ان پر عمل کرنے سے نہیں ہٹتے اور اس وقت اس کو استحسان کہتے ہیں اور کبھی باب کے اصل معین پر قیاس کو چھوڑ کر اصول عامہ اختیار کر لیتے ہیں اس کو بھی استحسان کہتے ہیں اور جو شخص کہ ان مسائل سے واقف ہے جن کو ان فقہاء نے استنباط کیا ہے جو قیاس کے قائل ہیں اور وہی جمہور اسلام اس کو معلوم ہے کہ حضرت ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اگرچہ لفظ استحسان میں اپنے کو منفرد قرار دیتے ہیں لیکن استحسان کے معنی میں جملہ فقہاء ان کے شریک ہیں چنانچہ حضرت مالکؒ نے اس کو مصالح مرسلہ کا نام دیا ہے حالانکہ وہ بھی استحسان کی ہی ایک قسم ہے اور مذاہب مختلفہ میں آپکو بہت سے مسائل ملیں گے جن کی بنیاد یہی استحسان پر ہے۔

اور انہی قیاس اور استحسان کرنے والے جلیل القدر صحابہ اور سلف صالح ہیں جیسے دور اول میں حضرت عمرؓ اور دور ثانی میں حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں حضرات ربیعہ ابراہیم نخعی رحمہا اللہ۔

اس دور میں اہل سنت اور اہل رائے کے درمیان سخت اختلاف واقع ہوا جو ایک طرف قیاس واستحسان کے ماننے والوں پر عام ہے اور دوسری جہت اہل قیاس اور اہل استحسان کے درمیان بھی ہے اور یہ سب اہل الرائے کے خلاف ہو گئے جس میں اہل حدیث و متکلمین سب برابر کے شریک ہو گئے حالانکہ ان دونوں فریقوں کے درمیان آپس میں عداوت تھی کیونکہ شریعت کے بارے میں اہل حدیث کا خیال تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اور متکلمین شریعت کو محض ایک تعبدی (تقلیدی) چیز مانتے تھے جس میں غور و قیاس کی گنجائش نہیں کہ ہر وہ چیز جو شارع سے ثبوت کامل کے ساتھ ثابت ہو جس میں کوئی شک نہیں تو اس پر عمل لازم ہو جاتا ہے اس لئے وہ اہل حدیث کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ وہ تعبد محض ہے لیکن وہ اہل حدیث سے اس بات میں اختلاف رکھتے ہیں کہ حدیث کا اعتبار شریعت کے اصول میں ایک اصل کے لحاظ سے نہیں سمجھے۔

ہر ایک فریق اپنی حجت پیش کرنے لگا ہم نے بھی ایسی ایسی تحریریں اہل حدیث کی اور متکلمین کی دیکھی ہیں جن کے ذریعہ رائے کی ہنسی اڑائی گئی ہے مگر دونوں فریق میں ایک ہی روح کارفرما نہیں ہے کیونکہ اہل حدیث شریعت کو اس سے بالاتر سمجھتے تھے کہ وہ اہل الرائے کی رایوں کی جولانگاہ بن جائے اس لئے کہ شریعت اللہ کی طرف سے ہے خواہ وہ قرآن مجید ہو یا حدیث اور جو شریعت ایسی ہو وہ خطا اور اختلاف سے بعید ہے اور رائے انسان سے متعلق ہوتی ہے جس میں خطا کا بھی امکان ہے اور اصابت کا بھی اور یہاں اختلاف اور تفریق رونما ہو گی جس کی ہم کو ممانعت کی گئی ہے اور متکلمین کہتے ہیں کہ شریعت نے مختلف امور کو جمع کر دیا ہے کہ اس نے تمام احکام کو جمع کر دیا اور متشابہات کو الگ کر دیا اسی لئے اس کے احکام بھی مختلف ہو گئے اور اس قسم کے احکام بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو ایسے ہوں اس میں عقل کے غور کا میدان نہیں ہے۔

اور بہترین تحریر جو قیاس کی طرف سے مدافعت کرنے کی اور اس کو شرعی حجت قرار دینے کی ہم تک پہونچی ہے وہ یہ ہے جو ہم نے امام محمد بن ادریسؒ کے رسالہ رہولیہ میں اور کتاب ام میں پڑھی ہے اور قیاس کی تردید میں ہم نے جو بہترین تحریر دیکھی ہے وہ ہے جس کو حضرت داؤد بن علی امام اہل ظاہر نے لکھی ہے جو تیسری صدی کے نصف میں پیدا ہوئے اور اپنا مذہب اس بنیاد پر قائم کیا کہ قرآن مجید اور احادیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیا جائے حالانکہ اس زمانہ کے اکثر فقہاء نے قیاس کو شریعت کے اصول میں سے ایک اصل قرار دیا اور

سب سے پرانا قول امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے اور اسی لئے انھوں نے صرف اصحاب رائے کے نام سے شہرت حاصل کی۔ لیکن استحسان پر تو حضرت محمدؒ بن ادریس شافعی نے اپنے رسالہ میں اور کتاب الام کے ساتویں باب میں سخت حملہ کیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس شخص کے لئے جو حاکم یا مفتی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر خبر یقینی کے حکم لگائے یا فتویٰ دے اور وہ قرآن مجید ہے یا حدیث یا جس کو اہل علم نے کہا ہو اور اس میں آپس میں اختلاف نہ ہو یا اسی پر قیاس ہو لیکن استحسان کے ذریعہ حکم لگانا یا فتویٰ دینا جائز نہیں اور کیونکہ استحسان واجب نہیں اور نہ ان معانی میں سے کسی میں شامل نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ایحسب الانسان ان یترک سدی۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی بے لگام چھوڑ دیا جائے گا۔

اور قرآن مجید کا صحیح علم رکھنے والے جیسا کہ تم کو معلوم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے "سدی" وہ ہے جس کو نہ حکم دیا گیا اور نہ ممانعت کی گئی اور جس نے فتویٰ دیا یا حکم لگایا اس چیز میں جس کا اس کو حکم نہیں دیا گیا تو گویا اس نے اپنے نفس کو "سدی" میں داخل ہونے کی اجازت دیدی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم کرا دیا تھا کہ اس نے اس کو بے لگام (یعنے "سدی") نہیں چھوڑا اور یہ بھی ان کی رائے ہے کہ اگر اس نے یہ کہا کہ میں جو چاہتا ہوں کہتا ہوں اور دعویٰ کیا کہ قرآن مجید اور احادیث میں اس کے خلاف ہے تو اس نے انبیاء اور جماعت کے عام احکام کی مخالفت کی جس سے تمام لوگوں نے روایت کی، پھر اس کے بعد وہ فرماتے ہیں جس نے یہ کہا کہ میں استحسان نہ خدا کے حکم سے کرتا ہوں نہ رسول کے حکم سے تو اس نے خدا و رسول کے قول کو قبول نہیں کیا اور نہ اس کی تلاش کی جائے گی کہ اللہ اور رسول کے حکم سے کیا کہا اور اس قول کے کہنے والے کی بالکل کھلی غلطی ظاہر ہوگی کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں کہتا ہوں اور اس بات پر عمل کرتا ہوں جس کا نہ مجھکو حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا اور اس کا کوئی نمونہ نہیں جس کا مجھے حکم دیا گیا یا جس سے مجھے روکا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کے خلاف فیصلہ کیا اور کسی کو بغیر اطاعت اختیار کرنے کے نہیں چھوڑا۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ

جس نے یہ حق حاصل کر لیا کہ وہ بغیر یقینی خبر اور اس پر قیاس کے حکم یا فتویٰ دے تو اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس کے اس قول کا مطلب کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اگرچہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا اس نے کتاب و سنت کے مقصد کی مخالفت کی اور اسی کی زبان سے اس پر اعتراض ہوگا اور اس قول کا مطلب کہ میں اس بارے میں کسی کو نہیں جانتا مخالف ہوگا، اگر کہا جائے کہ وہ کیا ہے تو کہا جائے گا "کہ میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا کہ اس نے کسی عقلمند صاحب ادب کو اجازت دی ہو کہ وہ اپنے نفس کی رائے سے حکم یا فتویٰ دے یہانتک کہ وہ اس چیز کا عالم ہو جس پر کتاب و حدیث و اجماع اور متشابہات کی تفصیل کے لئے عقلی امور کا دار و مدار ہو، اگر وہ اس کا دعویٰ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ کیوں ان عقلمندوں کے لئے جن کی عقلیں قرآن و سنت جاننے والوں کی عقلوں سے زیادہ ہیں اور فتاویٰ میں بھی وہ سب سے زیادہ ماہر ہیں یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہیں جب کوئی بات ان کے سامنے پیش آئے جس کے متعلق مسئلہ وہ جانتے ہیں کہ اس بارے میں نہ قرآن مجید کا کوئی حکم ہے نہ حدیث میں نہ اجماع حالانکہ وہ سب عقل میں فہم میں عوام سے زیادہ بہتر طریقہ پر ظاہر کر سکتے ہیں، اگر تم یہ کہو کہ انکو اصول کا علم نہیں ہے، تو تم سے کہا جائے گا کہ خود تمہارے لئے کیا دلیل ہے کہ تم اصول جانتے ہو جبکہ تم خود بغیر اصل اور اصل پر قیاس کے کہتے ہو کیا تم کو خوف ہے کہ اہل عقول جو اصول سے ناواقف ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو اصول کو نہیں جانتے تو وہ قیاس بہتر نہیں کر سکتے ان باتوں کا جو وہ نہیں جانتے اور کیا تمہارا اصول کو جاننا اس پر قیاس کرنا تم کو سکھا دیا یا تمہارے لئے اس کا چھوڑ دینا جائز کیا ہے اور اگر چھوڑنا جائز کر دیا ہے تو ان کو تمہارے ساتھ گفتگو کرنا جائز ہے اس لئے کہ ان پر جس بات کا ڈر زیادہ ہے اس پر قیاس کا چھوڑ دینا یا اس میں خطا کرنا ہے میں انکو نہیں جانتا مگر یہ کہ صواب پر ان کی تعریف کروں گا اگر وہ تم سے نمونہ لئے بغیر کہیں گے اگر ان میں سے کسی کی تعریف کی جا سکتی ہو کہ وہ بغیر کسی نمونہ کے کہے کیونکہ وہ کسی نمونہ کو نہیں جانتا اسی لئے انھوں نے اس کو چھوڑ دیا اور تم سے زیادہ وہ خطا میں معذور ہیں کیونکہ انھوں نے تو ان باتوں میں خطا کی ہے جن کو وہ نہیں جانتے، اور تم کو میں ان سے زیادہ گنہگار سمجھوں گا جبکہ تم نے ان باتوں کو چھوڑ دیا جو تم جانتے ہو ان اصول پر قیاس کرنے کو جن سے تم ناواقف نہیں

ہو، اور اگر تم یہ کہو کہ ہم نے جو قیاس کو چھوڑا تو وہ اصل سے ناواقفیت کی بنا پر نہیں چھوڑ رہے تو کہا جائیگا کہ اگر قیاس حق ہے تو تم نے حق کی مخالفت کی اس کو جانتے ہوئے تو اس میں وہ گناہ ہے کہ اگر تم اس سے ناواقف ہو تو تم اس کے اہل نہیں کہ علم کے بارہ میں کوئی گفتگو کر سکو اور اگر تمہارا یہ زعم ہو کہ تمہارے لئے قیاس کا چھوڑ دینا اور جو کچھ تمہارے اوہام میں آگیا اور ذہنوں میں جم گیا اور تمہارے کانوں نے جس کو اچھا سمجھا اس کا کہنا جائز ہے تو تم نے قرآن وحدیث اور اس پر اجماع کے دلائل کی وہی صفت بیان کی جو ہم نے تعریف کی کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ علم یقینی کے بغیر کچھ کہے ۔

وہ پھر فرماتے ہیں۔

کہ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب حاکم اور مفتی کسی معاملہ میں جس میں حدیث کا کوئی حکم نہ ہو اور نہ قیاس ہو یہ کہے کہ میں اس کو مستحسن سمجھتا ہوں تو لازمی ہے کہ یہ خیال کرے کہ دوسرے کے لئے جائز ہے کہ اس کے خلاف استحسان کرے پھر ہر شہر کا حاکم اور مفتی جو بات مستحسن سمجھے گا وہی کہے گا تو ایک ہی چیز میں مختلف احکام اور فتاویٰ دئے جائیں گے تو اگر یہ ان کے نزدیک جائز ہو تو انھوں نے اپنے نفسوں کو مہلت دیدی کہ انھوں نے جیسا چاہا حکم کر دیا اگرچہ وہ تنگ ہو کہ اس میں داخل ہونا ان کے لئے جائز نہ ہو۔ اور اگر وہ شخص جو قیاس کا قائل ہے یہ کہے کہ لوگوں کو میرا کہا ماننا ضروری ہے، تو اس سے کہا جائے گا کہ کس نے تمہاری اطاعت کا حکم دیا ہے کہ لوگوں پر تمہاری اتباع ضروری ہو ذرا تم غور کرو کہ اگر تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اسی کا دعویٰ کرے تو تم اس کی اطاعت کروگے یا کہو گے کہ میں اس کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرونگا جس کی اطاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے تو اسی طرح کسی پر کسی کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اطاعت اسی کی واجب ہے جس کا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے اسکی اطاعت کا حکم دیا ہو، بلکہ طاعت تو اسی کی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول نے اطاعت کا حکم دیا ہو اور حق اسی میں ہے جسکی اتباع کا اللہ ورسول نے حکم دیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اس پر نص کے ذریعہ دلیل دی ہو یا دلائل سے استنباط کا حکم دیا ہو۔

مندرجہ بالا عبارت میں امام شافعیؒ نے جو کچھ کہا اس میں گویا وہ دیکھ رہے ہیں کہ محمدؒ بن حسن یہ کہتے ہیں کہ میں اس کو استحسان سمجھتا ہوں اور قیاس کو چھوڑ رہا ہوں اور ابو حنیفہؒ نے مستحسن سمجھ

اور قیاس کو چھوڑ دیا" اور ان سب کو اس شخص کے مقام میں رکھا جو بغیر کسی مثال کے محض اپنے وہم و خیال سے کہتے ہیں لیکن جن لوگوں نے حضرت محمدؒ بن حسن کے اقوال کی تفسیر کی ہے اور جو ان کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ استحسان کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی حدیث کی بنا پر یا کسی اصول عامہ کی طرف رجوع کیا جائے جو در اصل متقدمین کی رائے کا کام ہو یا کسی دوسری معین اصل کی طرف رجوع کیا جائے اور خود امام شافعیؒ نے قیاس کرنے والوں کے اختلاف کے بیان میں لکھا ہے کہ کبھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے جس میں قیاس کا احتمال ہوتا ہے تو دونوں اصلوں میں اس کی شباہت معلوم ہوتی ہے تو ایک شخص ایک اصل کی طرف اور دوسرا دوسری اصل کی طرف جاتا ہے جس سے وہ مختلف ہو جاتے ہیں اہل عراق کا استحسان کہنے کا مطلب مسئلہ کو دوسری اصل کی طرف جو خاص ہو یا عام لیجانا ہوتا ہے اور یہ قول بجز خواہش کے نہیں ہوتا بلکہ صرف لفظی بحث رہ جاتی ہے جو آسان ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ نے اپنی کتاب میں جس کا نام "رد علی محمد بن الحسن" ہے لکھا ہے کہ فقہ میں محمدؒ بن حسن جس اصل کی طرف گئے ہیں یہ ہے کہ فقہ میں کوئی بات بجز خبر یقینی یا قیاس کے نہیں کہی جا سکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس دور میں قیاس کو شریعت میں اصل قرار دینے کا مسئلہ بہت کامیابی حاصل کر گیا اگر چہ کہ اس کو بطور استنباط اختیار کرنے میں فقہاء ایک درجہ پر نہ رہے جیسا کہ حنفیہ اس میں بہت شدت اور غلو رکھتے تھے اور حنابلہ اور مالکیہ کا نفوذ اس میں بہت کم تھا اور شافعیؒ دونوں فریقوں کے درمیان تھے لیکن شیعہ اور اہل حدیث اس سے بہت دور تھے اور ظاہریہ نے اس کے چھوڑنے میں بہت غلو سے کام لیا۔

(سوم) اجماع کے متعلق نزاع' فقہاء بعض مسائل کی حجت بیان کرتے وقت یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے گویا اجماع بھی کتاب و سنت کی طرح دین کی ایک اصل قرار دیتے ہیں اور اس بارہ میں قرآن و احادیث کی نصوص سے جن کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت سے نکلنا حرام ہے دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد بجز اس کے کچھ نہیں کہ حلت و حرمت میں جماعت کی مخالفت کی جائے چنانچہ امام شافعیؒ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل لائے ہیں۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر	اور جو شخص رسول کی مخالفت کریگا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں

سبیل المومنین نولہ ما تولی کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہولیا تو ہم اکو ہم
ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔ میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔
چنانچہ فرماتے ہیں کہ مومنین کے راستے کے سوا راستہ کا اتباع ہی اجماع کی مخالفت ہے۔
لیکن جب اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کیا تو اس اجماع کا انکار کر گئے جس اجماع کے ان کے
مخالفین مدعی تھے اور اس سے انکار کر گئے کہ بجز اس فرض کے جس سے کوئی شخص لاعلم نہیں
رہ سکتا جیسے نمازیں اور زکوٰۃ اور حرام کی حرمت اور کسی میں یہ اجماع نہیں ہے لیکن خاص علم جس
کا نہ جاننا عوام کو نقصان نہیں پہنچاتا تو ہم اس کے بارہ میں دو قول ہیں سے ایک قول کہتے ہیں
جس بارہ میں ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اختلاف کیا ہم یہ کہدیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ انھوں نے
کن باتوں میں اختلاف کیا ہے اور جن باتوں میں اختلاف کیا ہے اس بارہ میں ہم کہیں گے کہ انھوں
نے اختلاف کیا اور اجتہاد کیا تو ان کے جو اقوال قرآن مجید یا احادیث سے زیادہ مشابہ تھے وہ
ہم نے لے لیا اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی دلیل نہ ملے حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ
دلیل نہ ملے یا وہ قول لیں گے جو ابتداء تصرف وانجام کے لحاظ سے اہل علم کے نزدیک مستحسن ہو
اور ان کے اختلاف پر یہ کہنا بھی صحیح ہوگا جیسا کہ میں نے بیان کر دیا کہ ہم یہ کہیں کہ یہ قول چند
لوگوں سے مروی ہے جنھوں نے آپس میں اختلاف کیا تو ہم نے دو کو چھوڑ کر تین کا قول اختیار کیا یا تین
کا چھوڑ کر چار کا اختیار کر لیا اگرچہ ہم اس کو اجماع نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اجماع اس شخص پر حکم ہوگا
جو ان لوگوں کی طرف سے نہ کہے جن کو ہم نہیں جانتے کہ اگر وہ کہتا تو کیا کہتا اور یہ اجماع کی روایت
کا ادعا ہے اور کبھی اس بات میں مخالف بھی پایا جاتا ہے جس میں اجماع کا دعوی کیا ہو۔

اور کسی مناظرہ کرنے والے نے ایک سوال کیا جس کا تعلق مجتہدین کی شخصیت سے متعلق
ہے تو اس کو فرمایا تو آپنے اس سے سوال فرمایا کہ " وہ اہل علم کون ہیں کہ جب وہ کسی بات پر اتفاق
کرلیں تو ان کا اتفاق حجت ہے" تو اس نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کسی شہر والے
فقیہ بنالیں اور اس کے قول پر راضی ہوجائیں اور اس کے حکم کو قبول کرلیں" اس پر آپ نے
بڑا طویل مناظرہ کیا پھر فرمایا۔

" میں کہتا ہوں کہ میں اہل کلام کے سب فرقوں کو اکثر شہروں میں پھیلا ہوا پاتا ہوں کہ انھوں نے
آپس میں ایسا ہی ایک شخص مقرر کر لیا ہے جیسا کہ تمہارا مقصود ہے اور تم بھی ایسے شخص کو اس مقام
پر رکھو رہے ہو جو تم نے بیان کیا کیا وہ بھی ان ہی فقہاء میں داخل ہیں جن کے اتفاق کے بغیر فقہاء کا

کلام قبول نہیں کیا جاسکتا یا یہ ان میں سے خارج ہوں گے؟"

پھر آپ نے اس سے دوسرا سوال کیا جو اجماع کے نقل سے متعلق تھا چنانچہ فرمایا۔

"تم اپنے قول پر غور کرو کہ حجت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ تمام شہروں کے فقہاء اس پر متفق نہ ہوجائیں تو کیا تم ان سب کے اتفاق کی صورت نکال سکتے ہو اور حجت اس وقت تک کسی ایک پر قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ ان سب سے نہ ملو یا عام طور پر لوگ ان لوگوں میں ہر ایک سے روایت نہ کریں"

تو اس نے جواب دیا کہ یہ ممکن نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم نے خاص خاص لوگوں کے نقل کرنے کو قبول کرلیا تو تم نے وہی بات قبول کرلی جس پر تم نے عیب لگایا اور اگر تم نے تمام نقل کے بغیر ہر فقیہ کے قول کو قبول نہیں کیا تو ہم تمہارے اس قول کی اصل نہ پائیں گے کہ جس پر تمام شہروں والے متفق ہوجائیں جبکہ ہم خواص کے نقل کرنے کو قبول نہ کریں کیونکہ ابتداءً اس کا کوئی طریقہ نہیں کیونکہ وہ تمہارے لئے کسی جگہ جمع نہ ہوں گے اور عام لوگوں کا عام لوگوں سے ان سے نقل کرنے کی خبر تم نہیں پاسکتے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کے پاس اجماع کے وجود سے انکار کی معقول وجہ موجود ہے کیونکہ یہ اس پر موقوف ہے کہ ہر زمانہ کے مجتہدین کی شخصیت کا علم ہو اور عوام عام طور پر اس کا اعتراف کریں اور اس مسئلہ میں جس کے متعلق فتویٰ لیا جارہا ہے ہر ایک شخص کا قول منقول ہو اور ان سے یہ قول ایک ایسی جماعت نقل کرے جو جھوٹ اور غلطی سے پاک ہو اور یہ بجز ان امور کے جو علم عام کہلاتے ہیں اور امور میں ممکن نہیں جیسے اس بات کا علم کہ فرض نمازیں پانچ ہیں اور یہ کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے اور اسی طرح کے اور امور۔ لیکن جس کو علم خاص کہا جاتا ہے تو بہت کم ایسا دیکھا گیا ہے کہ تم کوئی مسئلہ ایسا پاؤ جس کے متعلق آسانی سے کہہ سکو کہ ایک زمانہ کے مجتہدین نے اس کے جواب میں اتفاق کرلیا ہے اور اسی لئے حضرت امام احمدؒ سے منقول ہے کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے اور باوجودیکہ حضرت شافعیؒ حقیقت اجماع کا انکار کرتے ہیں پھر بھی وہ دین کی ایک حجت اس کو قرار دیتے ہیں کہ سلف سے حکم کو نقل کیا جائے اور ان کو اس میں کسی اختلاف کا علم نہ ہو گویا ان کے نزدیک اختلاف حجت کی تعبیر میں ہے نہ کہ نفس حجت میں۔

اور احناف اکثر اجماع سکوتی کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص جواب دے اور سب خاموش رہیں لیکن جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں وہ اس کو تائید حدیث کا ایک طریقہ سمجھتے ہیں جیسا کہ اس سے

پہلے سنت کی فصل میں بیان کیا جا چکا ہے گویا وہ اعتراض چھوڑ دینے کی وجہ سے صحت حدیث پر موافقت کر رہے ہیں تو یہ ان کے عام لوگوں کی متفقہ خبر ہوئی کیونکہ اگر ان کے نزدیک کوئی حدیث ایسی موجود ہوتی جو اس کے مخالف ہوتی تو وہ رد کرنے میں تامل نہ کرتے۔

اور امام مالکؒ اکثر یہ فرماتے ہیں کہ "یہی مسئلہ ہمارے پاس متفق علیہ ہے" اور وہ بھی اس کو ایک طریقہ تائید حدیث کا سمجھتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیشتر بیان کر دیا اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن مجید اور احادیث سے کوئی حکم نہ ملے اور اس کے متعلق سلف کا کوئی فتویٰ مل جائے اور ان میں کسی سے اس فتویٰ کے بارہ میں اختلاف معلوم نہ ہو تو جمہور فقہاء اس کو دین میں حجت قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کا یہ اجتماع کسی رائے کی بناء پر نہیں ہوتا ہے کیونکہ رائے میں اختلاف ضروری ہے اور یہ حقیقت میں سنت پر عمل کرنے کی طرف راجع ہے۔ اور اختلاف کا نہ ہونا کسی سنت کے وجود کی دلیل ہے جس پر فتویٰ کا دار و مدار ہے چنانچہ ایسا مسئلہ جس میں علماء نے اجتہاد کیا ہو اس میں انصاف بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔

(چہارم) نزاع اس عظیم مسئلہ میں جس پر تکلیف احکام شرعیہ کا دار و مدار ہے۔

احکام شرعیہ کی تکلیف کا دار و مدار صرف دو حکموں پر ہے۔ کرو اور نہ کرو اور انہی دونوں میں سے پہلے کو امر دوسرے کو نہی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں امر بھی ہے نہی بھی اور احادیث میں بھی امر و نہی ہے تو جس بات پر دونوں کا امر یا دونوں سے منع ثابت ہو تو کیا؟ دونوں حکم کے لازمی ہونے میں فرض اور منع میں حرام ہیں یا دونوں کے احکام میں کچھ مراتب ہیں حتیٰ کہ ان کے موکد ہونے کی دوسری دلیل کی ضرورت ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں کا امر اور دونوں کی نہی لازمی ہے تو اگر مامور بہ عبادات اور معاملات میں دوسرے امر سے مربوط ہو تو کیا اس کا چھوڑ دینا مخل ہوگا؟ جس سے وہ مربوط ہے اور اس خلل کی مقدار کیا ہوگی؟ اور اسی طرح جس سے منع کیا جائے وہ بھی کسی چیز سے مربوط ہو تو کیا اس کا فعل کسی چیز میں موثر ہوگا؟ اور اس تاثیر کی مقدار کیا ہوگی؟ اس مسئلہ میں ہم چند مثالیں دیتے ہیں جن سے مقصود کی وضاحت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلاث مرات	اے ایمان والو غلام اور اُن لوگوں کو تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہونچے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیئے۔

تو یہ اجازت لینے کا امر کسی دوسری شئے سے مربوط نہیں ہے، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یاایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلاۃ فاغسلوا وجوھکم۔ — اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

تو یہ امر وضو کا عبادت سے یعنی نماز سے مربوط ہے اور فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یاایہا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ۔ — اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک (کے لئے) تو اسکو لکھ لیا کرو۔

تو یہ لکھنے کا امر بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ اور ارشاد فرمایا

یاایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ — اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہر میں) طلاق دو۔

تو اس امر میں بھی طلاق میں ابتدائی عدت کے خیال رکھنے کا جو حکم ہے وہ بھی ایک مقصد یعنی طلاق ذریعہ ہے تاکہ وہ مطلقہ کے لئے ضرر کا سبب نہ ہو۔

توکیا یہ کہا جائے گا کہ ہر وہ چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حتمی ہے اور یہ اگر کسی دوسری چیز سے مربوط ہو تب بھی حتمی ہوگا اور اگر وہ چھوڑ دی جائے جس میں وہ مربوط ہے تو نماز بغیر وضو کے باطل ہوگی اور بغیر کتابت کے قرض باطل ہوگا اور اس کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا اور اگر عورت حائضہ ہو تو طلاق باطل ہوگی — اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ — اور جس جان (کے قتل) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو بغیر حق کے قتل مت کرو۔

تو قتل جس سے منع کیا گیا ہے وہ کسی دوسری چیز سے مربوط نہیں ہے — اور ارشاد فرمایا۔

یاایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلاۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون — اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

تو قرار دیا کہ مست کا نماز پڑھنا نماز کے ساتھ مربوط ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مناجات کا صحیح موقع حاصل کر سکے اور فرمایا۔

یاایہا الذین امنوا اذا نودی — اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ)

للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع۔ — کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید فروخت (اور دوسرے مشاغل جو ہیں چھوڑ دیا کرو۔

تو بیع جس سے منع کیا گیا ہے وہ نماز کی حفاظت کے لئے ہے اور فرمایا۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احدٰھنّ قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئا۔ — اور اگر تم بجائے ایک بی بی کے دوسری بی بی کرنا چاہو اور تم اس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو۔

تو لینا جس سے منع کیا گیا ہے وہ مربوط ہے طلاق سے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ہر وہ چیز جس سے منع کیا گیا ہے حتمی ہے اور یہ کہ جب وہ کسی چیز سے مربوط ہو تو وہ بھی حرام ہوئی اور اس حرمت سے متاثر ہوئی اور اس تاثیر کی مقدار کیا ہے؟ اس کا بالکل باطل ہو جانا یا فقط اس کا نقصان مثلاً کہا جائے گا کہ اذان کی آواز سننے کے بعد بیع اور طلاق کے بعد مال کا لینا وہ مست شخص کی نماز حرام ہے تو ان صورتوں میں اُس کے اثر کی کیا مقدار ہوگی۔ اسی طرح احادیث میں بھی اوامر و نواہی موجود ہیں تو کیا تمام وہ باتیں جن کا حکم دیا گیا اور جن سے منع کیا گیا حتمی ہیں اور جن چیزوں پر یہ مربوط ہے اُن کے مخالفت کے اثر کی مقدار کیا ہے۔

یہ مسئلہ باوجودیکہ اہم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا وہ شریعت کی بنیاد ہے اس دور کے فقہاً نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ اس کی تفصیل اور اجمال میں بہت سے اختلاف کئے ہیں۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے کتاب الام کے پانچویں جز صـ۱۲۷ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید واحادیث اور عوام کے کلام میں امر کے کئی معانی کا احتمال ہے۔

(اوّل) یہ کہ اللہ عزوجل نے اولاً پہلے کسی چیز کو حرام کیا ہے پھر اس کو جائز قرار دیا تو گویا یہاں پر امر کے معنے حرام کو حلال کرنا ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

واذا حللتم فاصطادوا۔ — اور جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کیا کرو۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔ — پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے احرام کی حالت میں شکار کو حرام کیا اور اذان کے وقت بیع کو حرام کیا پھر ان کو حرام اوقات کے علاوہ حلال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واٰتوا النساء صدقاتھن نحلۃ فان طبن لکم عن شئی منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا۔ اور تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزو تو تم اسکو کھاؤ مزہ دار خوشگوار سمجھ کر۔

اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا۔ پس جب قربانیاں (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ۔

ان۔ اللہ عز وجل کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس کی بہت مثالیں ہیں مگر احرام سے فارغ ہونے کے بعد شکار کرنا اور نماز جمعہ کے بعد تجارت کے لئے علیحدہ ہونا اور اگر عورت بخوشی مہر چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی کا گوشت کھانا واجب اور فرض نہیں ہے اس کا احتمال ہے کہ ان کو بتایا ہو کہ نکاح میں کیا بھلائی ہے اسی کی طرف متوجہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم۔ اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔

اس لئے کہ اللہ عز وجل نے اس کی یہ مصلحت بتائی۔

ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ۔ اگر وہ لوگ مفلس ہونگے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح غناء اور عفت کا ایک سبب ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ۔

سافروا تصحوا و ترزقوا۔ سفر کرو تو صحت پاؤ گے اور رزق ملے گا۔

کہ یہ ایک دلالت ہے نہ یہ کہ طلب صحت و رزق کے لئے سفر کرنا فرض ہو۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نکاح کا حکم لزوم کا ہو کیونکہ جو بات اللہ کی طرف سے فرض بتائی جائے اس میں فائدہ بھی ہے اس لئے فرض اور بھلائی جمع ہو جائیں گے

اور بعض علماء نے کہا کہ جملہ احکام اباحت پر ہیں اور رشد پر دلالت حتمی ہے، دلالت کتاب یا سنت یا اجماع سے اس بات پر ہو گی کہ حکم سے لزوم مراد ہو گا تو وہ فرض ہو گا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد کہ۔

واقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ ۔ تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

تو یہ دلیل ہے کہ یہ دونوں حتمی ہیں اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ

خذ من اموالھم صدقۃ ۔ آپ انکے مالوں میں سے صدقہ (جسکو یہ لاتے ہیں) لے لیجئے۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ

واتموا الحج والعمرۃ للہ ۔ حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ۔ اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنے اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک پہونچنے کی۔

اللہ تعالیٰ نے اس میں حج اور عمرہ کا ذکر ایک ساتھ کیا اور فرض میں حج کا علیحدہ ذکر کیا اسی لئے اکثر اہل علم نے عمرہ کو لزوم میں نہیں گنا اگرچہ ہم یہ نہیں چاہتے کوئی مسلمان اس کو چھوڑے اور اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

اور جس سے اللہ تعالیٰ منع فرما دے تو وہ بالکل حرام ہے جب تک ایسی دلیل نہ مل جائے جس سے یہ ثابت ہو کہ اس سے ممانعت حرمت کے لئے نہیں ہے بلکہ اشد یا تنزیہ یا اس کا ادب ملحوظ ہے اس وقت تک حرام سمجھی جائے گی اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی طرح ہے۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ امر فرض ہے اس وقت تک وہ غیر فرض رہے گا اس سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ امر و نہی کے درمیان جو فرق ہم نے بیان کیا ہے اس پر وہ دلالت ہو اور جو کچھ ہم نے ابتدا ر کتاب میں قرآن اور سنت سے بیان کر دیا اور اسی کے مشابہ امور سے اسی لئے ہم نے خاموشی اختیار کی کہ جن امور کو ہم نے بیان نہیں کیا ان سے وہ بہت زیادہ اور کافی ہے جن کو ہم نے ذکر کر دیا۔ حضرت سفیان ؒ نے محمدؒ بن عجلان سے انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ذرونی ما ترکتکم فانه انما هلك من كان قبلكم بكثرة سؤالهم واختلافهم على انبيائهم فما امرتكم به من امر فأتوا منه ما استطعتم وما نهيتكم عنه فانتهوا۔

میں جس چیز کا بیان کرتا تم سے چھوڑ دوں تم بھی چھوڑ دو کیونکہ تمہارے پہلے کے لوگ ان کے کثرت سوال سے اپنے انبیاء سے اختلاف کی وجہ ہلاک ہو گئے لہذا میں تم کو جس بات کا حکم دوں اس کو بجالاؤ جتنا تم کر سکو اور جس سے میں تم کو منع کر دوں اس سے بچو۔

اور کبھی امر کے متعلق احتمال ہوتا ہے کہ امر نہی کے معنے میں ہو تو وہ دونوں لازمی ہوں گے الا اینکہ اس کی دلالت مل جائے کہ وہ دونوں غیر لازمی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ فاتوا منه ما استطعتم علیکم[1] کہ اس کو بجالاؤ جس کی تم کو استطاعت ہو دراصل حکم کا بجالانا ہے ان امور میں جس کی استطاعت ہو کیونکہ لوگ اسی کے مکلف ہیں جس کی ان کو استطاعت ہو اور فعل میں شئے کی استطاعت ہی حقیقی چیز ہے کیونکہ وہ تکلیف سے کیا جاتا ہے۔ لیکن نہی سے مراد یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس کے چھوڑنے کی استطاعت ہو کیونکہ وہ کوئی نئی چیز کی تکلیف نہیں دیتا ہے بلکہ وہ ایسی چیز ہے جس سے باز رہنا پڑتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اور اہل علم پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اور سنت کی معرفت کے دقت دلائل کی تلاش کریں تاکہ وہ حتمی اور مباح اور ارشاد (جو امر و نہی میں حتمی نہ ہو) میں فرق کر سکیں

اور امام شافعیؒ رسالہ میں فرماتے ہیں کہ نہی کبھی کسی معنی میں ہوتی ہے اور کبھی کسی معنی میں اور یہ استدلال کے ایک طریقہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اور اس کی کچھ مثالیں بھی دی ہیں جس میں سے ہم بعض بیان کرتے ہیں تاکہ وہ بقیہ مثالوں پر دلالت کر سکیں۔

حضرات ابی ہریرہ و ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے پھر فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہ ملتا کہ آپ کا اس بات سے منع کرنا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی

---

[1] ایک نسخہ میں علیہم ہے یعنے ان پر

منگنی پر منگنی نہ کرے ایک معنی میں ہے اور ایک معنی میں نہیں تو یہ ظاہر ہے کہ یہ بات حرام ہو جاتی کہ اپنے بھائی کی منگنی پر آدمی منگنی کی ابتدا منگنی کے ختم تک نہ کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ آپ کی طرف سے جواب ہو جس سے آپ نے حدیث میں کوئی ایک معنی مراد لئے ہوں اور جس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو اس نے وہ سبب نہ سنا ہو جس کی بناء پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہو اس لئے اس نے کچھ حصہ بیان کر دیا ہو اور کچھ چھوڑ دیا ہو یا اس نے بعض حصوں میں شک کیا اور جس میں شک کیا اس کے بیان کرنے سے خاموشی اختیار کر لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے منگنی کی اور وہ اس سے راضی ہو گئی اور اس سے نکاح کرنے کی اجازت بھی دیدی پھر ایک اور شخص نے اس عورت سے منگنی کی عورت کے نزدیک دوسرا شخص پہلے شخص سے زیادہ بہتر تھا تو اس نے پہلے کو چھوڑ دیا جس سے نکاح کرانے کی اجازت دی تھی تو آپ نے عورت کی دوسری منگنی کرنے سے منع فرما دیا کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس عورت نے پہلے جس کو اجازت تھی اس سے پھر کر دوسرے کو اجازت دیدے لیکن اگر دوسرا شخص اس سے نکاح نہ کرے تو اس میں اس عورت کے حق پر بھی خرابی ہو گی اور اس شخص پر بھی جس سے نکاح کرانے کی اس نے اجازت دیدی تھی۔

پھر حضرت فاطمہ بنت قیس رضؓ کی حدیث بیان کی کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم رضی اللہ عنہما نے دونوں نے ان سے نکاح کا پیغام دیا ہے تو آپ نے فاطمہ رضؓ سے فرمایا کہ ابو جہم تو ہر وقت سفر میں رہتے ہیں اور معاویہ مفلس ہے جن کے پاس کچھ مال نہیں اس لئے تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو اس حدیث سے دو باتوں کی دلیل ملتی ہے ایک تو یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ان دونوں نے جو منگنی کی ہے تو ایک کی منگنی دوسرے کی منگنی کے بعد ہی ہوئی ہے لیکن آپ نے نہ دونوں کو منع کیا اور نہ ان دونوں سے کچھ فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ تجھکو پیغام دیتا جب تک کہ ایک اپنی منگنی نہ چھوڑ دے اور پھر ان دونوں کی منگنیوں پر آپ نے اسامہ رضؓ بن زید کے لئے پیغام دیا اس سے ہم کو یہ دلیل ملتی ہے کہ وہ ان سے نکاح کے لئے راضی نہ تھیں اور اگر وہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کے لئے راضی ہوتیں تو آپ ان کو حکم دیدیتے کہ جس سے وہ راضی ہیں ان سے نکاح کر لیں اور یہ کہ فاطمہ رضؓ نے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ کس کس نے ان کی منگنی کی ہے تو یہ

اس بات کی خبر تھی کہ انھوں نے کسی کو اجازت نہیں دی اور ممکن ہے کہ وہ حضور سے اس بارہ میں مشورہ کر رہی ہوں اور یہ ان کے لئے جائز نہ تھا کہ آپ سے مشورہ کرتیں جبکہ وہ ان میں سے کسی ایک کو اجازت دے چکی ہوں پس جب آپ نے ان کو اسامہ کے لئے منگنی کی تو ہم اس سے دلیل کرتے ہیں کہ ان کی جس حالت میں آپ نے منگنی کی وہ اُس سے مختلف تھی جس حالت میں آپ نے اُس کی منگنی کرنے سے منع کیا تھا اور ایسی حالت جس میں ایک شخص کی منگنی درست اور دوسرے شخص کی حرام ہو اُس کی صرف ایک صورت ہے کہ اُس نے ولی کو نکاح کی اجازت دیدی ہو تو شوہر کا یہ حق ہوجاتا کہ اگر ولی نکاح کردے تو اس نکاح کو قائم رکھے اور ولی اس عورت کو نکاح پر مجبور کرے اور وہ اس کے لئے جائز ہوگئی لیکن اس سے پہلے تو اس عورت کی حالت یکساں ہوتی اور ولی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اجازت سے پہلے اس کا نکاح کرے اور اس وقت تک اس کا میلان اور عدم میلان دونوں برابر ہیں امام شافعیؒ نے اس مقدمہ کا جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہوا حدیث میں جو ممانعت ہے وہ اُس منگنی کی ہے جو عورت نے ولی کو نکاح کی اجازت دینے کے بعد کی ہو تاکہ ولی کا معاملہ جائز ہوجائے لیکن جب تک ولی کا معاملہ جائز نہ ہو تو عورت کے دونوں حال برابر ہیں۔

بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جب عورت کا اپنی منگنی والے کی طرف میلان ہو تو دوسرے شخص کو منگنی کرنے کا حق نہیں امام شافعیؒ نے جو یہ قید لگائی کہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ نکاح کی اجازت دیدی ہو اور یہ مالک بن انس اور ابی حنیفہ رحمہم اللہ کی رائے ہے، امام مالکؒ نے موطا میں حدیث کی روایت کے بعد بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا مطلب ہماری رائے میں یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے کہ کوئی مرد کسی عورت سے پیغام نکاح دے اور عورت اس کو پسند کرے اور دونوں معینہ مہر پر متفق اور راضی ہوجائیں اور عورت مرد کو اپنے لئے پابند بنالے تو اس صورت میں یہ ممانعت ہے کہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ جب مرد کسی عورت سے منگنی کرے اور عورت نے اس کی موافقت نہ کی نہ اس کی طرف مائل ہوئی تو ایسی صورت میں بھی دوسرا شخص نکاح کا پیغام نہیں دے سکتا کیونکہ یہ لوگوں کے فساد کا دروازہ کھولتا ہے۔

دونوں امام مطلق حدیث کو مقید کرنے پر متفق ہیں اگرچہ دونوں کا طریقہ میں اختلاف ہے اسلئے

کہ اس کا فساد کا دروازہ ہے جو لوگوں پر کھلے گا اور شافعیؒ کی قید حدیث حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث سے استدلال کی بناء پر ہے۔

اور بعض فقہاء نے ممانعت کو مطلق رکھا ہے اور کہا ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ کسی عورت سے منگنی کرے جبکہ دوسرے نے پیغام منگنی دیا ہو حتیٰ کہ منگنی کرنے والا اس کو چھوڑ دے۔ لیکن اگر کسی نے اس حدیث کے مخالف نکاح کرلیا تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی کا تو یہ قول ہے کہ عقد ہو جائے گا کیونکہ ممانعت تحریمی نہیں ہے بلکہ کراہت کے لئے ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ عقد فسخ ہو جائیگا اور مالکؒ سے یہ دونوں قول بھی مروی ہیں اور ایک تیسرا قول بھی اور وہ یہ کہ زفاف سے قبل نکاح فسخ ہو جائے گا لیکن زفاف کے بعد عقد قائم رہیگا۔

اور جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اختلافات کی بنیاد خود نہی میں اختلاف کے سبب ہے۔ دوسری مثال اس کی کہ وجوب سے مراد فرض ہونا نہیں ہے یہ ہے کہ حضرت ابی سعید خدریؓ سے حدیث کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے" اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ تم میں سے جو شخص جمعہ کے دن آئے تو وہ غسل کرے تو فرمایا کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روز جمعہ کے غسل کے بارہ میں یہ ہے کہ واجب ہے اور آپ کا حکم غسل کا دو معنی کا احتمال رکھتا ہے ان دونوں میں سے ظاہراً تو یہ ہے کہ واجب ہے گویا نماز جمعہ کے لئے غسل کے سوا کوئی طہارت کافی نہیں جیسے کہ ناپاک کی طہارت کے لئے بجز غسل کے کوئی صورت نہیں اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ اختیاراً اور پاکیزگی اور درستی اخلاق کے لحاظ سے واجب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے اس وقت عمرؓ بن الخطاب خطبہ دے رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کونسی گھڑی ہے تو عرض کیا یا امیر المومنین میں بازار سے پلٹ رہا تھا تو اذان کی آواز سنی اس لئے میں صرف وضو ہی کرسکا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صرف وضو ہی حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد رکھتے ہیں کہ آپ جمعہ کے دن غسل کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ بھی جان لیا کہ حضرت عثمانؓ کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کا یاد دلایا اور حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہو گیا تو جس شخص کو یہ

وہم ہو کہ حضرت عثمانؓ بھول گئے تو حضرت عمرؓ نے تو ان کو نماز کے قبل یاد دلادیا لیکن جب حضرت عثمانؓ نے غسل کے چھوٹنے کی وجہ سے نماز کو نہیں چھوڑا اور حضرت عمرؓ نے غسل کے لئے نکلنے کا حکم نہ دیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ دونوں اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کے لئے اختیاری تھا۔ اس بات پر کہ اس کے سوا کوئی چیز کافی نہیں ہوسکتی کیونکہ نہ حضرت عمر اپنا حکم غسل کے لئے چھوڑنے والے تھے اور نہ عثمان جب کہ ہم کو معلوم ہوگیا کہ وہ غسل کو چھوڑنا یاد دلا رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم غسل کے لئے یاد دلا رہے ہیں اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ حکم اختیاری تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہاں پر فقہاء کے درمیان جو اختلاف تھا وہ امر و نواہی سے استنباط احکام کے طریقہ میں تھا کہ کبھی وہ فرض و تحریم پر باقی رکھتے تھے اور کبھی وہ اس کو مستحب و کراہت کی طرف لے جاتے تھے اور کبھی صرف ارشاد کی طرف کچھ قراین سے یا استدلال سے یا رائے سے کرتے تھے ہم یہاں چند مثالیں جو استنباط میں فقہاء کی باریک بینی ظاہر کرتی ہیں درج کرتے ہیں۔

شارع نے معاملات کو اسباب قرار دیا ہے ان کے مسببات کا جیسا کہ بیع کو سبب بنایا کہ بیچنے والے کو فروخت شدہ چیز کی قیمت مل جائے اور خریدنے والے کو چیز کی ملکیت مل جائے اور رہن کو سبب بنایا مرتہن کے حق کو ثابت کرنے کا مرہونہ شئی پر تاکہ وہ مقدم ہو جملہ قرض خواہوں پر اسی طرح اور بھی معاملات ہیں جن کو جائز قرار دیا اور اس کو اسباب بنایا ہے اور بعض اوقات شارع سے ان معاملات کی ممانعت صادر ہوئی ہے جبکہ کوئی صفت اس سے متصل ہوجائے جیسے کہ سود میں کہ کسی چیز کی قیمت کو غیر معینہ مدت تک موخر کرنے میں تو کیا یہ معاملات مسببات کا سبب نہیں بن سکتے اور وہ باطل ہوجاتے ہیں کہ ان کے ذریعہ نہ تو ملکیت منتقل ہوتی اور نہ کوئی حق ثابت ہوتا بعض فقہاء کی یہی رائے ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے اس میں بہت باریک بینی سے غور کیا ہے ان کی رائے ہے کہ عقد بیع مثلاً اس کو شارع نے مسبب کے لئے وضع کیا ہے اور وہ ملکیت کا منتقل ہونا ہے اور مکروہ صفت کے کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس قسم کی بیع حرام ہے مگر دونوں سببوں میں کوئی تناقض نہیں ہے تو ان میں سے ہر ایک کا اثر ساتھ ساتھ ظاہر ہوسکتا ہے اور اس نظریہ سے ایک ایسی بیع کا علم ہوتا ہے جس سے ایک ہی وقت میں انتقال ملکیت بھی ہوجاتا ہے اور حرام بھی ہوجاتی ہے مگر انھوں نے ملکیت کے فائدہ مند ہونے کے لئے قبضہ کے حصول کی شرط لگائی ہے اور

اس شکل میں بیع کا نام " فاسد" رکھا ہے اور کہا کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریق پر یہ لازم ہے کہ نہی کے اثر کو زائل کرنے کے لئے بیع کو لوٹا دیں اور اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور خریدنے والے نے خریدی ہوئی چیز میں تصرف کرلیا تو در اصل وہ اپنی اس ملک میں متصرف ہے جس کو اس نے بیع سے حاصل کیا ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے صرف اپنی رائے سے یہ مسلک نہیں اختیار کیا ہے بلکہ ہم نے خود شارع کو طلاق کے معاملہ میں اسی طریقہ کو اختیار کئے ہوئے پایا ہے کیونکہ طلاق ان تصرفات شرعیہ میں سے ہے جس سے عقد زوجیت ٹوٹ جاتا ہے اور شارع نے حکم دیا ہے کہ طلاق اس طہر میں ہونا چاہیئے جس میں شوہر نے عورت سے صحبت نہ کی ہو اس وجہ سے حائضہ عورت کی طلاق ممنوع ہے لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمرؓ نے جب ایسا کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بیوی سے رجعت کا حکم دیا اور اس طلاق کا اعتبار کیا جو بیوی کے حائضہ ہونے کی حالت میں دی گئی تھی اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تصرف شرعی سے ممانعت کسی مکروہ صفت کے ساتھ ہونے کی بناء پر اس کی سببیت کو ختم نہیں کرتی ہے اور یہ ان لوگوں کے رد کے لئے بہت قبیح ہے جو ممنوع طلاق کا اعتبار کرتے ہیں لیکن ممنوع بیع کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ دونوں واقعہ نظریہ کے اعتبار سے برابر ہیں لیکن اہل ظاہر کی مخالفت میں اس سے کام نہیں چلتا کیونکہ جملہ تصرفات شرعیہ میں جبکہ اس سے منع کیا جائے تو قول کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اسی لئے حائضہ کی طلاق کا اعتبار نہیں کرتے کہ وہ ممنوع ہے اور اس کی صحت پر اعتراض کرتے ہیں جو پہلے فریق یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کے اعتبار کرنے کا حکم دیا جو ابن عمرؓ نے دی تھی۔

اس کی ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدت والے قرض کی دستاویز لکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کی نہایت تاکید کی ہے جیسا کہ آیت دین کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر فقہاءؒ کی رائے ہے کہ قرض کا لکھنا واجب نہیں اور وہ ایک ہدایتی حکم ہے تو جس نے اس پر عمل کرلیا اس نے اپنے نفس کی احتیاط کرلی اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنے نفس کے لئے احتیاط کو چھوڑ دیا اور ان کی یہ رائے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہے جو ختم آیت پر ہے۔

فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ۔ — اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کرلیا گیا ہے اس کو چاہیئے کہ دوسرے کا پورا حق ادا کردے۔

اور اہل ظاہر نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ قرض کی کتابت فرض ہے مثل اور واجبات کے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ جس نے نہیں لکھا وہ گناہگار ہے اور غالباً وہ اس کو اس وقت مقید کرتے ہیں جبکہ قرضخواہ قرضدار کو حکم نہ دے جیساکہ آخری آیت سے ظاہر ہے۔

اور امر و نہی کے مسئلہ میں بحث اور اس پر جو خلاف مرتب ہوتا ہے استنباط میں اس قدر طویل دامانی رکھتا ہے کہ جس کا استقصار ممکن نہیں جس قدر کہ ہم نے یہاں بیان کر دیا یہ جاننے کے لئے کافی ہے کہ وہ نزاع کا میدان ہے اور اختلاف کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور یہی ان لوگوں کے درمیان فرق کو ظاہر کر دیتا ہے جن میں ایک فقہ کی روح کا خیال رکھتا ہے اور دوسرا فریق صرف نصوص کی عبارت و حروف پر نظر رکھتا ہے۔

اصول فقہ کی تدوین

احکام کے اصول میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے اصول فقہ مدون فرمائے اور یہ وہ قواعد ہیں جن پر ہر مجتہد احکام کے استنباط میں ان کا اتباع کرتا ہے اور حضرات ابو یوسف و محمد بن حسن رحمہا اللہ کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے ان اصول کے بارہ میں کوئی کتاب لکھی تھی لیکن افسوس کہ ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہم کو دستیاب نہ ہو سکی۔

لیکن جو کچھ ہم تک پہنچا اور جو اس علم کی صحیح بنیاد اور اس میں نظر کرنے والوں کے لئے دولت عظمیٰ ہے تو وہ وہ رسالہ ہے جس کو محمد بن ادریس امام شافعیؒ مکی مصری نے لکھوایا ہے جس میں درج ذیل امور سے بحث کی گئی ہے۔

(۱) قرآن اور اس کے بیان سے (۲) حدیث اور قرآن سے اس کی نسبت کا جو مقام ہے (۳) ناسخ و منسوخ (۴) احادیث کی علتوں سے (۵) خبر واحد (۶) اجماع (۷) قیاس (۸) اجتہاد (۹) استحسان (۱۰) اختلاف۔

فصل اول میں قرآن پاک کی کیفیت اور اس کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے حکم قطعی قرار دیا جیسے جملہ فرائض۔

(۲) جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں فرض قرار دیا اور اس کی کیفیت اپنے نبی کی زبان بیان کی ہو جیسے نماز کے رکعات کی تعداد۔

(۳) جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی

حکم قطعی نہیں ہے۔

(۴) جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اس کے طلب میں اجتہاد فرض کیا اور اجتہاد سے ان کے طاعت کی آزمائش ہو جیسے اور فرائض میں اطاعت کی آزمائش کی اور ہر قسم کی متعدد مثالیں دیں جو سمجھنے کے لئے کافی ہوں۔

پھر بیان کیا کہ قرآن عربی میں ہے اس میں کوئی چیز زبان عرب کے سوا نہیں ہے اور ان لوگوں سے مناظرہ کیا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں عربی اور عجمی دونوں زبانوں کے الفاظ ہیں۔

اور ان کے اس بات کو ثابت کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل عرب قرآن کو اسی طرح سمجھیں گے جیسے کہ عرب اپنے کلام سے اس کے معانی سمجھتے ہیں اور عربوں کی بول چال کا طریقہ یہ ہے کبھی ایسا لفظ بولتے ہیں جن کا ظاہر بھی عموم ہوتا ہے اور اس سے مراد بھی عموم ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے

اللہ خالق کل شئی فاعبدوہ وھو علی کل شئی وکیل۔	اللہ ہر چیز کا پیدا کرنیوالا تو تم لوگ اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

اور کبھی اس کا بظاہر عموم ہوتا ہے مگر اس سے خاص مراد ہوتا ہے اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم۔	یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگوں تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں۔

تو نہ تو تمام لوگوں نے کہا نہ تمام لوگ جمع ہوئے، اور کبھی کلام کا ظاہر کسی خاص معنی پر دلالت کرتا ہے اور سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد ظاہری معنی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد۔

واسأل القریۃ التی کنا فیھا والعیر التی اقبلنا فیھا۔	اور اس بستی سے پوچھ لیجئے جہاں ہم موجود تھے اور اس قافلہ والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم شامل ہو کر آئے ہیں۔

تو سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد گاؤں والے اور قافلہ والے ہیں اور کبھی قرآن کا ظاہر تو عام ہوتا ہے اور سنت اس کے خصوص پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ آیت میراث میں ہے کہ ظاہراً تو عام معلوم ہوتا ہے لیکن سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بعض والدین

اور بچے اور شوہر و بیوی مراد ہیں یعنی وہ والدین اور بچے اور میاں بیوی جن کا دین ایک ہو اور ان میں سے قاتل اور غلام وارث نہ ہوں گے ۔

اس کے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ سنت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے اتباع کے لئے فرض کی گئی ہے اور یہی حکمت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے ۔

ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ۔ اور انکو (آسمانی) کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیا کریں۔

اور یہ ارشاد

واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ ۔ اور تم ان آیات الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔

اور انھوں نے سنت کی حجیت پر تفصیلی دلائل قائم کئے ہیں اور پھر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ دو طریقوں سے متعلق ہیں ۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا اتباع اسی طرح کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور دوسری مجمل ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تشریح بیان اور اس کی وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کس طرح فرض کیا ہے اور یہ کہ وہ خاص ہے یا عام ہے اور بتایا ہے کہ بندے ان پر کیسے عمل کریں لیکن ہر دو میں اپنے اللہ تعالیٰ کے کلام کا اتباع کیا ہے پھر فرمایا کہ حدیث کی ایک تیسری قسم وجہ بھی ہے یعنی وہ حدیثیں کہ جن کے متعلق قرآن مجید کا کوئی حکم صریح نہیں ہے اور اس میں اختلاف ہے بعض نے تو اس کو جائز قرار دیا ہے بعض نے کہا ہے کہ ان کی کوئی ایسی سنت نہیں ہے جس کی اصل قرآن مجید سے نہ ہو تو جو کچھ آپ نے حلال و حرام فرمایا وہ در اصل اللہ تعالیٰ کے حکم کی تفصیل ہے جیسے نماز اور بعضوں نے کہا ہے کہ آپ کے پاس اللہ کا پیغام آیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حدیثوں کو مسنون فرمایا اور بعضوں نے کہا کہ تمام حدیثیں بذریعہ الہام آپ کے دل میں ڈالی گئیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہو بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کردی اس کے بعد ناسخ و منسوخ کے بارے میں آپ نے کلام کیا پھر ظاہر کیا کہ قرآن میں کبھی نسخ ہوتا ہے اپنے مخلوق پر رحم اور توسع کے لئے اور ان پر جو نعمت کی ابتدا کی گئی تھی اس میں زیادتی کے لئے ۔ اور ظاہر کیا کہ قرآن مجید صرف قرآن ہی سے منسوخ ہوتا ہے حدیث سے قرآن کا نسخ نہیں ہوسکتا بلکہ حدیث قرآن کے تابع ہوتی ہے کبھی بعینہ نص قرآن کا اتباع کرتی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے مجمل کلام کے مرادی معنیٰ کی تفسیر کرتی

ہے اسی طرح حدیث بھی حدیث ہی سے منسوخ ہو سکتی ہے۔ اور ان کی دلیل سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کی رائیں جو حدیث سے کم درجہ پر ہیں حدیث کو منسوخ نہیں کر سکتیں مگر وہ قرآن سے منسوخ ہو سکتی ہیں مگر اس کے ساتھ کوئی ایسی سنت بھی ہو جو ظاہر کرے کہ وہ منسوخ ہے اور وہ اس احتیاط کی بنار پر ہے کہ لوگ عموم قرآن کو لے کر کہیں خاص سنتوں کو نہ چھوڑ دیں اور یہ دلیل پیش کریں کہ عموم قرآن خاص سنت کا ناسخ ہے چنانچہ انھوں نے اس کی وضاحت کی ہے۔

پھر بیان کیا کہ کبھی سنت سے یہ دلیل لی جاتی ہے کہ ایک قرآنی آیت دوسری آیت سے منسوخ کر رہی ہے جیسا کہ وصیت اور میراث کی آیتوں میں۔

لا وصیة لوارث ۔ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔

اس حدیث سے دلیل لی گئی ہے کہ میراث وصیت کی ناسخ ہے لہذا والدین واقربا کے لئے وصیت کی ضرورت نہیں مگر طاؤس اور ان کے ساتھ چند لوگوں کا خیال ہے کہ وصیت والدین کے لئے تو منسوخ ہے لیکن غیر وارث اقربا کے لئے باقی ہے۔

آپ نے پھر کچھ مثالیں ان فرائض کی دیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بطور حکم کے نازل فرمایا اور پھر فرائض منصوصہ بیان کئے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور وہ فرض منصوص بھی ذکر کئے جس کے لئے سنت نے بتلایا کہ اس سے کوئی خاص چیز مراد ہے۔

پھر فقہار کے اتفاق کے بارے میں بیان کیا کہ وہ قاتل کو مقتول کی وراثت باوجود عموم قرآن کے نہیں دلواتے یہ ایک ایسی دلیل ہے جو ان کو لازم کراتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی چیز میں فرق نہ کریں کیونکہ جب وہ اس درجہ پر ہو جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فرض منصوص ہے تو وہ اسباب کی دلیل ہے کہ وہ بعضوں کے لئے ضروری ہے اور بعضوں کے لئے نہیں تو اس کے مثل قرآن مجید کے اور فرائض کا بھی یہی حال ہوگا اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام بیان کئے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم منصوص نہیں ہے ان کا بھی یہی حال ہوگا اور مناسب یہ ہے کہ عالم اس کے لزوم میں کوئی شک نہ کرے اور جان لے کہ اللہ عزوجل کے احکام پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مختلف نہیں ہیں اور دونوں ایک ہی طریقہ پر ہیں۔

اس کے بعد علل احادیث کا بیان کسی نامعلوم شخص کے اعتراض سے شروع کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے بعض تو ایسی احادیث پاتے ہیں جس کے مثل قرآن مجید

میں نص ہے اور بعض اسی کے مثل قرآن میں مجمل نصوص ہیں۔ اور بعض احادیث وہ ہیں جو قریب قریب قرآن سے ماخوذ ہیں اور بعض ایسی احادیث ایسی ہیں جن کے متعلق قرآن میں کچھ نہیں ہیں اور بعض احادیث متفق الیہ ہیں اور بعض مختلف اور بعض ناسخ و منسوخ اور بعض مختلف کہ جس میں ناسخ و منسوخ کی کوئی دلالت نہیں ہے۔ اور بعض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں آپ نے جس چیز سے منع کیا ہے وہ حرام ہے اور بعض میں ممانعت ہے تو کہتے ہیں کہ آپ کی ممانعت اور حکم اختیاری ہے نہ کہ حرمت کے طریقہ پر پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تم بعض مختلف احادیث کو لیتے ہو اور بعض کو چھوڑ دیتے ہو اور تم لوگ حضور کی بعض احادیث پر قیاس کرتے ہو اور تمہارے اس قیاس میں اختلاف ہو جاتا ہے اور بعض احادیث کو چھوڑ دیتے ہو اس پر قیاس نہیں کرتے تو اس قیاس کے کرنے اور نہ کرنے پر تمہارے پاس کیا حجت ہے پھر تم متفرق ہو جاتے ہو کہ تم میں سے کوئی حدیث میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور جس قدر چھوڑا اسی کے مثل لے لیتا ہے یا سند کے لحاظ سے اس سے ضعیف قبول کر لیتا ہے علل حدیث کی وضاحت کے بعد حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے پھر سنت کے ناسخ و منسوخ سے بحث کی اور اس پر بہت سی مثالیں بیان کیں اور مختلف احادیث بیان کیں جو ظاہر میں مختلف ہیں تو اس کے اختلاف کی وجوہ بیان کیں اور یہ کہ مجتہد کا عمل کس طرح ہوگا ان کی تطبیق یا ترجیح دینے کے بارے میں۔

اس کے بعد خبر واحد کے ثبوت میں بحث کی ہے اس کی حجت ہونے کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔

پھر اجماع کے مسئلہ میں بحث کی ہے اور اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے دلیل بیان کی ہے جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت مسلمین کے لزوم کی ترغیب دی ہے اور کہا کہ اس کے معنے بجز اس کے نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی جماعت جس چیز کو حلال و حرام کہتی ہے اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔

پھر قیاس و اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں اور قیاس کی دو صورتیں ہوتی ہیں

ایک تو یہ ہے کہ چیز اصل کے معنی میں رہے کہ اس میں قیاس مختلف نہ ہو دوسری یہ کہ ایک چیز کے اصول میں متعدد مشابہ چیزیں ہوں اس وجہ سے اس چیز کا قیاس اس سے کیا ہو جو اس سے

زیادہ متعلق ہو اور اُس سے مشابہ ہو اور اُسی میں قیاس کرنے والے مختلف ہوتے ہیں، اور انھوں نے قیاس کی حجت بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ وہ امور دین سے ہے اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہو اس میں وسعت دی اور حضرت عمرو بن العاص کی حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم نے حکم کیا اور اس میں اجتہاد کر کے صحیح فیصلہ کیا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر اجتہاد میں خطا کی تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

پھر استحسان سے بحث کی اور اس کے قائلین کی تردید کی اور استحسان یہ ہے کہ جو حدیث و قیاس کے بغیر ہو اور یہ بھی بتایا ہے کہ کس کو قیاس کا حق ہے پھر فرمایا کہ قیاس کی کئی وجوہ ہیں جس میں قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑا سا حرام بتائیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قلیل حرام ہوگا تو اس کا کثیر بھی حرام ہوگا کی قلت پر شدت کی زیادتی سے وہ زیادہ حرام ہوگا اور اسی طرح جب تھوڑی سی طاعت کی تعریف، اللہ تعالیٰ نے کی ہے تو زیادہ پر تو اس کی تعریف بدرجہ اولیٰ ہوگی اور اسی طرح جب زیادہ چیز جائز ہو تو اس سے اقل بھی چاہئے کہ جائز ہو اور بعض اہل علم تو اسکو قیاس ہی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال یا حرام کیا اور تعریف کی یا برائی کی اسکا یہی مطلب کیونکہ وہ اس میں داخل ہیں تو وہ بعینہ وہی چیز ہے دوسری چیز پر اس کا قیاس نہیں کیا جو چیز کہ حلال یا حرام کے معنی میں ہو اور ان کو حرام یا حلال کر دیا اس کو بھی وہ قیاس نہیں کہتے قیاس صرف اس کو کہتے ہیں جس میں دو مختلف معنوں کی مشابہت ہو اور اس میں اس کا ثبوت دیا جائے کہ اس کا قیاس صرف ایک پر ہو سکتا ہے دوسرے پر نہیں ہو سکتا ان کے علاوہ دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ کتاب و سنت کے سوا جو چیز ان کے معنے ایں ہو وہ قیاس ہے۔

پھر اختلاف کے بارہ میں بحث کی ہے اور بیان کیا ہے کہ کس چیز میں اختلاف جائز نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حجت کے طور پر یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حکم صریح قرار دیا ہو تو اس میں اختلاف جائز نہیں اس کے لئے جو اس کو جان لے ___ اور جس میں اختلاف جائز ہے اور وہ وہ ہے جس میں تاویل کا احتمال ہے یا قیاس سے معلوم ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ بہت سی مثالیں دی ہیں کہ جن کے احکام انھوں نے قیاس سے مستنبط کئے ہیں۔ جو لوگ قیاس میں ان کے مخالف ہیں ان سے مناظرہ کیا ہے جس سے اُن کی قوت تعبیر اور کثرت اطلاع کا ثبوت ملتا ہے۔

امام شافعیؒ کی تحریروں میں سب سے بڑی خوبی جو پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ جن سے مناظرہ کر

ہیں ان کے اقوال پوری حجت کے اور واضح براہین کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور حتی الامکان پوری قوت کے ساتھ اس کی تفصیلات درج کرتے ہیں پھر ان کی دلیلوں کا رد کرتے ہیں اور حدیث سے اپنے اور اپنے مخالفین کے لئے ناقابل تردید دلیلیں بیان کرتے ہیں حالانکہ بعض متاخرین نے حدیث سے دلیل لانے میں صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ "حدیث ایک دینی ضرورت ہے" اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے۔

یہ رسالہ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے اس عہد قدیم کے آثار قدیمہ سے ہے جس سے اس زمانہ کے لوگوں کی بہت سی عادات کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً حسن کتابت، حسن ادب اور اپنے مخالفین کا مناظروں میں ادب و احترام اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مناظروں میں کتاب و سنّت کے معاملہ میں وہ کس قدر حاضر الذہن رہتے تھے۔

اصطلاحات فقہیہ کا ظہور

قرآن شریف اس بات کو جس کی طلب مقصود تھی ان طریقوں سے طلب کرتا تھا جس کی وضاحت ہم نے دور اوّل میں کی ہے اور کسی اسلوب کو دوسرے اسلوب پر قوت طلب میں کوئی فضیلت نہ تھی بلکہ سب اس معاملہ میں یکساں تھے اور اسی طرح سنت بھی اسی چیز کو طلب کرتی تھی جس کی طلب اس کو مقصود تھی فقہاء کی نظروں کے سامنے جب مطالبات متمائز ہونے لگے تو وہ اس کو اختیاراً کرنے پر مجبور ہوئے جو اس کی دلالت کریں اور وہ فرض۔ واجب۔ سنّت۔ مندوب۔ مستحب ہیں۔

فرض و واجب دو اسم ہیں اس بات کے جس کی طلب حتمی ہو بجز اس کے کہ فرض حنفیہ کے نزدیک اس چیز کا نام ہے جس کی طلب دلیل قطعی سے ثابت ہو جیسے آیات قرآنیہ اور جو حدیثیں نص ہونے کے ساتھ تواتر یا شہرت سے ثابت ہوں اور واجب وہ ہے جس کی طلب ایسی دلیل کے ساتھ کی جائے جو نزول یا دلالت یا دونوں طریقے سے ظنی ہو مثلاً ان کے نزدیک ہر نماز کی دو رکعت میں قرآن پاک مطلقاً تلاوت فرض ہے اور دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے، فرض کے چھوڑنے پر نماز باطل ہو گی اور واجب کو اگر سہواً چھوڑا تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور عمداً چھوڑنے پر نماز کا دہرانا وقت کے اندر واجب ہوگا اور اگر وقت نکل گیا تو گنہگار ہوگا، لیکن غیر حنفیہ کے نزدیک فرض و واجب میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو حتماً طلب کی گئی فرض و واجب ہے خواہ یہ دلیل قطعی سے طلب کی گئی ہو یا ظنی سے لیکن

یہ لوگ ان دونوں کے درمیان حج کے مسائل میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کو شارع نے طلب کیا اس کے نقصان کی تلافی کرنے والی کوئی چیز نہیں وہ فرض وقوف عرفہ اور طواف افاضہ ہے اور جس مطالبہ کے ترک کی تلافی "دم" یعنے قربانی سے ہو سکتی ہے وہ واجب ہے جیسے احرام اور ان کے نزدیک ایک فرض ایسا بھی ہے جس کو فرض کفایہ کہتے ہیں اور وہ اس فعل کو کہتے ہیں جس کو شارع نے طلب کیا ہے یعنی جس میں کرنے والا مقصود یا مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کو کوئی بھی مکلف شخص اگر ادا کر دے تو باقی تمام لوگوں کا فرض ادا ہو جائے گا اور اگر اس کو کسی نے بھی ادا نہیں کیا تو سب گنا ہگار ہوں گے۔

جس مامور بہ پر اس کا غیر موقوف ہو وہ اگر اس کی حقیقت سے خارج ہو تو اس کو شرط کہتے ہیں جیسے نماز کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا اور اگر وہ اس کا جزو ہو تو اس کو رکن کہتے ہیں جیسے نماز میں رکوع۔

اور حنفیہ کی اصطلاح میں سنّت اس کو کہتے ہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت کی ہو اور کبھی اس کو بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو اور مندوب و مستحب وہ ہے جس کی آپ نے پابندی نہ کی ہو بلکہ ترغیب دلانے کے بعد اس کو کیا بھی نہ ہو اور ایک دوسری اصطلاح ہے کہ سنّت اور مندوب و مستحب ایک ہی معنیٰ میں ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس کا مطالبہ تاکیدی طور پر نہ ہو البتہ جس کو حنفیہ سنّت کہتے ہیں وہ اس کو سنّت مؤکدہ اور وہ جس کو مندوب و مستحب کہتے ہیں اس کو یہ لوگ غیر مؤکدہ کہتے ہیں۔

اور جس سے باز رہنے کا شارع نے مطالبہ کیا اس کو یہ حرام و مکروہ کہتے ہیں چنانچہ حرام حنفیہ کے نزدیک فرض کے مقابل میں ہے اور مکروہ تحریمی واجب کے مقابل میں ہے اور مکروہ تنزیہی سنّت کے مقابلہ میں اور ان کے علاوہ دوسروں کے نزدیک حرام فرض و واجب کے مقابل ہے ان کے مترادف ہونے کی وجہ سے اور مکروہ تحریمی سنت مؤکدہ کے مقابلہ میں اور مکروہ تنزیہی سنت غیر مؤکدہ کے مقابلہ میں ہے۔

اور شارع نے جس کے متعلق نہ کرنے کا مطالبہ کیا ہو نہ باز رہنے کا اس کو مباح کہتے ہیں۔

بعض فقہاء کے نزدیک فاسد و باطل بھی اصطلاحات فقہیہ ہیں اور وہ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز کا کرنا کرنے والے کے لئے کافی نہ ہو اور اس کے کرنے کا کوئی نتیجہ نہ ہو لیکن حنفیہ ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باطل کا

کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا اور فاسد کا اثر تو ظاہر ہوتا ہے لیکن ناقص اسی طرح اصا اصطلاحات ہیں جو کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان میں زیادہ تر اصطلاحات جدید پیداشدہ ہیں۔

(۸) ان جلیل القدر فقہار کا ظہور جنکی قیادت کو عوام نے تسلیم کرلیا

گزشتہ دونوں زمانوں کے فقہار کی شہرت صرف اس حد تک باقی رہی کہ ان کے اقوال کتب اختلاف میں ذکر کئے جاتے رہے باوجودیکہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کی شان بھی بڑی تھی ان میں فقہار صحابہ بھی تھے فقہار تابعین بھی جن کا شریعت اسلامی میں بڑا اثر تھا کیونکہ وہی سلف صالح تھے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے چراغ ہدایت تھے اس کے باوجود ان کے نام تہ کرکے رکھدئے گئے اور ان میں سے کوئی بھی جمہور کا مقتدا نہیں مانا گیا کہ ان کے نقش قدم پر چلیں اور تمام رایوں میں ان کی تقلید کریں لیکن اس دور میں ایسے مجتہدین ظاہر ہوئے کہ جمہور نے ان کو ائمہ تسلیم کیا ان کے نقش پر چلنے اور ان کی رایوں پر عمل کرنے لگے حتی کہ ان کی رایوں کو کتاب وسنت کے احکام قطعی کا درجہ دینے لگے کہ کسی کو ان سے تجاوز کرنا جائز نہ رہا اور ان کو یہ امتیاز حسب ذیل اسباب نے بخشا۔

(۱) ان کی تمام رائیں مدون کی گئیں اور یہ سلف میں کسی کے لئے نہیں ہوا۔

(۲) ان کے ایسے شاگرد پیدا ہوئے جو ان کے اقوال کو پھیلانے اور ان پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے اور ان کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے ہیئت اجتماعی میں ان کا ایک مقام تھا جس نے ان کی رائے کو قابل وقعت قرار دیا

(۳) عوام کی خواہش یہ چاہتے تھے کہ قاضی جس مذہب پر چل رہا ہے اس کا ان کو علم رہے تاکہ اُن کی آزاد رائے کے متعلق یہ گمان نہ رہے کہ یہ قضا میں خواہش نفسانی کی پیروی کررہے ہیں اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا مذہب مدون نہ ہو۔

اب ہم ان فقہار کے حالات بیان کرتے ہیں جن کے مذاہب مدون ہوتے اور مختلف شہروں میں ان کے متبع موجود تھے اُن کی امتیازی شان کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ا۔ امام ابوحنیفہؒ | نعمان بن ثابت زوطی ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے عالم شباب میں یعنی دوسری صدی کی ابتدار میں حماد بن ابی سلیمان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اکثر علمار تابعین سے

حدیث کی سماعت کی جیسے عطار بن ابی رباح وحضرت ابن عمرؓ کے مولی نافع، ابوحنیفہؒ نے بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف خلافت کے منتقل ہونے کا زمانہ پایا اور اس منتقلی میں کوفہ حرکت کبریٰ کا مرکز تھا ۱۳۲ھ میں ابوالعباس سفاح کی بیعت مکمل ہوئی اور اس حرکت میں ان کا کوئی ذکر ہم نے نہیں سنا بجز اس کے کہ کہا جاتا ہے کہ یزید بن ہبیرہ نے جو مروان بن محمد کی طرف سے عراق کا والی تھا ان پر ولایت قضاء کا عہدہ پیش کیا تھا اور ان کے انکار پر ان کو سزا دی تھی ہم اگر اس کو تسلیم کرلیں کہ ایک شخص نے تولیت قضاء سے انکار کردیا تو یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ اس پر اس کو سزا دی جاسکتی ہے کیونکہ کوڑے سے مارنا انتہائی حقارت آمیز سلوک ہے جس کو کوئی عاقل ایسا نہیں کرسکتا کہ کسی انسان کو ایسے منصب کے قبول کرنے کے لئے کہ جو امارت کے بعد اشرف ترین منصب ہے یعنی منصب قضاء ایسی سزا دے کہ یہ اگر درست بھی ہو کہ وہاں انکار کے علاوہ کوئی بات نہیں تھی تب بھی ہم یہ گمان نہیں کرتے کہ اُن کے انکار سے امیر کے دل میں اس قدر کینہ پیدا ہوگیا ہو کہ وہ اس سزا کے جاری کرنے پر مجبور ہوگیا ہو خصوصاً جبکہ کوفہ میں فقہاء کافی تعداد میں تھے تو ابن ہبیرہ کے لئے مشکل نہ تھا کہ ان میں سے کسی کا انتخاب کرے جو اس منصب کو قبول کرلے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس پیش کش سے اُس کی غرض انکا امتحان لینا تھا کہ حکومت سے ان کی محبت کا اندازہ لگایا جاسکے کیونکہ علماء عام طور سے جس حکومت کو پسند نہ کرتے تھے اس کا کوئی عہدہ قبول نہیں کرتے تھے تاکہ ان کا عمل حکومت کی تائید کا ذریعہ نہ ہو جائے اور یہی ہوا کیونکہ اس زمانہ میں کوفہ میں دو انقلابی شخص پیدا ہوئے ایک زید بن علی بن حسین جنھوں نے ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں یوسف بن عمر ثقفی کی امارت میں بغاوت کی عراق میں قتل ہوئے اور دوسرے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر جنھوں نے ۱۲۷ھ میں جبکہ حکومت میں بدنظمی ہورہی تھی بغاوت کی اور جیسا کہ اُن کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے ممکن ہے کہ یہی الفاظ انھوں نے عبداللہ بن معاویہ کے زمانہ میں دہرائے ہوں اس لئے ابن ہبیرہ نے ان کی آزمائش کرنی چاہی ہو کہ بنی امیہ سے ان کی محبت کس قدر ہے اسی لئے ان پر قضاء کو پیش کیا اور ان کے انکار پر ان کو سزا دی کیونکہ اس کو یقین ہوگیا کہ بنی امیہ سے وہ منحرف ہیں نہ اس وجہ سے کہ انھوں نے عہدۂ قضاء سے انکار کیا۔

ابوحنیفہؒ کوفہ میں پارچہ کے تاجر تھے ریشمین کپڑے فروخت کرتے تھے اور صدق معاملہ اور معاملہ کی خلاف ورزی سے نفرت کرنے میں مشہور تھے خوبصورت اور آداب مجلس سے واقف اور اپنے بھائیوں کے لئے بہترین رادی کرنے والے تھے میانہ قد گفتگو میں نرم اور شیریں لہجہ

رکھتے تھے جعفر بن ربیع کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس پانچ سال رہا ان سے زیادہ خاموش رہنے والا میں نے کسی کو نہیں پایا لیکن جب فقہی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا تو خوب خوب علمی نکات بیان فرماتے اور دریا کی طرح بہنے لگتے' قیاس کے امام تھے' عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ غیبت سے اس قدر دور رہتے ہیں کہ میں نے ان کو دشمن کی بھی غیبت کرتے کبھی نہیں سنا تو فرمایا کہ وہ بہت سمجھدار ہیں کہ اپنی نیکیوں پر کسی ایسے کو مسلط نہیں کرنا چاہتے جو اس کو ختم کردے' بہت سے طالبان علم ان کے پاس پہونچے اور ان سے علم حاصل کیا اور وضع مسائل میں اور ان کے جوابات میں ان کی مدد کی اور استنباط میں ان کا طریقہ جیسا کہ خود انھوں نے بیان کیا ہے یہ تھا۔ کہ میں اول اللہ کی کتاب کو لیتا ہوں اور اس میں سے احکام حاصل کرتا ہوں اور جب اس میں نہ ملیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحیح احادیث جو معتبر ذرائع سے لوگوں میں پھیلی ہوں لیتا ہوں اور جب میں کوئی مسئلہ نہ اللہ کی کتاب میں پاتا ہوں نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو آپ کے اصحاب کے قول پر غور کرتا ہوں اور اس میں سے جس کو چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں ان کے قول کے علاوہ کچھ نہیں لیتا ہوں لیکن جب معاملہ ابراہیم اور شعبی اور حسن اور ابن سیرین اور سعید بن المسیب تک (اور کسی مجتہدین کے نام بھی لئے) پہونچتا ہے تو جیسا انھوں نے اجتہاد کیا مجھے بھی حق ہے کہ میں اجتہاد کروں۔

اور سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ

ابی حنیفہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ معتبر لوگوں کے کلام کو اختیار کرتے ہیں اور برائی سے دور رہتے ہیں اور یہ بھی ان کی خصوصیت ہے کہ لوگوں کے معاملات میں اور جس پر وہ قائم رہ سکیں نظر رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے معاملات درست ہیں وہ مسائل میں قیاس کرتے ہیں لیکن جہاں قیاس میں کوئی برائی نظر آتی ہے تو استحسان پر فیصلہ کرتے ہیں اور جب استحسان سے بھی کام نہ چلے تو پھر اس چیز کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اور وہ پہلے حدیث مشہور کی سند جس پر سب کا اتفاق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچاتے پھر قیاس کرتے جب تک کہ قیاس کام دیتا پھر استحسان کی طرف رجوع کرتے اور ان میں جو زیادہ قابل قبول ہوتا اس کو اختیار کرتے۔

محمد بن حسنؒ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ اپنے اصحاب سے قیاس کردہ امور میں مناظرہ کرتے اور لوگ ان سے بحث کرتے اور مقابلہ کرتے حتیٰ کہ جب وہ یہ کہدیتے کہ میں اس کو مستحسن سمجھتا ہوں تو کوئی

ان میں ان کی گرد کو نہیں پہونچ سکتا تھا کیونکہ وہ استحسان میں بہت سے مسائل لاتے تھے پس وہ انکو چھوڑ دیتے اور ان کی اطاعت کرتے اور ابو حنیفہ اہل کوفہ کی حدیث و فقہ کو خوب جانتے تھے اور ان کے شہر میں لوگ جس طریقہ پر تھے سختی سے اس کی پابندی کرتے تھے۔

ان کے زمانہ میں کوفہ کے تین بڑے فقہاء تھے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) سفیان بن سعید ثوری جو اہل حدیث کے ائمہ میں سے ایک تھے لوگ ان کے دین اور ان کی پرہیز گاری و زہد و ثقہ پر متفق تھے۔ اور وہ ان ائمہ مجتہدین میں سے ایک تھے جن کے لوگ مقلد تھے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حلال و حرام کو جاننے والا ثوری سے زیادہ میں نے کسی کو نہیں پایا ۹۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) شریک بن عبداللہ نخعی، بخارا میں ۹۵ھ میں پیدا ہوئے عالم، فقیہ، زیرک، سمجھدار، ہوشیار تھے مہدی کے زمانہ میں کوفہ کے قاضی ہوئے پھر موسیٰ ہادی نے ان کو معزول کر دیا وہ قضاء میں عادل تھے اکثر صحیح فیصلے کرتے حاضر جواب تھے ۱۷۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

(۳) محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ۷۴ھ میں ولادت پائی اصحاب رائے سے تھے کوفہ میں قاضی ہوئے اور (۳۳) سال تک حاکم رہے پہلے بنی امیہ کے زمانہ میں حاکم ہوئے پھر بنی عباس کے زمانہ میں فقیہ و مفتی ہوئے ثوری فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہاء ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہیں ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

اور ان تینوں فقہاء اور ابی حنیفہؒ میں برابر نوک جھونک ہوا کرتی تھی پہلے یعنی سفیان سعید ثوری کے ساتھ تو اس لئے کہ اہل حدیث و اہل رائے کے درمیان غلط فہمی تھی، ابن ابی لیلیٰ سے اس لئے کہ قاضی شہر تھے اکثر اوقات وہ ان امور میں فتویٰ دیتے جن میں ابن ابی لیلیٰ نے فیصلہ کر دیا ہو اور امام ابو حنیفہؒ ان کے خلاف فتویٰ دیتے جس سے ابن ابی لیلیٰ متاثر ہوتے حتیٰ کہ ایک مرتبہ امیر کو اس امر پر ابھارا کہ ابو حنیفہ کو فتویٰ دینے سے منع کر دیں اور ان کے اور شریک کے درمیان صرف معاصرانہ چشمک تھی۔

جب ابو جعفر منصور نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تو مختلف شہروں سے سر کردہ علماء کثیر تعداد میں وہاں پہونچے ابو حنیفہؒ بھی ان میں شامل تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر بھی دوبارہ محکمۂ قضاء کی پیش کش ہوئی اور اس سے انکار پر ان کو سزا دی گئی ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی اللہ تعالےٰ اُن پر رحم فرمائے۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد جنھوں نے ان سے تعلیم پائی جن کو مسائل کی شاخیں نکالنے اور اس کا جواب تیار کرنے میں مہارت کاملہ تھی ان میں مشہور شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری جو ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور جب جوان ہوئے تو روایت حدیث میں مشغول ہو گئے اور ہشام بن عروہ اور ابو اسحاق شیبانی اور عطار بن سائب اور ان کے طبقہ سے حدیث کی روایت کی پھر فقہ کی طرف رجوع کیا اول ابن ابی لیلی کے پاس ایک مدت رہے پھر ابوحنیفہ کے پاس بحیثیت شاگرد تشریف لائے اور ان کے جلیل القدر شاگردوں میں شمار ہوئے اور ان کے زبردست مددگار ہوتے انھوں نے ہی سب سے پہلے ابوحنیفہ کے مذہب پر کتاب تصنیف کی اور مسائل کو لکھوایا اور اس کو شائع کیا اور ابوحنیفہ کے علوم کو اطراف عالم میں پھیلایا اور ابو یوسف کی تعریف اکثر اصحاب حدیث نے کی ہے حالانکہ وہ اصحاب رائے کی تعریف کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں، یحیی بن معین کہتے ہیں کہ اصحاب رائے میں ابو یوسف سے زیادہ نہ کوئی حدیث بیان کرنے والا ہے نہ رائے پر ثابت قدم رہنے والا، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو یوسف صاحب حدیث و صاحب سنت ہیں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) زفر بن ہذیل بن قیس کوفی ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اولاً اہل حدیث تھے پھر ان پر رائے غالب ہوئی اور اصحاب ابوحنیفہ میں وہ سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے کہتے ہیں کہ ان سب میں حدیث کے زیادہ متبع ابو یوسف تھے، اور اکثر مسائل میں تفریع کرنے والے محمدؒ اور سب میں زیادہ قیاس کرنے والے زفر تھے وہ دنیا کے جھگڑوں میں منہمک نہیں ہوئے بلکہ پوری زندگی علم اور تعلیم میں مشغول رہے ۱۵۸ھ میں وفات پائی، اصحاب ابوحنیفہ میں انھوں نے سب سے پہلے وفات پائی

(۳) محمد بن حسن بن فرقد شیبانی جوان کے آزاد کردہ غلام تھے انکے باپ حسن حرستی گاؤں کے رہنے والے تھے جو مضافات دمشق میں ہے پھر وہ عراق آئے جہاں "واسط" میں ان کی پیدائش ۱۳۲ھ میں ہوئی اور کوفہ میں نشوونما پائی پھر عباسیوں کے زیر سایہ بغداد میں رہے بچپن سے طلب علم میں مشغول ہو گئے چنانچہ حدیث کی روایت کی اور ابوحنیفہ سے اہل عراق کا طریقہ سیکھا لیکن ان کے پاس زیادہ دن نہ رہے کیونکہ محمد ابھی نوخیز ہی تھے کہ ابوحنیفہؒ کا انتقال ہو گیا پھر طریقہ کی تکمیل ابو یوسف کے پاس کی کیونکہ عاقل بہت سمجھدار تھے لہذا بہت ترقی حاصل کی اور ابو یوسف کی زندگی میں ہی وہ اہل رائے کے مرجع بن گئے اور دونوں میں نوک جھونک ہونے لگی جو ایک زمانہ تک رہی حتی کہ ابو یوسفؒ کا انتقال ہو گیا۔

محمدؒ سے ہی ابو حنیفہؒ کا مذہب پھیلا ہے کیونکہ حنفیہ کے پاس بجز ان کی کتابوں کے اور کچھ نہیں ہے جیسا کہ تم فصل تدوین میں دیکھو گے شافعیؒ نے بغداد میں ان سے ملاقات کی اور ان کی کتابیں پڑھیں اور اکثر مسائل میں ان سے مناظرہ کیا اور ان کے مناظرے مدون شکل میں موجود ہیں اور اکثر مناظرات خود شافعیؒ ہی کی روایات یا ان کے اصحاب کی روایات سے ہم نے دیکھا ہے۔

محمد بن حسن کی وفات ۱۸۹ھ میں رے میں اس وقت ہوئی جبکہ وہ رشید کے ہمراہ تھے۔

(۴) حسن بن زیاد لولوئی کوفی جو انصار کے آزاد کردہ غلام تھے وہ اولاً ابوحنیفہ کے شاگرد بنے پھر ابو یوسف کے شاگرد ہوئے ان کے بعد محمدؒ کے اور ابوحنیفہ کے مذہب پر کتابیں لکھیں لیکن ان کی کتابوں اور رایوں کی وہ حیثیت نہیں جو محمدؒ کی کتابوں و رایوں کی ہے[1] اور اہل حدیث میں ان کا درجہ کمتر ہے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

یہ چار وہ ہیں جن سے عراقیوں کا مذہب پھیلا اور لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا اور ابو یوسفؒ اور خصوصاً محمدؒ کو بنی عباس کے دربار میں جو امتیاز حاصل تھا اس نے دوسرے اہل حدیث پر ان کے اقوال اور آرار کو اولیت دینے میں مدد کی اور فقہی مسائل کے بتانے اور ان کے جواب دینے میں بھی ان کو بڑی فضیلت حاصل تھی ابو حنیفہؒ کے ساتھ ان کی نسبت ایسی نہ تھی جیسی ایک مقلد کی مقلد سے ہو بلکہ ان کا تعلق شاگرد و استاد کا تھا باوجودیکہ وہ اپنے فتویٰ دینے میں خود اپنا ایک مقام رکھتے تھے اور استاذ کے فتویٰ کی موافقت پر مجبور نہ تھے بلکہ اگر ان کو کوئی سبب اختلاف کا نظر آجائے ان کی تو اور مخالفت کرتے تھے اور اسی لئے احناف کی کتب میں دیکھو گے کہ ایمہ اربعہ کے اقوال ان کی دلیلوں کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں اور اکثر اوقات ایک ہی مسئلہ میں آثار یا معانی کے لحاظ سے چار اقوال ہوتے ہیں ایک ابوحنیفہؒ کا ایک ابو یوسفؒ کا ایک محمدؒ کا ایک زفرؒ کا اور بعض حنفیہ نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ان کے مختلف اقوال کو امام کے اقوال قرار دیں کہ ان سے رجوع کر لیا لیکن یہ ان ائمہ کی تاریخ سے اور ان امور سے جو ان کی کتابوں میں درج ہیں سخت غفلت کا نتیجہ ہے کیونکہ ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں ابو حنیفہؒ کی رائے لکھتے ہیں پھر اپنی رائے صراحت سے لکھتے ہیں کہ وہ اس کے مخالف ہیں اور خلاف کا سبب بھی بتاتے ہیں اور اسی طرح اس کتاب میں لکھتے ہیں جو ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلی کے خلاف میں لکھی ہے کیونکہ کبھی دونوں رایوں کے ذکر کے بعد ابن ابی لیلی کے رائی کی موافقت میں لکھتے ہیں اور محمدؒ اپنی کتاب میں امام کے اور ابو یوسف کے اور اپنے اقوال کو صراحت کے ساتھ اختلاف میں تحریر کرتے ہیں تو اگر ان لوگوں کی یہ رائے صحیح ہوتی

بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ رائیں ہیں جن سے ابوحنیفہؒ نے رجوع کرلیا تو یہ اختلاف روایت ہونا اختلاف رائے نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کو جب اہل حجاز کی احادیث کا علم ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کی بہت سی آراء سے رجوع کرلیا۔ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جن ائمہ حنفیہ کا ذکر ہم نے ابوحنیفہؒ کے بعد کیا ہے وہ ان کے مقلد نہیں تھے اس لئے کہ تقلید تو مسلمانوں میں اس وقت تک رائج بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ فتویٰ دینے میں مستقل مفتی تھے اور خود اپنے دلائل کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے اور اپنے دلائل ہی کی روشنی میں وہ اپنے اساتذہ کی مخالفت یا موافقت کرتے تھے اور ابویوسفؒ محمدؒ کی نسبت ابوحنیفہؒ کے ساتھ ایسی ہی تھی جیسی شافعیؒ کی مالکؒ کے ساتھ

اور ابوحنیفہؒ کے اصحاب کے وہ شاگرد جنھوں نے ان کی کتابیں نقل کی وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابراہیم بن رستم مروزی جنھوں نے محمدؒ بن حسن سے فقہ حاصل کیا اور مالکؒ سے احادیث سنی جن کے بہت سے نادر مسائل ہیں جن کو انھوں نے امام محمدؒ سے سن کر لکھا ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) احمد بن حفص جو ابی حفص کبیر بخاری کے نام سے مشہور ہیں محمد بن حسن سے فقہ حاصل کیا اور ان کی کتابیں ان سے روایت کیں اور محمدؒ کی کتاب مبسوط جس کو میں نے دیکھا ہے وہ انہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

(۳) بشر بن عیاث مریسی جنھوں نے ابویوسفؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان کے مخصوص اصحاب میں سے تھے اگرچہ وہ زاہد متورع تھے لیکن علم فلسفہ میں ان کی شہرت کی وجہ سے لوگ ان سے اعراض کرتے تھے اور خود ابویوسفؒ ان کی مذمت کیا کرتے تھے اور ان سے منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پائی ان کی بہت سی تصانیف ہیں امام ابویوسفؒ سے بہت روایتیں انھوں نے لکھی ہیں اور مذہب میں انھوں نے بڑی عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں جن میں سے گدھے کے کھانے کا جواز ہے ان کے اور شافعیؒ کے درمیان اکثر مناظرے ہوا کرتے تھے انہیں کی طرف مرجیہ کا ایک فرقہ بھی منسوب ہے جس کو مریسیہ کہا جاتا ہے۔

(۴) بشر بن ولید کندی جنھوں نے ابویوسفؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان سے ان کے کتابوں کی اور ان کی املاشدہ کا فقرات کی روایت کی، معتصم کے زمانہ میں قضاء بغداد کے والی ہوئے ۲۳۸ھ میں وفات پائی، محمدؒ بن حسن سے بغض رکھتے تھے اور حسن بن مالک ان کو اس سے منع کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ محمدؒ نے تو بہت کتابیں تصنیف کیں تم ایک مسئلہ تو بتادو، اچھے فقیہ اور عبادت گزار تھے۔

(۵) عیسیٰ بن ابان بن صدقہ قاضی، محمدؒ اور حسنؒ بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور محدث تھے سنہ ۲۲۱ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

(۶) محمد بن سماعہ تمیمی، لیث بن سعد اور ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کی اور آخر الذکر دونوں حضرات اور حسن بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور ابو یوسفؒ و محمدؒ سے نادر مسائل لکھے سنہ ۱۳۰ھ میں ولادت ہوئی اور سنہ ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ مامون کے زمانہ میں بغداد کے قاضی ہوئے اور جب انتقال ہوا تو یحییٰ بن معین نے کہا کہ اہل رائے سے فقہار کا پھول چلا گیا۔

(۷) محمد بن شجاع ثلجی، حسن بن زیاد سے فقہ حاصل کیا اور علم میں کمال حاصل کیا اپنے وقت میں فقیہ عراق اور فقیہ و حدیث میں سب سے مقدم متورع و عابد تھے سنہ ۲۶۶ھ میں انتقال ہوا ان کی کتاب تصحیح الآثار، اور کتاب النوادر اور کتاب المضاربہ وغیرہ تھی مذہب معتزلہ کی طرف مائل تھے اہل حدیث کے نزدیک وہ ضعیف الروایۃ تھے اور ان پر بہت جرح کی ہے۔

(۸) ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی، محمدؒ سے فقہ حاصل کیا اور مسائل اصول و امالی کی کتابیں لکھیں سنہ ۲۰۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

(۹) ہلال بن یحییٰ بن مسلم الرائے بصری، وسعت علم اور کثرت فہم کی بنار پر ان کا نام ہی رائے پڑگیا جیسے کہ ربیعۃ الرای کہا جاتا ہے ابی یوسفؒ و زفرؒ سے فقہ حاصل کیا ان کی ایک تصنیف شروط اور احکام وقف میں ہے سنہ ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابو جعفر احمد بن عمران قاضی دیار مصریہ، محمد بن سماعہ سے فقہ حاصل کیا ابی جعفر طحاوی کے استاذ ہیں سنہ ۲۸۰ھ میں وفات پائی ایک کتاب تصنیف کی جس کو 'حج' کہا جاتا ہے۔

(۱۱) احمد بن عمر بن مہیر المشہور بہ خصاف اپنے باپ سے علم حاصل کیا انھوں نے حسن بن زیاد سے علم حاصل کیا علم فرائض کے ماہر حساب داں امام ابی حنیفہؒ کے مذاہب کے عالم تھے مہدی باللہ کے لئے "کتاب خراج" تصنیف کی اور ایک کتاب کتاب الحیل ہے ایک کتاب کتاب الوصایا اور ایک کتاب کتاب الشروط و کتاب الوقف وغیرہ ہے سنہ ۲۶۱ھ میں وفات پائی

(۱۲) بکار بن قتیبہ بن اسد القاضی مصری، بصرہ میں سنہ ۱۸۲ھ میں ولادت ہوئی اور ہلال الرائے سے فقہ حاصل کیا اور مذہب میں اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے کتاب شروط، کتاب محاضر، سجلات، کتاب الوثائق والعہد تصنیف کی۔ اور ایک بہت بڑی کتاب امام شافعیؒ کے رد میں اس کتاب کے جواب میں لکھی جو انھوں نے امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض میں

لکھی تھی ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوخازم عبدالحمید بن عبدالعزیز قاضی، عیسیٰ بن ابان اور ہلال سے فقہ حاصل کیا اور ان کی تصانیف میں کتاب محاضر، اور سجلات ہے اور ایک کتاب ادب القاضی اور کتاب الفرائض ہے ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) ابوسعید احمد بن حسین بردعی اسماعیل بن حماد بن ابوحنیفہ سے فقہ حاصل کیا انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے ان کے دادا سے حاصل کیا تھا نیز ابی علی دقاق سے جنھوں نے موسیٰ بن نصیر سے فقہ حاصل کیا اور انھوں نے محمدؒ سے واقعہ قرامطہ میں حجاج کے ساتھ ۳۱۷ھ میں مقتول ہوئے، داؤد بن علی امام اہل ظاہر سے انکا ایک مناظرہ ہوا تھا۔

(۱۵) اس زمانہ کے متاخرین کے امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ ازدی طحاوی بہت بڑے امام ہیں ۲۳۰ھ میں ولادت ہوئی اولاً مزنی سے تعلیم پائی جو امام شافعیؒ کے شاگرد اور ان کے ماموں ہیں پھر ابی جعفر احمد بن ابی عمران قاضی کے پاس گئے اور ان سے فقہ حاصل کیا پھر شام میں ابوخازم سے ملے جو وہاں کے قاضی القضاۃ تھے اور احادیث و اخبار میں امام تھے اور اپنی تصانیف کی وجہ سے اپنے معاصرین پر فایق ہو گئے تھے عنقریب ان کا ذکر کیا جائے گا

امام ثانی مالکؒ، ان کا اسم گرامی مالک بن انس ابن مالک ابن ابی عامر ہے ان کا نسب یمن کے ذی اصبح قبیلہ تک پہونچتا ہے آپ کے اجداد میں سے ایک صاحب مدینہ آئے اور وہیں مقیم ہو گئے آپ کے دادا ابوعامر اصحاب رسول اللہ میں سے تھے جو بجز بدر کے آپ کے ساتھ تمام غزووں میں شریک ہوئے تھے۔ امام مالکؒ مدینہ میں ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

علماء مدینہ کے پاس آپ نے طالب علمی کی اور سب سے پہلے وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز کی خدمت میں گئے اور ان کے ساتھ ایک مدت طویلہ تک رہے اور ان کے سوا اور کسی سے نہیں ملے اور حضرت ابن عمر کے مولیٰ نافع اور ابن شہاب زہری سے علم حاصل کیا، فقہ میں آپ کے شیخ ربیعہ بن عبدالرحمٰن ہیں جو ربیعۃ الرائے کے نام سے مشہور ہیں، اور جب آپ کے شیوخ نے ان کو حدیث و فقہ کی شہادت دیدی تو روایت اور فتوی کی مسند پر بیٹھے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک اس منصب قضا پر نہیں بیٹھا جب تک کہ ستر اہل علم شیوخ نے میرے لئے یہ شہادت نہ دیدی کہ میں اس کا اہل ہوں۔

اس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ آپ حدیث میں امام اور اپنی صدق روایت کی بناء پر ثقہ ہیں اپنے

اساتذہ وہمعصروں اوران کے بعد آنے والوں کے نزدیک قابل اعتبار ہیں حتی کہ بعضوں نے تو یہ تک کہدیا کہ سب سے زیادہ صحیح وہ احادیث ہیں جو مالکؒ، نافعؒ سے روایت کریں اور وہ ابن عمرؓ سے یا مالکؒ زہریؒ سے اور وہ سالمؒ سے وہ ابن عمرؓ سے پھر مالکؒ کی ابی الزنادؒ سے وہ اعرجؒ سے وہ ابی ہریرہؓ سے۔

واقدی وغیرہ نے کہا ہے کہ امام مالکؒ کی مجلس وقار وہم کی مجلس تھی صاحب ہیبت تھے رعب وداب والے تھے ان کی مجلس میں شور وشغب ہوتا تھا نہ ہنگامہ اور نہ آواز بلند ہوتی جب کسی بات کا آپ سے سوال کیا جاتا تو سائل کو جواب دیدیتے اور وہ سائل یہ تک نہ پوچھتا تھا کہ اس مسئلہ کا ماخذ کیا ہے۔ آپ کے پاس ایک کاتب حبیب نامی تھے جو آپ کی کتابیں لکھتے اور لوگوں کو پڑھکر سنایا کرتے تو حاضرین میں سے کوئی نہ ان کے قریب آتا اور نہ ان کی کتاب میں دیکھتا اور نہ کوئی ان کی ہیبت کی وجہ سے اُن سے کچھ دریافت کرتا البتہ اگر حبیب کہیں غلطی کرتے تو خود امام مالکؒ ان کو بتاتے اور ان کی عادت تھی کہ وہ اپنی کتابیں کسی کو پڑھ کر نہیں سناتے تھے لیکن یحییٰؒ بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے مؤطا امام مالکؒ سے چودہ بار سنی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ اکثر مرتبہ تو خود امام مالکؒ نے پڑھا ہے اور بعض مرتبہ خود یحییٰ بن بکیرؒ نے پڑھا ہے۔

بڑے بڑے محدثین نے ان سے حدیث سنی ہے اور کثیر تعداد میں فقہاء نے ان کا اتباع کیا ہے کیونکہ امام مالکؒ میں دو صفتیں تھیں ایک تو یہ کہ وہ محدث تھے دوسرے یہ کہ مفتی تھے اور مجتہد تھے پہلی صفت کی بناء پر تو خود ان کے بڑے بڑے شیوخ نے ان سے روایت کی۔ جیسے ربیعہ اور یحییٰ بن سعید اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہم نے اور ان سے ان کے ہمعصروں نے روایت کی ہے جیسے سفیان ثوری اور لیث اور اوزاعی اور سفیان بن عیینہ اور ابو یوسف شاگرد امام ابوحنیفہؒ اور ان کے بڑے شاگردوں نے جیسے محمد بن ادریس شافعی اور عبداللہ بن مبارک محمد بن حسن شیبانی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

اور دوسری صفت کی بناء پر ان سے ان کے مذہب کے بڑے علماء نے ان سے مسائل کو لیا ہے عنقریب ان کا ذکر آئے گا۔

امام مالکؒ اپنے فتاویٰ میں اولاً اعتماد کرتے تھے۔ کتاب اللہ پر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ان کے نزدیک ثابت ہوا اور اس بارہ میں ان کا اعتماد علماء حجاز کے بڑے محدثین پر تھا اور اہل مدینہ کو جس چیز پر عمل کرتے ہوئے پاتے اس کو بڑی اہمیت دیتے خصوصاً اُ

کے تعامل کو جن میں مقدم عمران تھے اور کبھی حدیث کو اس بنار پر چھوڑ دیتے تھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا اس بارہ میں اکثر شہروں کے فقہار نے ان سے بحث کی ہے اور ہم نے اس سلسلہ میں اس سے قبل لیث بن سعد کا خط ان کے نام درج کردیا ہے اور امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "ام" میں اور اسی طرح ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہ نے اُن کی تردید کی ہے پھر وہ قیاس پر اعتماد کرتے تھے جبکہ کتاب یا سنت کی نص نہ ہو ان کی طرف "مصالح مرسلہ پر عمل" منسوب کیا گیا ہے جیسے حنیفہ کی طرف استحسان کا قول منسوب ہے اور انہی مصالح مرسلہ کو استصلاح بھی کہتے ہیں اور مصالح مرسلہ کا مطلب وہ مصلحتیں ہیں جن کی شریعت سے نہ بطلان کی کوئی دلیل ملتی ہے اور نہ باعتبار نص کے کوئی اعانت ملتی ہے اور اس پر عمل کرنا اس وقت موجب نزاع ہو سکتا ہے جبکہ وہ کسی دوسری دلیل سے ٹکرائے یا کسی نص اور قیاس کے مخالف ہو اور اس کی مثال چوری کا اقرار کرانے کے لئے کسی شخص کو سزا دینے کی ہے جس کے جواز کے امام مالکؒ قائل ہیں لیکن دوسرے لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ یہ ایسی مصلحت ہے کہ جس کی دوسری مصلحت معارض ہے اور وہ اس شخص کی مصلحت ہے جس کو مارا جائے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ بری ہو اور گنا ہگار کو مارنا ایک بری شخص کو مارنے سے آسان ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح مال برآمد کرنا دشوار ہوگا تو اس طرح ایک بری کو سزا دینے کا دروازہ کھل جائے گا اور اسی طرح مفقود الخبر کا مسئلہ ہے کہ جب اس کے موت وحیات کی خبر معلوم نہ ہو اور وہ کئی سال انتظار کرلیا اور شوہر کی علیحدگی سے نقصان اٹھالیا اور وہ عورت جس کا حیض کئی سال سے بند ہے اور نکاح کے لئے اس کی عدت رک گئی اور نکاح نہ کرسکی تو امام مالکؒ نے ان دونوں صورتوں میں حضرت عمرؓ کی رائے کو لیا کہ مفقود الخبر کی بیوی خبر نہ ملنے کے چار سال کے بعد نکاح کرے اور دوسری عورت مدت حمل گزرنے کے بعد تین ماہ عدت میں بیٹھے جو نو ماہ ہیں تو مجموعہ ایک سال ہوا، پہلی صورت میں بیوی کی مصلحت کا خیال رکھا اور غائب شوہر کی مصلحت کا خیال نہ رکھا اور دوسری میں بھی زوجہ کی ہی مصلحت کا خیال رکھا ہو جبکہ یہ اس نص صریح کی مخالفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء۔ — مطلقہ عورتیں ایام ماہواری تک انتظار کریں۔

اور وہ ابھی سن ماس کو نہیں پہونچی کہ مہینوں کے حساب سے عدت کرے۔

خلاصہ یہ کہ مصلحۃ مرسلہ ایسی مصلحت ہے جو مقصود شرعی کی حفاظت کی طرف رجوع کرتی ہو

جس کا مقصود شرعی ہونا کتاب یا سنت یا اجماع سے معلوم ہو مگر یہ کہ کوئی اصل معین اس کے اعتبار کی شہادت نہ دے اور اس کا مقصود شرعی ہونا کسی ایک دلیل سے نہیں بلکہ جملہ ادلہ و احوال کے قرینوں اور متفرق علامتوں سے معلوم ہو اور اسی لئے اس کا نام مصلحت مرسلہ رکھا گیا ہے اور اس کے اختیار کرنے میں اختلاف نہیں ہے بجز اس کے کہ دوسری مصلحت اس کی معارض ہو اور ایسی صورت میں کسی ایک مصلحت کو ترجیح دینے میں اختلاف ہوگا جیسا کہ ہم نے اس کو استحسان کے مسئلہ میں بیان کیا ہے (مصالح مرسلہ کی بحث مستصفی غزالی میں دیکھو کہ اس میں بہت نفیس بحث ہے)

اور ہم کچھ مسائل امام مالکؒ کے اس وقت ذکر کریں گے جبکہ ہم ان کے جب ہم امام مالک کی کتابوں پر بحث کریں گے۔ اس وقت ان کے مسائل کا ذکر کریں گے۔

امام مالکؒ مدینہ میں قیام پذیر رہے وہاں سے کسی دوسرے شہر کو نہ گئے اسی لئے ان کی اکثر حدیثیں وہی ہیں جن کو حجازیوں نے روایت کیا ہے اور اسی لئے موطا میں ان کو حجازیوں کے سوا اور لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کم پاؤ گے لوگ ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے ان سے علم حدیث اور مسائل سیکھتے تھے انھوں نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

ان کے پاس جانے والوں میں اکثریت مصریوں اور مغربی یعنی اہل افریقہ و اندلس تھے اور یہی لوگ پورے شمالی افریقہ اور اندلس میں ان کے مذہب کو پھیلانے کا ذریعہ بنے اس کے علاوہ بصرہ و بغداد و خراسان میں اُن علماء کے ذریعہ اُن کا مذہب پھیلا جن کا ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

جو مصری ان کے پاس گئے اور ان کے مذہب کے ستون ثابت ہوئے تھے حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی ان کے آزاد کردہ غلام تھے مالکؒ اور لیث بن سعد اور سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری وغیرہم سے روایت کی جو امام مالکؒ کے طبقہ میں تھے اور امام مالکؒ و لیثؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور امام مالکؒ کے پاس ۱۴۸ھ میں پہونچے اور ان کی صحبت میں ان کی وفات تک رہے اور امام مالکؒ ان کو جب خط لکھتے تو یوں لکھتے "عبداللہ بن وہب فقیہ مصر ابی محمد مفتی" وہ اس طرح کے الفاظ ان کے سوا اور کسی کو نہیں لکھتے تھے۔ اور ان کے بارہ میں فرماتے کہ ابن وہب بڑے عالم ہیں اور ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ وہ امام مالکؒ کے مذہب میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ثقہ ہیں اور وہ ابن القاسم سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن وہ تقوی کی وجہ سے فتوی نہیں دیتے تھے اور اصبغ کہتے ہیں کہ ابن وہب امام مالکؒ کے اصحاب میں سنن و آثار کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں لیکن انھوں نے ضعیف راویوں سے روایت کی ہے وہ

دیوان علم کہلاتے تھے اور کوئی ایسا نہیں ہے جس کو امام مالکؒ نے توبیخ نہ کی ہو بجز ابن وہب کے کہ وہ ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ابن وہب نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مالکؒ اور لیثؒ کے ذریعہ نجات نہ دیتا تو میں گمراہ رہتا، ان سے پوچھا گیا یہ کیسے؟ تو کہا کہ میں نے کثرت سے حدیثیں روایت کی ہیں جس سے میں حیران رہ گیا لیکن میں یہ احادیث امام مالکؒ اور لیثؒ کے سامنے پیش کیا کرتا تو وہ کہا کرتے کہ اس کو اختیار کرلو اور اس کو چھوڑ دو ۱۲۵ھ میں ولادت ہوئی اور مصر میں ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن قاسم عتقی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے امام مالک اور لیث اور ابن ماجشون اور مسلم بن خالد وغیرہم رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کی، ابن وہب کے پاس دس بارہ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام مالکؒ کے پاس گئے اور ان کی صحبت میں مدت دراز تک رہے اور امام مالکؒ کے علم کو دوسروں کے علم سے مخلوط نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ ان میں سب سے زیادہ ثابت قدم ہو گئے، امام مالکؒ سے ان کے اور ابن وہب کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ابن وہب عالم ہیں اور ابن القاسم فقیہ، ابن وہب نے ابی ثابت سے کہا کہ اگر تم امام مالکؒ کی فقہ چاہتے ہو تو تم ابن قاسم کے پاس جاؤ کہ وہ اس میں منفرد ہیں اور ہم دوسرے امور میں مشغول ہو گئے، اور یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن القاسم ان سب سے زیادہ مالکؒ کا علم جانتے ہیں اور ان سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں انھوں نے مصر میں ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

(۳) اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری الجعدی، امام مالکؒ اور لیثؒ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور امام مالکؒ اور مدنی مصری مشائخ سے فقہ حاصل کیا، سحنونؒ سے دریافت کیا گیا کہ ابن قاسم اور اشہب میں سے کون سب سے زیادہ فقیہ ہے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اشہب سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں پایا اور ابن قاسم کے بعد مصر کے وہی مقتدا مانے گئے اور سحنونؒ سے دریافت کیا گیا کہ ابن القاسم اور اشہب میں سب سے زیادہ فقیہ کون ہے تو فرمایا کہ وہ مثل ریس کے دو گھوڑوں کے ہیں کبھی یہ بڑھ گیا وہ رہ گیا اور کبھی وہ بڑھ گیا یہ رہ گیا اشہب ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابومحمد عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین بن لیث امام مالکؒ اور لیث بن سعد اور ابن عیینہ و ابن لہیعہ وغیرہم سے حدیث سنی بہت ہی صالح ثقہ اور مذہب مالکؒ کے محقق فقیہ

اور راستباز عاقل وحلیم تھے اور اشہب کے بعد انہی کو مصر کی پیشوائی ملی' اور بنی عبدالحکم کو مصر میں وہ مرتبہ اور ترقی حاصل ہوئی جو اور کسی کو نہیں حاصل ہوئی تھی اور امام شافعیؒ کے دوست تھے اور جب آئے تو انہی کے پاس ٹھیرے انھوں نے ان کی بڑی عزت اور خاطرداری کی انہی کے پاس ان کا انتقال ہوا امام شافعیؒ سے حدیث کی روایت کی اور ان کی کتابیں اپنے اور اپنے بیٹے کے لئے لکھیں اور اپنے لڑکے محمد کو اُن کی خدمت میں چھوڑا اور ابن قاسم وابن وہب واشہب نے ابن عبدالحکم کے لئے وصیت کی ۱۵۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۱۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔

(۵) اصبغ بن فرج اموی ان کے آزاد کردہ غلام تھے مدینہ کا سفر کیا تاکہ امام مالکؒ سے سماعت حدیث کریں لیکن جس دن وہ شہر میں داخل ہوئے عین اُسی دن ان کی وفات ہوئی اس کے بعد ابن قاسم وابن وہب واشہب سے علم حاصل کیا اور ان سے سماعت حدیث کی اور انہی سے فقہ حاصل کیا اُن کا شمار ابن وہب کے بزرگترین اصحاب میں تھا اور ان کے کاتب اور مخصوص لوگوں میں تھے' اشہب سے پوچھا گیا کہ اپنے بعد ہمارے لئے کسے چھوڑے جاتے ہو تو کہا اصبغ بن الفرج کو' اور ابن الباد نے فرمایا کہ مجھے فقہ کا راستہ اصبغ ہی کے اصولوں سے ملا اور اشہب اپنے اساتذہ کے ساتھ فتویٰ دیا کرتے تھے اور ابن معین فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کی رائے کو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ جاننے والے اصبغ تھے کیونکہ وہ اُن کا ایک ایک مسئلہ جانتے تھے۔

(۶) محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم' انھوں نے اپنے والد اور ابن وہب' اشہب وابن القاسم وغیرہم اصحاب مالکؒ سے حدیث سنی اور امام شافعیؒ کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور ان کی کتابیں لکھیں ان کے والد نے ان کے پاس چھوڑتے وقت حکم دیا تھا کہ شافعیؒ اور اشہبؒ کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کریں اور محمدؒ ان دونوں کے علوم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے ابن حارث کہتے ہیں کہ وہ علماء فقہاء میں کامل اہل نظر سے تھے اور جس بات کو وہ کہتے تھے اور جس مذہب کی وہ تقلید کرتے تھے اس پر وہ مناظرہ اور حجت بیان کیا کرتے تھے اور ان کے پاس لوگ مغرب واندلس سے علم وفقہ حاصل کرنے آیا کرتے تھے اور مصر کے پیشوا مانے گئے مصر میں ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری المشہور بہ ابن مواز' ابن ماجشون اور ابن عبدالحکم سے

فقہ حاصل کیا اور اصبغ پر اعتماد کیا اور ابن القاسم سے بچپن میں روایت کی، مصر میں ان کے قول پر اعتماد کیا جاتا تھا فقہ اور فتوی میں ان کو رسوخ حاصل تھا ۲۲۵ھ میں دلادت ہوئی اور دمشق میں ۲۶۹ھ میں وفات پائی۔

افریقہ واندلس میں امام مالکؒ کے حسب ذیل شاگرد تھے۔

(۱) ابوعبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن قرطبی الملقب بہ شبطون، امام مالکؒ سے موطا سنی اور فتاوی بھی ان سے سن کر کتاب سماع پر سماع زیاد کے نام سے مرتب کی جو کافی مشہور ہے، وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں جس میں لیث بن سعد اور ابن عیینہ شامل ہیں اور زیاد نے ہی سب سے پہلے اندلس میں موطا امام مالکؒ کو فقیہانہ حیثیت سے درس میں داخل کیا پھر یحیی بن یحیی نے ان کا اتباع کیا اہل مدینہ زیاد کو فقیہ اندلس کہا کرتے تھے امام مالکؒ کے پاس وہ دو مرتبہ سفر کر کے گئے تھے ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) عیسیٰ بن دینار اندلسی حدیث کی سماعت کے لئے سفر کیا اور ابن القاسم کے پاس آئے ان سے تعلیم حاصل کی اور ان پر اعتماد کیا اور اندلس واپس گئے اور مشرق سے فتاوی انہی کے پاس جاتے تھے ان کے زمانہ میں قرطبہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا اور قرطبہ کی پیشوائی انہی کو ملی ابن القاسم ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو جلیل القدر عالم سمجھتے تھے فقہ وورع میں ان کی تعریف کیا کرتے تھے اندلس میں ان کے ہمعصروں میں کوئی فقیہ ان سے بڑھکر نہیں تھا اور ابن ایمن کہتے ہیں کہ انھوں نے ہی ہمارے شہر یعنی اہل مصر کو مسائل سکھائے۔ اور یحیی کی جلالت اور شان وشوکت کے باوجود وہ ان سے زیادہ فقیہ تھے اور جب وہ واپس لوٹنے لگے تو ابن القاسم نے ان کی تین کوس تک مشایعت کی لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو فرمایا کیا تم مجھ کو اس بات پر ملامت کرتے ہو کہ میں نے ایسے شخص کی مشایعت کی جس کے بعد اس سے بڑھ کر فقیہ اور اس سے زیادہ زاہد نہ ہوگا، طلیطلہ میں ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۳) یحیی بن یحیی کثیر اللیثی ان کے آزاد کردہ غلام تھے ابتداء میں زیاد بن عبدالرحمٰن سے موطا امام مالکؒ پڑھی پھر (۲۸) سال کی عمر میں سفر کیا اور امام مالکؒ سے دوبارہ موطا پڑھی کتاب الاعتکاف کے چند ابواب میں ان کو کچھ شک پیدا ہوا تو اس کو زیاد سے روایت کیا امام مالکؒ سے انھوں نے ۱۷۹ھ میں ملاقات کی اور یہی ان کے انتقال کا سال ہے اس کے بعد دوسرا سفر کیا جس میں صرف ابن القاسم سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کیا اور

اندلس علم کثیر لے کر واپس آئے عیسیٰ بن دینار کے بعد فتاویٰ ان کی رائے اور یحییٰ کی رائے سے جاری ہوتے اور عیسیٰؒ کے ذریعہ ہی اندلس میں امام مالکؒ کا مذہب پھیلا یحییٰ اپنے عمل سے اُن کے علم پر فضیلت رکھتے تھے اور ابن سبابہ نے کہا ہے کہ فقیہ اندلس عیسیٰ ابن دینار ہیں اور اس کے عالم ابن حبیب اور اس کے عاقل یحییٰ ہیں علم میں اندلس کی پیشوائی انہی کو ملی ۲۳۴ھ میں وفات پائی۔

(۴) عبدالملک بن حبیب بن سلیمان سلمیؒ یہ طلیطلہ کے رہنے والے ہیں ان کے دادا سلیمان قرطبہ چلے گئے تھے اور ان کے والد فتنۃ الربض میں بیرہ آ گئے تھے اندلس میں تعلیم پائی اور ۲۰۸ھ میں سفر کیا، اور ابن ماجشون و مطرف و عبداللہ بن عبدالحکم اور اسد بن موسیٰ وغیرہم سے سماعت حدیث کی اور ۲۱۶ھ میں اندلس گئے اور علم عظیم حاصل کیا پھر بیرہ آئے تو علم و روایت میں ان کا شہرہ ہوا جس پر امیر عبدالرحمٰن ابن الحکم نے ان کو قرطبہ بلایا اور وہاں کے مفتیوں کے طبقہ میں ان کو شامل کیا یہاں پر یحییٰ بن یحییٰ کے ساتھ جو وہاں کے مشاورۃ و مناظرۃ کے سردار تھے، رہے اور دونوں کے درمیان بہت اچھے تعلقات قائم ہو گئے یحییٰ کا انتقال ان سے پہلے ہو گیا ان کے بعد یہ اکیلے مقتدا بن گئے، عبدالملکؒ امام مالکؒ کے مذہب کی فقہ کے ماہر اور حافظ تھے مگر ان کو حدیث کا علم نہ تھا اور نہ وہ صحیح و سقیم حدیث سمجھتے تھے، فقہ میں امامت کے ساتھ ادب میں بھی ان کو معرفت حاصل تھی ابن مواز نے علم و فقہ میں ان کی تعریف کی ہے کتاب واضحہ فی السنن والفقہ کے وہ مؤلف ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کی اور مؤلفات ہیں ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوالحسن علی بن زیاد تونسی، امام مالکؒ و ثوری ولیث ابن سعد وغیرہم سے حدیث سنی ان کے زمانہ میں افریقہ میں ان کا مثل نہ تھا ان سے اسد بن فرات اور سحنون وغیرہ نے حدیث سنی امام مالکؒ سے موطا اور دیگر کتب سنیں اور فقہ میں وہ سحنونؒ کے معلم تھے افریقہ میں سحنونؒ سے کوئی بڑھ کر نہیں تھا اور قیروان میں اہل علم جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو علی بن زیاد کو لکھتے تاکہ ان کو صحیح مسئلہ بتائیں، سحنونؒ فرماتے ہیں کہ اگر علی بن زیاد کو اتنی علم کی طلب ہوتی جتنی مصریوں کو ہے تو نہ کوئی ان میں سے چھوٹتا اور نہ کوئی ان کے ساتھ رہتا ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۶) اسد بن فرات نیشاپور کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے بحران میں پیدا ہوئے جو دیار بکر سے تھا اور تونس میں جوان ہوتے چلے اور بڑے ہوتے وہاں علی بن زیاد سے فقہ حاصل کیا پھر مشرق

کی طرف سفر کیا اور امام مالکؒ سے ان کی موطا سنی پھر عراق گئے اور ابوحنیفہؒ کے شاگردوں ابو یوسف اور محمد بن حسن اور اسد بن عمرو سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کیا اور ابو یوسفؒ نے ان سے موطا امام مالکؒ پڑھی انھوں نے "مدونہ" کی تالیف کی جس کا عنقریب ذکر آئے گا، محاصرۂ سرقوسہ میں ۲۱۳ھ میں وفات پائی جب کہ وہ اُس کے امیر فوج اور قاضی تھے۔

(۷) عبدالسلام ابن سعید تنوخی ملقب بہ سحنونؒ اصل ان کی شامی ہے حمص کے رہنے والے ہیں ان کے والد حمص کی فوج میں شامل آئے تھے قیروان میں وہاں کے مشائخ سے علم حاصل کیا خصوصاً علی بن زیاد سے کیونکہ ان کے پاس تونس سے سفر کر کے گئے تھے پھر مصر گئے اور ابن القاسم و ابن وہب وغیرہما علماء مصر سے حدیث سنی جو امام مالکؒ اور بلاد مغرب کے طلبہ کے درمیان بڑا واسطہ تھے پھر مدینہ کی طرف سفر کیا اور امام مالکؒ کی وفات کے بعد وہاں کے علماء سے ملاقات کی اور ۱۹۱ھ میں افریقہ واپس لوٹے۔

ابوالعرب کہتے ہیں کہ سحنونؒ ثقہ حافظ علم اور اچھے فقیہ تھے ان میں کئی خصلتیں ایسی جمع ہوگئی تھیں جو ان کے علاوہ کسی میں نہیں تھیں، اچھا فقہ، سچا تقویٰ، اور حق میں جرأت اور دنیا میں زہد اور کھانے پینے میں سادگی اور جوانمردی، سلطان سے کوئی چیز قبول نہ کرتے اور بسا اوقات وہ اپنے شاگردوں کو تیس تیس دینار یا اس کے مثل دیتے تھے اور ابن القاسم کہا کرتے تھے کہ افریقہ سے سحنونؒ کے مثل ہمارے پاس کوئی نہیں آیا اور جب وہ افریقہ آئے تو لوگوں نے ان کی طرف نظر کی اور ان کے گرویدہ ہو گئے نئی زندگی اور نئے زمانہ کا آغاز ہوا ان کے شاگرد اہل قیروان کے چراغ تھے انھوں نے ہی "مدونہ" تصنیف کی جس پر اہل قیروان کو اعتماد ہے ۲۳۴ھ میں افریقہ کے قاضی مقرر ہوئے اس وقت انکی عمر (۷۴) سال کی تھی زندگی کے آخری لمحہ تک قاضی رہے اور اپنے لئے سلطان سے نہ کوئی روزینہ لیتے تھے نہ صلہ البتہ اپنے مددگاروں اور کاتبوں اور قاضیوں کے لئے اہل کتاب کے جزیہ میں سے لیتے تھے اور اگر کسی نے کسی شخص کو کسی بات سے اذیت پہونچائی یا گواہوں کو بھڑکایا تو اس کو سزا دیتے اور کہتے کہ جب گواہوں کو بھڑکایا گیا تو وہ کیسے گواہی دیں گے اور اگر فریق نے گواہ پر کوئی عیب لگایا یا جرح کی یا اس نے یہ کہا کہ مجھ سے گواہوں کے بارے میں دریافت کیجئے کہ وہ کیسے ہیں تاکہ وہ ان کی جرح کے بارے میں ان سے سوال کرے تو اس کو تنبیہ کرتے تھے اور مدعی سے فرماتے میں تجھ سے زیادہ اس بات کا خیال رکھتا ہوں اور وہ تجھ سے بڑھ کر میرے ذمہ ہے۔ طلاق و عتاق کے بارے میں ناجائز قسموں پر تادیب کیا کرتے تھے۔

تاکہ وہ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائیں او رفسق پر لوگوں کو تنبیہ کیا کرتے تھے اور جو اس کا مجرم ہوتا اس کو بازار سے نکال دیا کرتے تھے لوگ اپنے نام رقعوں میں لکھ کر دیدیتے تھے جنکو وہ اپنے سامنے رکھ لیا کرتے اور ایک ایک کرکے نمبرواران کو بلاتے بجز اس کے کہ کوئی مجبور یا ستم رسیدہ آجاتا ۲۴۲ھ میں وفات پائی اللہ ان پر رحم کرے۔

یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے بلاد مغرب میں امام مالکؒ کے مذہب کو پھیلایا لیکن بلاد مشرق میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوا جس نے امام مالکؒ کو دیکھا ہو اور ان سے فقہ حاصل کیا ہو البتہ ایسے لوگ تھے جنھوں نے امام مالکؒ کو نہ دیکھا اور نہ سُنا۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) احمد بن معذل بن غیلان عبدی فقیہ متکلم جو عبدالملک بن ماجشون اور محمد بن مسلمہ کے شاگردوں میں سے بہترین ادیب۔ فصیح اور مناظر تھے مالکؒ کے مذہب کے فقیہ تھے صاحب فضیلت و تقویٰ اور دین دار و عبادت گزار تھے امام مالکؒ کے لئے ان سے بڑھ کر اور ان سے اعلیٰ درجہ کا اور اہل حجاز کے مذہب کا ان سے بڑھکر کوئی عالم نہ تھا اور انہی سے امام مالکؒ کا مذہب بلاد مشرق میں پھیلا۔

(۲) ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید قاضی بصرہ میں نشوونما پائی اور بغداد کو وطن بنایا اور وہیں حدیث کی سماعت کی اور ابن معذل سے فقہ حاصل کیا وہ کہتے تھے کہ میں بصرہ میں دو شخصوں پر فخر کرتا ہوں ابن المعذل پر جس نے مجھے سکھایا اور ابن المدینی پر جس نے مجھے حدیث سکھائی اور اہل عراق نے انہی سے فقہ مالکی حاصل کیا ابوبکر بن الخطیب کہتے ہیں کہ اسماعیل فاضل عالم ہر فن مولیٰ مالکی مذہب کے فقیہ تھے ان کے مذہب کی شرح بیان کی ان کی طرف سے بحثیں کیں اور مسند و علوم قرآن میں کئی کتابیں تصنیف کیں مالکؒ اور یحیی بن سعید انصاری اور ایوب سختیانی کی حدیثیں جمع کیں ابوالولید باجی مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مختلف علوم کے جامع تھے اور امام مالکؒ کے بعد اس درجہ پر بجز اسماعیل قاضی کے کوئی نہیں پہونچا' بغداد کے قاضی ہوئے اور ایک ہی وقت میں ان کے پاس تمام علوم جمع ہوئے ان سے قبل کسی کو یہ جامعیت حاصل نہ ہوئی وہ مداین اور نہرواناتات کے بھی قاضی ہوئے اور آخر میں قاضی القضاۃ ہوگئے' ابوعمرو دانی کہتے ہیں کہ اسماعیل (۲۲) سال منصب قضاء پر متمکن رہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پچاس یا کچھ زائد سال قاضی رہے ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا جائے گا ۲۰۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۸۲ھ میں وفات پائی۔

اہل مدینہ میں امام مالکؒ کے بڑے شاگرد

ابومروان عبدالملک بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ الماجشون جو قریش میں بنی تیم کے آزاد کردہ غلام تھے ماجشون یہ فارسی کلمہ ہے جس کے معنے "گلاب کے پھول یا گلابی کے ہیں" آپ کا یہ نام اس لئے پڑ گیا کہ ان کے چہرہ میں سرخی جھلکتی تھی عبدالملک فقیہ و فصیح تھے ان کے ابتدائی زمانہ سے موت تک مسند فتویٰ پر رہے ان سے پہلے ان کے والد کے پاس تمام فتاویٰ آتے تھے جو اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے مفتی تھے اپنے باپ اور امام مالکؒ نے فقہ حاصل کیا' اور جب امام شافعیؒ اور وہ آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے تو لوگ اکثر ان کی بات نہ سمجھتے تھے کیونکہ امام شافعیؒ نے دیہات میں ہذیلؒ کے پاس ادب کی تعلیم پائی تھی اور عبدالملک نے اپنے ماموؤں کے پاس بنی کلب میں بدوؤں سے ادب کی تعلیم حاصل کی تھی' یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ قاضی عبدالملک ایک دریا کی طرح ہیں جس کو ڈول مکدر نہیں کرسکتے اور سحنون نے ان کی تعریف کی اور فضیلت بیان کی ہے اور کہا کہ میں نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس جاؤں اور ان پر ان کتابوں کو پیش کروں کہ وہ اجازت دیں اس کو جائز رکھوں اور جس کو وہ ادا کردیں میں بھی رد کردوں' اور ابن حبیب نے ان کی بہت تعریف بیان کی ہے عقل اور سمجھ میں اکثر اصحاب مالک پر ان کو بلند قرار دیتے تھے' ان سے ایک بڑی جماعت اور جلیل القدر ائمہ نے جیسے کہ احمد بن معذل اور ابن حبیب و سحنون نے فقہ حاصل کیا ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

یہ حضرات امام مالکؒ کے جلیل القدر شاگرد اور ان کے مذہب کی اشاعت کرنے والے تھے ان کی نسبت امام مالکؒ کے ساتھ ایسی تھی جیسی شاگرد کی استاد کے ساتھ اور راوی کی استنباط کرنیوالے کے ساتھ لیکن وہ ان کی مخالفت بہت کم کرتے تھے اور اگر کہیں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تو وہ اختلاف خود امام مالکؒ کی روایت کے اختلاف کی بنا پر ہوگا یا ان سے روایت کردہ نصوص کے سمجھنے میں اختلاف کی بنا پر البتہ کبھی کبھی ابن وہب اور ابن قاسم ان سے اختلاف کرتے تھے لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کردیا بہت کم امور ہیں۔

تیسرے امام امام شافعیؒ

اُن کا نسب' ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع شافعی مطلبی' بنی المطلب بن عبدمناف سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور امام شافعیؒ کی نویں پشت میں تھے

امام شافعیؒ کی ماں یمنی قبیلۂ ازد سے تھیں اور فطرۃً بہت ذکی و ذہین تھیں۔

شافعیؒ عسقلان کے مضافات میں غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے غزہ اُن کے اجداد کا وطن نہ تھا بلکہ ان کے والد ادریس وہاں کسی ضرورت سے گئے تھے وہیں ان کا انتقال ہوا اور وہاں ان کے لڑکے محمد پیدا ہوتے ان کے پیدا ہونے کے دو سال کے بعد ان کی ماں ان کے جدی وطن مکہ لے آئیں اور وہیں اپنی ماں کے آغوش عاطفت میں بحالت یتیمی پرورش پائی اور بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر دیہات میں ہذیل کے پاس گئے جو عرب کا فصیح ترین قبیلہ تھا وہاں ان کے اشعار خوب یاد کئے جب وہاں سے لوٹے تو فصاحت و ادب میں خوب ماہر ہو چکے تھے پھر مسلم بن خالد زنجی جو حرم کے شیخ اور وہاں کے مفتی تھے ان سے علم حاصل کیا حتیٰ کہ انھوں نے ان کو اجازت دیدی کہ فتویٰ دیا کریں آپ نے ان سے درخواست کی کہ وہ امام مالکؒ بن انس امام دار الہجرۃ اور وہاں کے دوسرے محدثین کو لکھیں چنانچہ انھوں نے ان کو خط لکھدیا اس کو لے کر مدینہ منورہ پہونچے اور امام مالکؒ کے پاس حاضر ہوئے اور موطا کو حفظ کیا ان کو پڑھ کر سنایا امام مالکؒ سن کر تعجب کرنے لگے اور بہت پسند فرمایا۔

امام شافعیؒ نے اس مدت میں مسلم بن خالد سے فقہ اور دو عظیم المرتبت انسان یعنی سفیان بن عیینہ محدث مکہ اور مالکؒ بن انس محدث مدینہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی اور یہ ان کے سب سے بڑے شیوخ میں سے ہیں لیکن ان کے سوا اور لوگوں سے بھی روایت کی ہے۔

امام شافعیؒ مالدار نہ تھے جس کی وجہ سے وہ ایسے کام کی تلاش پر مجبور ہوئے جس سے وہ رزق حاصل کر سکیں مصعب بن عبد اللہ قرشی قاضی یمن کی معاونت سے ایک کام میں لگ گئے اور اس میں ترقی حاصل کرتے رہے، یہ اس خلیفہ ہارون رشید کا زمانہ تھا اور آل عباس اور آل علی کے درمیان سخت دشمنی تھی اور رشید علویوں کی اور ان کے معاونین کی حرکات سے بہت ڈرتا اور محتاط رہتا تھا اور ان کو معمولی شبہ پر پکڑ لیتا تھا امام شافعیؒ پر بھی تشیع کی تہمت لگائی گئی اور بلاد یمن اس وقت ان شیعوں کا مرکز بنا ہوا تھا جو بنی عباس کی گھات میں لگے ہوئے تھے اور افراد تہم میں شیعوں کی دعوت کو پھیلا رہے تھے چنانچہ ان شیعوں کا معاملہ ہارون رشید کے پاس پیش کیا گیا امام شافعیؒ بھی ان کے ساتھ تھے ان کو بھی رشید کے پاس جانے کا حکم دیا چنانچہ وہ اس کے پاس بھیجے گئے یہ ۱۸۴ھ کا واقعہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ اُن پر یہ تہمت مطرف بن مازن قاضی صنعاء نے لگائی تھی حماد بربری والی یمن ان کو رشید کے پاس شہر میں لے گئے۔

امام شافعیؒ کو اس تہمت سے شدید خطرہ لاحق ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدافعت کیلئے

رشید کے دربان فضل بن ربیع کو کھڑا کر دیا اس نے ان کی طرف سے مدافعت کی حتیٰ کہ ان کی برأت ثابت ہو گئی امام شافعیؒ نے رشید سے اپنی شیعہ تہمت کی مدافعت میں جو کہا یہ تھا کہ کیا میں اس کو چھوڑ دوں گا جو اپنے کو ان کا چچا زاد بھائی کہتا ہے (یعنی رشید) اور اس کو قبول کر لوں گا جو اپنے کو ان کا غلام کہتا ہے (یعنی امام شیعہ) اس کلمہ کا رشید کے دل پر بہت بڑا اثر پڑا ان کو چھوڑنے کا اور ان کو انعام دینے کا حکم کیا۔

اس فرصت میں امام شافعیؒ محمد بن حسن شیبانی سے ملے جو امام ابی حنیفہؒ کے شاگرد تھے اور فقہاء عراق کی کتابوں پر مطلع ہوئے اور اس پر طریقہ اہل حدیث پر معلومات کا اضافہ کیا اور انھوں نے محمد بن حسن سے کئی مناظرات کئے جس کی اطلاع رشید کو ملی جس سے وہ بہت خوش ہوا اور شافعیؒ کی کتابیں ان مناظرات سے بھری ہوئی ہیں۔ شافعیؒ عراق سے حجاز کی طرف لوٹے اور مکہ میں مستقل طور پر رہنے لگے۔ اور مدت دراز تک افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ مکہ مکرمہ تمام ملکوں کے علماء کے آمد و رفت کا مقام تھا امام شافعیؒ ان سے ملتے اور ان سے مناظرہ کیا کرتے تھے اور یہاں سے حاصل کرتے اور وہ لوگ ان سے حاصل کیا کرتے حتیٰ کہ دوبارہ ۱۹۵ھ میں عراق آنے کا ارادہ کیا۔ رشید کی وفات اور عبداللہ امین کی حکومت کا زمانہ تھا چنانچہ وہاں پر گئے اور اس مرتبہ ان کے آنے پر علماء عراق کی ایک جماعت نے ان سے علم حاصل کیا اور وہاں انھوں نے اپنی وہ کتابیں جو عراقی مذہب یا قدیم مذہب کے بارہ میں تھیں لکھوائیں اور اس مرتبہ جب وہ واپس آئے تو محمد بن ابی حسان زیادی کے پاس اترے اور دو سال تک وہاں مقیم رہے اس دوران محمد بن حسن کی وفات ہو چکی تھی اور ابی حنیفہؒ کے شاگردوں میں اس وقت حسن بن زیاد مولوی تھے لیکن امام شافعیؒ جس طرح محمد بن حسن سے مناظرہ کیا کرتے تھے اُن سے نہیں کیا پھر حجاز کی طرف لوٹے اس وقت تک بغداد میں ان کی شہرت پھیل چکی تھی اور وہاں کے اکثر علماء ان کا طریقہ قبول کر چکے تھے پھر ۱۹۸ھ میں تیسری مرتبہ عراق آئے اور وہاں کئی مہینے ٹھیرے اور عراق سے مصر کے لئے سفر کیا اور فسطاط میں عبداللہ بن عبد الحکم کے پاس معزز مہمان کی حیثیت سے ٹھیرے اس وقت رہا امام مالکؒ کا طریقہ تمام مصر میں پھیلا ہوا تھا اکثر علمائے مصر اس کے متبع تھے امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے جنھوں نے ان کا کلام سنا تھا عبداللہ بن عبد الحکم اور اشہب باقی رہ گئے تھے جو ان سے روایت کیا کرتے تھے۔

مصر میں امام شافعیؒ کی قابلیت اور قدرت کلام کا خوب اظہار ہوا اور وہاں اپنے مصری شاگردوں

کو اپنی جدید کتابوں کا املا کرایا اور یہ ان کا مصری مذہب یا جدید طریقہ تھا اور پھر وہ اپنی وفات تک وہیں رہے ۲۰۴ھ میں ان کی وفات ہوئی اور مقبرہ بنی عبدالحکم میں مدفون ہوئے اور مصریوں نے ان کو زندگی میں اور وفات کے بعد جلیل القدر امام اور حجازی ہونے کے باوجود وہ مصری شمار ہوتے تھے اور امام شافعیؒ ہی وہ امام ہیں جنھوں نے بنفس نفیس اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے سفر کئے اور اپنی کتابیں اپنے ہاتھ سے خود لکھیں اور اپنے شاگردوں کو لکھوائیں اماموں میں ان کے سوا کسی کو یہ بات حاصل نہیں تھی۔

اور مذہب شافعیؒ کی بنیادی باتیں ان کے رسالہ اصولیہ میں درج ہیں کہ اولاً وہ ظواہر قرآن سے حجت کرتے ہیں حتیٰ کہ کسی دلیل سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ اس سے ظاہر قرآن مراد نہیں ہے اس کے بعد وہ سنت کو لیتے ہیں اور خبر واحد پر عمل کرنے کے متعلق بہت کافی حمایت کرتے ہیں بشرطیکہ اس کا راوی معتبر اور ثقہ ہو اور حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو اس کے سوا انھوں نے کوئی عمل تائید حدیث کے لئے شرط قرار نہیں دیا جیسا کہ مالکؒ نے شرط لگائی ہے اور نہ شہرت کی شرط جیسے اہل عراق نے لگائی ہے اور اس حمایت حدیث سے اہل حدیث کے نزدیک انھوں نے بڑا درجہ حاصل کر لیا حتیٰ کہ اہل بغداد ان کو "ناصر السنہ" کہنے لگے اور وہ سنت صحیحہ کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے وہ قرآن کو دیکھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک واجب الاتباع ہے حدیث کے بعد پھر اجماع پر عمل کرتے ہیں اور اجماع کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو اس لئے کہ ان کی نظر میں اجماع کا علم ناممکن ہے جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے بیان کیا ہے اور جب کوئی منصوص دلیل نہ ملے تو پھر قیاس کی طرف رخ کرتے ہیں اور اس شرط پر عمل کرتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی اصل معین ہو اور جس کو عراقی استحسان اور مالکی استصلاح کہتے ہیں اس کی شدت سے تردید کرتے ہیں البتہ وہ استدلال پر اور جو اس سے قریب ہو عمل کرتے ہیں اور چونکہ شافعیؒ حجازیوں اور عراقیوں کی فقہ کے اور عبدہ ذیل کی فصاحت کے جامع تھے اس لئے وہ مناظرہ اور حسن تحریر میں یگانہ تھے ان کی تحریریں اس زمانہ کے بلیغ ترین شخص حافظ اور اس جیسے لوگوں سے کم نہ تھی۔

شافعیؒ کے شاگرد اور انکے مذہب کے راوی

شافعیؒ کے شاگرد عراق کے بھی ہیں اور مصر کے بھی۔

عراقی شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو ثور ابراہیم بن خالد بن یمان کلبی بغدادی ان کی فقہ کا مدار رائے پر تھا۔ اور شافعیؒ کے آنے سے قبل اہل عراق کے قول پر عمل کرتے رہے جب شافعیؒ بغداد آئے تو ان کے پاس آنے لگے اور ان سے علم حاصل کیا اور وہ ایمہ فقہار شافعیہ میں گنے جانے لگے اگرچہ وہ شافعیؒ کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ جب ان کو دلیل مل جاتی تو وہ ان کی مخالفت کیا کرتے تھے انھوں نے اپنے لئے چند آرار منتخب کرلی تھیں اور ان کا ایک خاص سے مذہب اور ان کے ماننے والے بھی ہیں لیکن یہ مذہب زمانہ دراز تک باقی نہ رہا[۱] ابو عمر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ وہ بالغ النظر اور انہی روایات میں ثقہ تھے لیکن بعض شاذ مسائل میں انھوں نے جمہور سے اختلاف کیا ہے لوگوں نے ان کو ائمہ فقہار میں سے شمار کیا ہے اور وہ مسائل جس میں انھوں نے جمہور یا امام شافعیؒ سے اختلاف کیا ہے یہ ہیں۔

(۱) تمام فقہار کے نزدیک دین وصیت پر مقدم ہے مگر ابو ثور وصیت کو اللہ تعالیٰ کے ظاہر قول کی بنار پر مقدم رکھتے ہیں۔

من بعد وصیته یوصی بها او دین۔ وصیت یا قرض کے بعد۔

(۲) کسی عیب کی بنار پر چیز کے لوٹانے کا اختیار اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ کلام سے رضا مندی یا ایسا فعل نہ ہو جس کو لغت میں "رضا" سمجھا جائے اور مذہب شافعیؒ میں ردیالعیب کا اختیار فوراً ہو جاتا ہے۔

(۳) جب کوئی دو شخص قبلہ کی سمت کے بارے میں اجتہاد کریں اور ایک کا اجتہاد دوسرے کے خلاف ہو تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی اقتدا جائز ہے اور ہر ایک اپنے قبلہ کی طرف رخ کرے لیکن یہ ان کے علاوہ اور لوگوں کے مخالف ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے۔

ابو ثور کا انتقال ۲۴۰ھ میں ہوا[۲] ابن خلکان کے قول کے مطابق ۲۴۶ھ میں۔

(۲) احمد بن حنبل اور ان کا ذکر عنقریب ان کے ذکر میں کیا جائے گا۔

(۳) حسن بن محمد بن صباح زعفرانی بغدادی جو مذہب قدیم کے راویوں میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور ثقہ ہیں کتاب عراقی انہی کی طرف منسوب ہے اور شافعیؒ کی مجلس میں قرأت کے ذمہ دار وہی ہوتے تھے اور انہی کی قرأت سے احمد اور ابو ثور اور کرابیسی نے حدیث سنی وہ سواد کے ایک گاؤں کی طرف جس کا نام زعفرانیہ ہے سے منسوب ہیں پھر بغداد کے بعض راستوں میں بیٹھے تو وہ

راستے ان کی طرف منسوب ہو گئے۔

زعفرانی نے سفیان بن عینیہ اور شافعی وغیرہ سے حدیث سنی ان سے بخاری وغیرہ ائمہ حدیث نے روایت کی ہے بجز مسلمؒ کے، اور شافعیؒ ان کی فصاحت کی بہت تعریف کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ میں نے بغداد میں ایک ایسے نبطی کو دیکھا جو عربی معلوم ہوتا تھا اور میں اس کے مقابلہ میں نبطی ۲۶۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو علی حسین بن علی کرابیسی اولاً عراقیوں کے مذہب پر فقہ حاصل کیا پھر شافعیؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ان سے اور ان کے علاوہ دوسروں سے بھی حدیث سنی اور ان کو شافعیؒ نے زعفرانی کے کتابوں کی اجازت دی اور لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کرنے سے پرہیز کیا ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل نے ان پر طعن کیا تھا کیونکہ مسئلہ لفظ کی بنا پر یعنی ان کے اس کہنے پر کہ "میرا قرآن کے الفاظ" پڑھنا مخلوق ہے اور یہ عجیب ہے، محمد بن عبداللہ صیرفی شافعی اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ عبرت پکڑو اس حسین کرابیسی اور ابو ثور سے کہ حسین کے علم اور حفظ کے مقابلہ میں ابو ثور دسواں حصہ بھی نہیں ہے لیکن امام احمدؒ نے ان کے بارے میں لفظ کی بنا پر طعن کیا تو وہ لوگوں کی نظر سے گر گیا اور ابی ثور کی تعریف کی تو وہ بڑھ گیا۔

(۵) احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز بغدادی متکلم جو شافعیؒ کے بڑے شاگردوں میں سے تھے پھر احمد بن ابی داؤد کے شاگردوں میں شامل ہوئے اور ان کی رائے کا اتباع کرنے لگے، ابو عاصم نے کہا ہے کہ وہ ان حفاظ میں سے ایک تھے جو زاہد بھی تھے اور متقی بھی اور شافعیؒ نے ان کو اپنی کتابیں پڑھنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ ان کی آنکھوں میں کچھ خرابی تھی، اور معتزلہ کے آراء کے اتباع نے ان کے درجہ کو گرا دیا، ابن سبکی نے کہا کہ وہ بہت سے قابل اعتراض مسائل کے قائل تھے چنانچہ وہ کہتے تھے کہ طلاق صفات سے نہیں پڑتی اور دلیل یہ تھی کہ جب نکاح متعہ اس لئے جائز نہیں کہ وہ ایسا عقد ہے جو ایک صفت سے متعلق ہے تو اسی طرح طلاق بالصفت بھی عقد معلق ہے اس کے بعد ابن سبکی نے کہا کہ یہ قول بالکل باطل اور اجماع کے خلاف ہے اور وہ ظاہریہ کے قول کے مثل ہے جیسا کہ ابن حزم نے محلی میں صراحت کی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ جب مہینہ کی ابتدا ہو تو تجھ پر طلاق ہے یا کوئی اور وقت کا ذکر کیا تو اس کے اس کہنے سے نہ اس وقت طلاق ہوگی اور نہ جب مہینہ شروع ہوگا غالباً یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس میں ظاہریہ منفرد ہیں۔

اور شافعیؒ کے عراقی شاگرد جنھوں نے فقہ حاصل کیا

(۱) داؤد بن علی امام اہل ظاہر ہیں جن کا بیان ہم علیحدہ عنقریب کریں گے۔

(۲) ابوعثمان بن سعید انماطی جنھوں نے مزنی اور ربیع سے علم حاصل کیا اور یہ وہی ہیں جن سے بغداد میں امام شافعیؒ کی کتابیں مشہور ہوئیں اور انہی سے ابن سیریح نے فقہ حاصل کیا۔ ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابو العباس احمد بن عمر بن سیریح حسین زعفرانی وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی اور ابی القاسم انماطی سے فقہ حاصل کیا اور ان کو شافعیؒ کے تمام شاگردوں پر حتی کہ مزنی پر ترجیح دیتے تھے شیخ ابو حامد اسفراینی کہتے ہیں کہ ہم ظاہر فقہ میں ابی العباس کے ساتھ چلتے ہیں لیکن دقائق فقہ میں نہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مناظرہ کا دروازہ کھولا اور لوگوں کو جدال کا طریقہ سکھلایا اور ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کی تعداد (۴۰۰) تک پہونچتی ہے اور ان کے اور داؤد بن علی ظاہری کے اور ان کے لڑکے محمد کے درمیان بہت سے مشہور مناظرے ہوئے ۳۰۶ھ میں وفات ہوئی۔

(۴) ابو العباس احمد بن ابی احمد طبرانی جو ابن القاص کے نام سے مشہور تھے ابن سیریح سے فقہ حاصل کیا اور وہ صاحب تصانیف مشہورہ تھے جو تلخیص ومفتاح وادب القاضی وغیرہ ہیں اور اصول فقہ میں ان کی ایک تصنیف ہے امام جلیل تھے ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہم عنقریب ان کا ذکر مخصوص طور پر علیحدہ کریں گے۔

امام شافعیؒ کے مصری شاگرد حسب ذیل ہیں۔

(۱) یوسف بن یحیی بویطی مصری جو مصر میں شافعیؒ کے بڑے شاگردوں میں سے تھے شافعیؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان سے اور عبد اللہ بن وہب وغیرہما سے حدیث روایت کی اور ان کی ایک مشہور کتاب مختصر ہے جس کو شافعیؒ کے کلام سے مرتب کیا ہے امام شافعیؒ فتاوی میں ان پر اعتماد کیا کرتے تھے اور کوئی مسئلہ ان کے پاس آتا تو ان کے پاس بھیجا کرتے تھے اور اپنی موت کے بعد اپنے شاگردوں پر ان کو خلیفہ بنایا جن کی تعلیم وتربیت سے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے جو مختلف شہروں میں پھیلے اور امام شافعیؒ کا علم اطراف عالم میں پھیلایا فتنۂ خلق قرآن کے زمانہ میں بغداد میں قید کی حالت میں ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوابراہیم اسماعیل بن یحیی مزنی مصری ۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور جب جوان ہو کر علم حاصل کیا اور حدیث کی روایت کی یہاں تک کہ جب امام شافعیؒ ۱۹۹ھ میں مصر آئے تو ان سے فقہ حاصل کیا ابو اسحاق شیرازی کہتے ہیں کہ زاہد عالم مجتہد اور مناظر تھے صاحب حجت اور معانی دقیقہ پر غور کرنے والے تھے، انہی کے حق میں شافعیؒ کہتے ہیں کہ مزنی میرے مذہب کا ناصر ہے اور انھوں نے ایسی کتابیں تالیف کیں جس پر شافعیؒ مذہب کا مدار ہے اور انہی سے اکثر علمائے خراسان و عراق و شام نے علم حاصل کیا ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

بعض اوقات مزنی اپنے استاد کی مخالفت بھی کرتے اور اپنے لئے کوئی نئی راہ اختیار کرتے لیکن شافعی حضرات ان اختیارات کو مذاہب میں جدید اقوال کی حیثیت نہ دیتے تھے اور یہ کچھ زیادہ بھی نہیں ہیں۔

(۳) ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار مرادی ان کے آزاد کردہ غلام۔ جو جامع عتیق میں موذن تھے ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے امام شافعیؒ کی خدمت میں رہے اور ان سے بہت علم حاصل کیا اور ان سے حدیث روایت کی اور یہ ان کی کتابوں کے راوی ہیں اور ان سے جو روایت کرتے ہیں ان میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں حتی کہ ان میں اور مزنی میں کسی روایت میں اگر تعارض ہو جائے تو اصحاب امام شافعیؒ ربیع کی روایت کو مزنی پر ترجیح دیتے ہیں اور اطراف عالم سے لوگ ربیع کے پاس امام شافعیؒ کی کتابیں پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) حرملہ بن یحیی بن عبداللہ التجیبی ۱۶۶ھ میں ولادت ہوئی جلیل القدر اور رفیع الشان امام تھے ان کی اکثر حدیثیں ابن وہب سے روایت کردہ ہیں اور شافعیؒ سے فقہ حاصل کیا اور ان کے مذہب میں کتابیں لکھیں اور اشہب ان کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ یہ اہل مسجد کے بہترین لوگوں میں سے ہے ۲۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) یونس بن عبدالاعلی صدفی مصری ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور سفیان بن عیینہ و ابن وہب وغیرہم سے حدیث سنی اور امام شافعیؒ سے فقہ حاصل کیا۔ اور مصر میں علم کی پیشوائی حاصل کی امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مصر میں کوئی شخص یونس بن عبدالاعلی سے زیادہ عقلمند میں نے نہیں دیکھا ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابوبکر محمد بن احمد المشہور با بن حداد ان کی ولادت مزنی کے انتقال کے دن ہوئی حفظ قرآن میں یگانۂ روزگار اور فقہ میں امام عصر لغت میں دریا ذخار، معانی دقیقہ میں غور کرنے والے

اور فروع کے لئے اس کے حسن استخراج میں کمال رکھنے والے اس پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ ان علوم میں یکتائے روزگار تھے کوئی ان تک نہیں پہونچا اور ان کی ایک کتاب فقہ میں الماہر ہے اور ایک کتاب ادب القضاء ہے مصر کی زینت اور علم قضاء میں ماہر تھے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

جن لوگوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ بلا واسطہ شافعیؒ کے مشہور شاگردوں میں سے تھے اور جن سے لوگوں نے ان کی تالیفات وتصنیفات کے ذریعہ علم حاصل کیا ان کی بھی بہت بڑی تعداد ہے اور امام مالکؒ کے شاگردوں کی طرح ان لوگوں نے بھی امام شافعیؒ کی بہت کم مخالفت کی ہے۔

چوتھے امام احمد بن حنبلؒ

احمد بن حنبل بن ہلال ذہلی شیبانی مروزی ثم البغدادی ہیں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے بزرگ محدثین میں سے ہیں اور ہشیم اور سفیان بن عیینہ کے طبقات اور بزرگ ائمہ سے حدیث سنی اور ان سے بخاری و مسلم اور ان کے طبقہ کے لوگوں نے روایت کی اور حدیث کے حاصل کرنے اور اس کے یاد کرنے میں خوب محنت کی حتی کہ اپنے زمانہ میں امام اہل حدیث ہوئے شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں بغداد سے نکلا تو وہاں کوئی شخص احمد بن حنبل سے بڑھ کر عالم وفقیہ وافضل عالم کسی کو نہیں چھوڑا' امام احمدؒ نے امام شافعیؒ سے جس وقت وہ بغداد آئے علم فقہ حاصل کیا اور وہ ان کے بغداد کے شاگردوں میں سب سے بڑے شاگرد ہیں پھر وہ خود مجتہد ہو گئے اور یہ اہل حدیث کے ان مجتہدوں میں سے ہیں جو بلا شرط خبر واحد پر عمل کرتے ہیں جبکہ اس کی سند صحیح ہو جیسے شافعیؒ کا طریقہ ہے اور اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں اور احمدؒ کا شمار علمائے حدیث کی بہ نسبت فقہاء میں زیادہ ہوتا ہے مسند کی تصنیف کی جس میں تقریباً (۴۳) ہزار احادیث ہیں ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کی ہے اور اصول میں ان کی ایک کتاب طاعت رسولؐ ہے اور ایک کتاب ناسخ و منسوخ ہے اور کتاب العلل ہے۔

امام احمد بن حنبل سے ان کے مذہب کی جن مشہور لوگوں نے روایت کی ہے وہ درج ذیل ہیں۔ ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی ہیں جو "اثرم" کے نام سے مشہور ہیں اپنی کتاب سنن کو جو فقہ میں ہے امام احمدؒ کے مذہب پر تصنیف کیا ہے اور اس میں حدیث سے دلائل لائے ہیں اور اسحاق بن ابراہیم

ہیں جو ابن راہویہ مروزی کے نام سے مشہور ہیں اور یہ امام احمدؒ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں انھوں نے بھی فقہ میں کتاب السنن لکھی ہے۔

اور صرف امام احمدؒ بن حنبل ہی تھے جو خلق قرآن کے مسئلہ میں ثابت قدم رہے صرف کیونکہ اکثر اہل حدیث نے مامون رشید کی دعوت خلق قرآن کو قبول کر لیا تھا لیکن وہ ثابت قدم رہے اور لغزش نہ کھائی ۲۱۸ھ سے جس میں مامون کی دعوت شروع ہوئی ۲۳۲ھ تک جس میں متوکل نے اس دعوت کو ختم کر دیا اور لوگوں کو اپنے مسلک کے اختیار کرنے اور اپنے اعتقاد پر قائم رہنے کی اجازت وآزادی دی اس سے قطع نظر کہ ان کی رائے صائب تھی یا غلط یہ ثابت قدمی امام احمد بن حنبل کو بزرگی عطا کرتی ہے اور علماء کے سامنے ان کے درجہ کو بڑھاتی ہے کہ انھوں نے اپنے اعتقاد کی حفاظت کے لئے مصیبتوں کو اس خندہ پیشانی سے برداشت کیا جو انسان کے شرف کا بہترین زیور ہے ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

یہ چاروں ائمہ جمہور اسلام کے ائمہ ہیں جن سے ان کے مذاہب مشہور اور مدون ہوگئے اور باقی رہے۔

ائمہ شیعہ

اس دور میں شیعوں کے دو مذہب مشہور ہوئے اور وہ شیعہ زیدیہ اور شیعہ امامیہ ہیں زیدیہ کی نسبت زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی طرف ہوتی ہے جنھوں نے کوفہ میں ہشام بن عبدالملک پر خروج کیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے خلافت کی طلب میں بنی امیہ بنی عباس کے خلاف بغاوت اور خروج کیا بعض نے بلاد طبرستان وبلاد یمن میں کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔ اور اس مذہب کے اصول کی رو سے ان کے ائمہ میں اجتہاد کی شرط ضروری ہے اور اسی لئے ان میں ائمہ مجتہدین فقہ میں رائے رکھنے والے زیادہ ہوئے اور اس دور میں ان کا سب سے بڑا مجتہد جو مانا گیا وہ داعی الی اللہ امام ناصر حق حسن بن علی بن حسن بن زید بن عمر بن علی بن حسین بن علی ہیں جنھوں نے مذہب زیدیہ پر بہت سی کتابیں لکھیں جو فقہی ابواب پر مرتب ہیں جیسے کتاب الطہارۃ کتاب الاذان وغیرہ۔

اور انہی اماموں میں سے ایک امام داعی الی الحق حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی ہیں اور یہ حسن جید علماء میں سے تھے اور بلاد طبرستان میں انھوں نے بغاوت کی

اور سنہ [illegible] میں اس پر قابض ہو گئے اور وفات تک یعنی سنہ [illegible] تک اس پر قابض رہے انھوں نے فقہ میں ایک کتاب الجامع اور کتاب البیان وغیرہ لکھی ہیں۔

اور انہی میں سے قاسم بن ابراہیم علوی رسی صاحب صعدہ ہیں جو بلاد یمن میں سے ہے ان کا زمانہ ۲۴۶ھ سے سنہ [illegible] تک ہے زیدیہ قاسمیہ انہی کی طرف منسوب ہیں ان کی تصانیف کتاب الاشربہ اور کتاب الایمان والنذور وغیرہ ہیں۔

اور انہی میں سے ہادی یحیی بن حسن بن قاسم بن ابراہیم امام صعدہ ہیں ۲۸۰ھ سے ۲۹۸ھ تک رہے انہی کی طرف زیدیہ ہادویہ منسوب ہیں ان کی ایک کتاب جامع فقہ میں ہے اور اس دور کے بہت سے علماء اور محدثین مذہب زیدیہ کو امامت میں حق سمجھتے تھے۔

اور بلاد یمن کی اکثریت شیعہ زیدیہ ہے اور یہ فرقہ شیعوں کے تمام فرقوں سے جمہور کے مذاہب کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ زیدیہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے اگرچہ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ امامت کے معاملہ میں ان سے بہتر تھے۔

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے اس زمانہ میں سب سے بڑے امام ابو عبداللہ جعفر صادق ہیں سادات اہل بیت میں سے تھے اور ہر بات سچ کہنے کی وجہ سے وہ صادق مشہور ہوئے سنہ [illegible] میں پیدا ہوئے ان سے امام مالکؒ بن انس اور امام ابو حنیفہؒ اور اکثر علماء مدینہ نے روایت کی ہے مگر امام بخاریؒ نے ان سے کوئی حدیث نہیں لی۔ اور ان کے والد ابو جعفر محمد باقر ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا اور ان دونوں بزرگوں پر ہی شیعہ امامیہ کے فقہ کا دارومدار ہے اور اس دور میں ان کے سب سے بڑے مؤلف ابو النضر محمد بن مسعود عیاشی اور ابو علی محمد بن احمد بن الجنید ہیں اور جن کو شہرت عظیم حاصل ہے وہ زرارہ بن اعین ہیں جو فقہ و حدیث و معرفت کلام اور تشیع کی بنا پر شیعہ حضرات میں سب سے بڑے امام ہیں جو ابی جعفر باقر کے شاگردوں میں سے ہیں اور ان کے لڑکے حسین بن زرارہؒ اور حسن بن زرارہ ہیں جو ابی عبداللہ جعفر صادق کے شاگردوں میں سے ہیں۔

اس فرقہ کی بنیاد ان امور پر ہے کہ ائمہ معصوم ہیں اور علی رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں کہ ان کو شریعت کا ظاہر اور مخفی سب کچھ بتادیا اور انھوں نے یہ سب باتیں ان کو پہنچا دیں جو امامت میں ان کے جانشین تھے اور اسی لئے ائمہ کے اقوال ایسے ہیں جیسے شارع کے نصوص اور یہ کہ احکام رائے اور اجتہاد سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ امام معصوم کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی لئے ان کے یہاں اجماع تمام اور قیاس کے اصول

نہیں ہیں، اجماع کا تو اس لئے کہ ان کے نزدیک اس شخص کے کہنے کا کوئی اثر ہی نہیں جو ائمہ میں سے نہ ہو اور قیاس اس لئے کہ وہ رائے کا نام ہے اور دین رائے سے حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہ لوگ تقیہ کے قائل ہیں اور تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقاد کے سوا اور بات کا اظہار کرے اس شر سے بچنے کے لئے جو اس کو اس کے مخالفین سے پہونچنے کا اندیشہ ہو اسی لئے ان کی کتابوں میں جب اماموں کی روایتوں میں اختلاف ہوتا ہے تو جو امور جمہور کی رائے کے موافقت میں اس کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ یہ بطور تقیہ کے کہا گیا ہے اور ایسا جب ہوتا ہے جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

ان کے استنباط احکام میں سیاست نے جو اثرات ڈالے ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیعہ امامیہ میراث کے بارے میں اس بات پر متفق ہیں کہ حقیقی چچا زاد بھائی علاتی چچا پر مقدم ہے باوجودیکہ ان سب کا قول یہ ہے کہ وراثت کا مدار قرب میت پر ہے یعنی جس قدر انسان کا میت سے قریبی رشتہ ہوگا وہ میراث پانے کا دوسرے قرابت والوں سے زیادہ مستحق ہوگا اور اسی لئے چچا زاد بھائی وراثت میں ماموں سے متاخر ہے لیکن وہ اس کو چچا سے بڑھا دیتے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں حضرت عباسؓ پر مقدم کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح ان کی اور رائیں جس میں وہ جمہور کی مخالفت کرتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) (بھانجی) کا نکاح اس کی خالہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور خالہ سے نکاح بھانجی پر اس کی اجازت کے بغیر کیا جا سکتا ہے اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی کا حال ہے۔

(۲) نصرانیہ اور یہودیہ سے نکاح حرام سمجھتے ہیں اور وہ نص جس سے یہ نکاح حلال ہے اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔

ولا تمسکوا بعصم الکوافر ۔

(۳) مریض کو طلاق دینے کا حق نہیں لیکن اس کو نکاح کرنے کا حق ہے اور اگر اس نے نکاح کر لیا اور اس سے صحبت کر لی تو جائز ہو گیا اور اگر صحبت نہ کی حتیٰ کہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا تو اس کا نکاح باطل ہو گیا اور اس عورت کو نہ مہر ملے گا نہ میراث۔

(۴) رضاعت کی حرمت اسی وقت ہوگی جبکہ ایک دن اور ایک رات دودھ پیا ہو یا ایک عورت جس نے ایک ہی مرد کے نطفہ سے بچہ جنا ہو اس سے پورے پندرہ مرتبہ اس طرح دودھ پیئے کہ اس میں اس کے سوا کسی عورت سے دودھ نہ پیئے۔

(۵) طلاق جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت ہے یہ ہے کہ جب عورت کو حیض آئے اور اس کے بعد وہ اپنے حیض سے پاک ہو تو اس سے صحبت سے پہلے اس کو دو عادل گواہوں کے سامنے ایک طلاق دے اس صورت میں جب تک کہ تین حیض پورے نہ ہوں اس سے رجعت کر سکتا ہے اگر اس نے اس کو لوٹا لیا یعنی رجعت کر لی تو وہ اس کے پاس رہے گی اس کے بعد اس کو پھر دو طلاق دینے کا حق حاصل رہے گا اور اگر تین حیض گزرنے تک رجوع نہیں کیا تو وہ اپنے نفس کی مالک ہے پھر اگر وہ منگنی کے اور خواستگاروں کے ساتھ خود بھی منگنی کا خواستگار ہو کر نا چاہے تو کرے اور اگر اس سے نکاح کر لیا تو اب اس کے پاس رہے گی اور اس کو دو طلاق کا حق رہے گا اور اس کے سوا طلاق کا کوئی طریقہ نہیں۔

(۶) جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے یا اس کو طلاق بائن یا طلاق یا بتہ دی یا اس کو "بریہ" یا "خلیہ" کہا تو یہ سب کچھ نہیں بلکہ طلاق یہ ہے کہ اس سے عدت سے قبل جبکہ وہ حیض سے پاک ہو جائے صحبت سے پہلے کہدے کہ تو مطلقہ ہے یا تو عدت گزار اور اسے طلاق سمجھ اور اس پر دو عادل گواہی دیں۔

(۷) تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ اور بھی آراء ہیں جس کو وہ اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

فنا شدہ مذاہب

فقہاء کے مذاہب میں بعض ایسے بھی مذاہب ہیں جن کے ماننے والے تھے اور ایک مدت تک اس پر لوگ چلتے رہے پھر ان پر اور مذاہب کا اثر پڑنے سے ختم ہو گئے اور اس کے ماننے والے رخصت ہو گئے ان مذاہب کے مشہور ائمہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابو عمرو عبدالرحمٰن بن محمد اوزاعی، اوزاع یمن کے قبیلہ ذی الکلاع کی ایک شاخ ہے یا دمشق میں ایک گاؤں ہے جو باب الفرادیس کے راستہ پر واقع ہے ان میں آکر ابو عمرو نے قیام کیا تھا ورنہ ان کا اصل خاندان بنی ہمدان التمر سے تعلق رکھتا ہے اور وہ خود بعلبک میں ۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور جب جوان ہو کر حدیث پڑھنا شروع کیا چنانچہ عطاء بن ابی رباح اور زہری اور ان دونوں کے طبقہ سے حدیث پڑھی اور خود ان سے اکابر محدثین نے حدیث کی روایت کی

اوزاعی انشا پرداز ادیب تھے اور ان کے رسائل بہت مشہور ہیں، ولید بن مزید نے کہا ہے کہ میں نے کوئی بھی کلمہ ایسا نہیں سنا کہ اس کے سننے والے کو اس کی سند لانے کی احتیاج نہ ہوئی ہو اور میں نے ان کو کبھی قہقہہ مارتے ہوئے ہنستے نہیں دیکھا اور یہ انہی کا قول ہے کہ جب اللہ تعالے کسی قوم کی برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر جنگ وجدل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور عمل سے ان کو روک دیتا ہے، اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ وہ فقہاء قابل افسوس ہیں جو عبادت کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لئے فقہ حاصل کرتے ہیں اور شبہ کی وجہ سے جو چیزیں حرام ہیں انھیں حلال کر دیتے ہیں اور ان کی مشہور استقامت وہ گفتگو ہے جو عبد اللہ بن علی سے انھوں نے کی جب وہ شام آئے اور بنی امیہ کو قتل کیا اور یہ وہ وقت تھا کہ وہ اپنی فوج میں تھے جن کی تلواریں برہنہ تھیں اس وقت اوزاعی کو بلا کر ان سے پوچھا کہ بنی امیہ کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا فتوی ہے آپ نے جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ تھا جس کا پورا کرنا تم کو لازم تھا تو اس نے کہا تجھ پر افسوس ہے ایسا فتوی دے فرض کیجئے کہ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہ تھا کہتے ہیں کہ مجھے کچھ ڈر ہوا اور قتل ہو جانے سے گھبرایا مگر پھر میں نے اللہ کے سامنے اپنے کھڑے رہنے کا خیال کیا اور زبان سے کہہ دیا کہ" ان کے خون تجھ پر حرام ہیں" اس پر وہ غضبناک ہوا اور اس کی آنکھیں اور رگیں پھول گئیں اور کہنے لگا تو ہلاک ہو یہ کیوں؟ تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان آدمی کا خون بجز تین صورتوں کے جائز نہیں ایک یہ کہ شادی شدہ شخص زنا کرے دوسری یہ کہ جان کے بدلہ میں جان لینا اور تیسری یہ کہ کوئی شخص دین کو چھوڑ دے، اس نے کہا کہ تجھ پر افسوس ہو کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ ہماری حکومت دینی ہے میں نے کہا وہ کیسے؟ تو کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضؓ کے لئے وصیت نہیں کی تھی میں نے کہا کہ اگر ان کے لئے وصیت کی ہوتی تو دونوں حکم اس کا فیصلہ نہ کرتے" اس پر خاموش ہو گیا حالانکہ غصہ سے بھرا ہوا تھا اور مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ عنقریب میرا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کر کے حکم دیا کہ اس کو نکال دو، تو میں نکال دیا گیا۔

امام اوزاعیؒ ان اصحاب حدیث میں سے تھے جو قیاس کو برا سمجھتے تھے اور اہل شام ان کے طریقہ پر عمل کرتے تھے اور اوزاعی قاضی شام تھے پھر اوزاعیؒ کا مذہب بنی امیہ کی نسلوں کے ساتھ اندلس میں منتقل ہو گیا پھر شام میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مقابلے میں اور اندلس میں

امام مالکؒ کے مذہب کے مقابل سامنے تیسری صدی کے نصف میں اوزاعی کا مذہب ختم ہوگیا اوزاعیؒ کا انتقال ۱۵۷ھ میں ہوا۔

(۲) ابوسلیمان داؤد بن علی بن صف اصبہانی جو ظاہری کے نام سے مشہور تھے کوفہ میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور اسحاق بن راہویہ اور ابی ثور وغیرہما سے علم حاصل کیا یہ امام شافعیؒ کے بڑے حامی تھے اور ان کے فضائل اور تعریف میں دو کتابیں لکھیں۔ اور بغداد میں انہی کو علم کی مقتدائیت ملی پھر انھوں نے اپنے لئے ایک خاص مذہب بنالیا جس کی بنیاد ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرنا ہے جب تک کہ ان دونوں سے یا اجماع سے کوئی دلیل ایسی نہ مل جائے جس سے ظاہر کے سوا اور کوئی چیز مراد نہ ہو اور جس بات میں کوئی نص نہ پائی جائے اجماع پر عمل کیا جائے گا اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیا اور کہتے تھے کہ کتاب وسنت کی عام نصوص میں ہر ایک کا جواب موجود ہے۔

داؤد نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کتابیں ان کی فقہ میں ہیں اور بعض اصول میں ایک کتاب تقلید کے رد میں اور ایک کتاب قیاس کے رد میں۔ ایک کتاب خبر واحد' کتاب الخبر موجب العلم۔ کتاب الحجہ' کتاب خصوص وعموم' کتاب مفسر ومجمل وغیرہ ان کے لڑکے محمد جو فاضل ادیب شاعر اخباری اور ظریفوں اور مستورین میں سے تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے انھوں نے اپنے باپ سے علم حاصل کیا اور اُن کے مذہب پر چلے۔

داؤد کے متبعین میں۔ اور ان کے مذہب کے مطابق مؤلفین میں ابوالحسن عبداللہ بن احمد ابن محمد بن المغلس تھے اور ان کے زمانہ میں داؤدیوں کی ریاست انہی کو ملی اور ان کے بعد ان کا کوئی مثل نہیں نکلا فاضل عالم جید ثقہ سچے اور تمام لوگوں کے نزدیک مقدم تھے۔ ۳۲۴ھ میں وفات پائی۔

داؤد کا مذہب پانچویں صدی کے نصف تک چلتا رہا پھر وہ مضمحل ہوگیا اور ان کی بہت سی رائیں ہیں جن میں انھوں نے جمہور کی مخالفت کی ہے جو قیاس ورائے کے چھوڑنے اور ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے اور میں نے ابی محمد علی بن احمد ابن سعید ابن حزم الاندلسی (جو ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے) کی کتاب محلی میں اس قسم کے مسائل بہت سے دیکھے ہیں جن میں سے یہاں چند ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) طلاق تین الفاظ اور اُن کے مشتقات سے پڑتی ہے۔ طلاق۔ تسریح۔ فراق جبکہ

اس سے طلاق کی نیت لی جائے اور اگر وہ ان میں سے کوئی لفظ کہکر یہ کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو فتویٰ میں اسی کا کہنا مانا جائے گا اور طلاق اور اس کے مشتقات کے متعلق قضا میں اعتبار نہ ہوگا اور ان تمام میں قضا میں بھی اعتبار ہوگا اور ان الفاظ کے سوا اور الفاظ سے طلاق واقع ہی نہ ہوگی مطلقاً اس سے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو نہ فتاویٰ میں نہ قضا میں جیسے کہ کہدے تو خلیہ ہے بریہ ہے مبرأۃ ہے میں نے تجھ کو بری کردیا' تیری رسی تیری گردن پر ہے' میں نے تجھے تیرے خاندان کو ہبہ کردیا یا غیر خاندان کا ذکر کرے اور تحریم و تخییر و تملیک میں۔

(۲) طلاق میں وکالت جائز نہیں۔

(۳) کسی غائب شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو طلاق نہ ہوگی اور وہ اس کی اسی طرح بیوی رہے گی جیسے پہلے تھی اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور تمام زوجیت کے حقوق دونوں میں برابر رہیں گے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو تین طلاق دے یا کم یہاں تک کہ خبر اس عورت کے پاس پہونچ جائے جب خبر اس کے پاس پہونچ جائے اور وہ تصدیق کرے یا اس کی گواہی فیصلہ میں قبول ہوجائے تو اس وقت اس پر طلاق واقع ہوگی خواہ وہ حاملہ ہو یا اس طہر میں جس میں اس کے ساتھ صحبت کی ہو۔

(۴) جس شخص نے طلاق دیدی لیکن اس کا قصد طلاق کا نہ تھا محض زبان کی غلطی سے ایسا کہدیا۔ اگر اس پر گواہ قائم ہوگئے تو طلاق کا فیصلہ کیا جائیگا اور اگر گواہ قائم نہ ہوں بلکہ وہ فتویٰ طلب کرنے آیا تو اس کو طلاق لازم نہ ہوگی۔

(۵) طلاق کے لئے قسم لازمی نہیں چاہے پورا کرے یا نہ کرے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی طلاق صرف اسی طرح ہوگی جس طرح کہ اللہ عزوجل نے رسول اللہ کے ذریعہ حکم دیا ہے اور قسم بھی وہی ہے جیسے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حکم دیا ہو۔

(۶) طلاق بالصفت بھی طلاق بالیمین کے مثل ہے اور ان سب سے طلاق نہیں ہوسکتی طلاق اسی طرح ہوگی جس طرح کہ اللہ عزوجل نے اس کا حکم دیا اور اس کی تعلیم دی اور وہ یہ ہے کہ طلاق کا ارادہ کیا جائے اس کے سوا سب باطل ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے۔

(۷) جس نے اپنی عورت سے کہا کہ جب مہینہ کی ابتدا ہوگی تو تجھ کو طلاق ہے یا اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی نہ اب اور نہ اس وقت جب مہینہ کی ابتدا ہوگی۔

(۸) جس نے اپنی عورت کو اس کا اختیار دیدیا کہ وہ خود کو طلاق دے لے تو اس کو طلاق

دینا لازم نہ ہوگا اور خواہ وہ اپنے کو طلاق دے یا نہ دے اس کو طلاق نہ ہوگی۔

(۹) جب عورت کو اپنے شوہر سے ناگواری ہو اور اس کو خوف ہو کہ وہ اس کا حق پورا نہ کرے گا یا اس کا خوف ہو کہ وہ اس سے بغض رکھے گا اور بوجہ بغض کے اس کا حق پورا نہ کرے گا تو اس کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ فدیہ ادا کرکے اس سے علیحدہ ہوسکتی ہے اور اگر شوہر راضی ہو تو وہ اس کو طلاق دے سکتا ہے ورنہ طرفین کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان دونوں کی رضامندی سے ہی معاملہ طے ہوسکتا ہے اور فدیہ بجز دونوں مذکورہ وجہوں میں سے کسی ایک کے یا دونوں وجہوں کے جائز نہیں اگر ان کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو تو وہ باطل ہے اور جو اس عورت سے مرد نے لیا ہے وہ اس کو واپس کیا جائے گا اور وہ اسی طرح اس کی بیوی رہے گی جیسے پہلے تھی اور فقط شوہر کو اس پر ظلم سے منع کیا جائے گا اور اس کو حق حاصل ہے کہ اپنے تمیع مال سے فدیہ ادا کرے اس طرح طلاق رجعی ہوگی بجز اس کے کہ وہ تین بار طلاق دے یا تین کے آخری ہو یا اس سے صحبت نہ کی ہو اور اگر عدت میں اس سے رجوع کرلے تو جائز ہے وہ پسند کرے یا نہ کرے اور جو کچھ مرد نے اس عورت سے لیا ہے وہ اس عورت کو واپس کردے۔

(۱۰) طلاق اور رجوع بغیر دو عادل گواہوں کی گواہی کے صحیح نہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد میں رائے اور استنباط کی علماء کو پوری آزادی تھی اور وہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے تھے اور ان کو اپنے علاوہ دوسرے فقہاء کی مخالفت سے کوئی ایذا نہیں پہونچتی تھی لیکن اندلس میں علماء کو یہ آزادی نہ تھی اسی لئے ابن حزم کو ان کے شہر کے فقہاء کی ناراضی کی بناء پر جو ان کی آراء کی وجہ سے ان کے مذاہب کی مخالفت میں تھی تکلیف پہونچی اور انھوں نے امراء کو ان کی مخالفت پر ابھارا اور ان سے امراء کو ڈراتے تھے تو امراء نے ان کو دھمکایا لیکن وہ کسی سے نہ ڈرے نہ اپنی رائے سے ہٹے کیونکہ وہ ایک عظیم المرتبت انسان تھے اور عظیم المرتبت انسان اپنے معتقدات کے سلسلے میں بڑی سے بڑی مصیبتوں کو جھیل لیتا ہے لیکن ہم یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ ان کی رائے صحیح تھی یا غلط بلکہ ہم گزشتہ زمانوں کی ایک تصویر آپ کو دکھا رہے ہیں۔

میں نے ابن سبکی کی طبقات شافعیہ میں ایک فصل ظاہریہ کے آراء کی دیکھی ہے کہ فروع میں ان کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تین قول نقل کئے ہیں ایک تو یہ کہ مطلقاً ان کا اعتبار کیا جائے گا اور وہی صحیح ہے اور دوسرا یہ کہ مطلقاً ان کا اعتبار نہ کیا جائے اور استاذ ابو اسحاق نے اس رائے کو جمہور کی طرف کیا ہے اور تیسرا یہ کہ اعتبار کیا جائے بجز ان امور کے جن میں قیاس

جلی کی مخالفت ہو اور ابن سبکی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ قیاس جلی کا انکار نہ کرتے تھے بلکہ صرف خفی کا انکار کرتے تھے اور ابن سبکی نے داؤد کے ایک رسالہ سے جس کا نام اصول تھا ایک عبارت نقل کی ہے جو حسب ذیل ہے۔

"اور قیاس سے حکم لگانا واجب نہیں اور استحسان ناجائز ہے۔ پھر کہا اور جائز نہیں کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کہدیا ہو تو کوئی شخص اسی کے مشابہ کسی چیز کو حرام کردے اور جس کو آپ نے حرام نہ کیا ہو بجز اس کے کہ وہ یہ بتادے کہ اس کے حرمت کی علت کیا ہے مثلاً یہ کہدے کہ گیہوں کے بدلے گیہوں اس لئے حرام ہے کہ وہ تولا جاتا ہے اور اس کپڑے کو دھو اس لئے کہ اس میں خون ہے یا اس کو مار ڈال کہ یہ سانپ ہے تو اس سے معلوم ہوگا کہ جس وجہ سے حکم دیا گیا وہ بتا بھی دیا اور جو حکم ایسا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تعمیل ضروری ہے اور جو اس سے تجاوز کرجائے تو اس سے خاموشی اختیار کی گئی اور وہ معافی کے باب میں داخل ہے گویا جس کلمہ کی علت بیان کردی گئی اس کو قیاس نہیں کہتے۔

(۳) ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری' ۲۲۴ھ میں طبرستان کے علاقہ آمل میں پیدا ہوئے علم حاصل کیا اور شہروں کی خوب سیاحت کی اور اس قدر علوم جمع کئے جن میں ان کے زمانہ والے ان کے شریک فن نہ ہوسکے۔ حافظ قرآن اصحاب اور تابعین کے اصول سے واقف لوگوں کا نام اور ان کی تاریخ سے واقف تھے اُن کی تصانیف میں اُن کی مشہور تاریخ ہے عربی تاریخوں میں اس سے بہتر کوئی تاریخ نہیں اور ان کی ایک کتاب تفسیر ہے جس کی مثل کوئی تفسیر نہیں ان کی ایک کتاب تہذیب آثار ہے جس کو وہ مکمل نہ کرسکے اور ان کی ایک کتاب اختلاف فقہاء ہے ان کا ایک حصہ مصر کے کتب خانہ میں ہم نے محفوظ دیکھا تھا جو ان کے وسیع علم اور زیادتی عقل کی دلیل ہے۔

ابتداءً انھوں نے مصر میں مذہب شافعیؒ کے مطابق ربیع بن سلیمان سے فقہ حاصل کیا اور مالکؒ کی فقہ یونس بن عبدالاعلی اور بنی عبدالحکمؒ سے حاصل کیا اور رے میں ابی مقاتل سے اہل عراق کا فقہ سیکھا یہاں تک کہ اُن کا علم اس قدر وسیع ہوا کہ اجتہاد نے انھی کتب فقہیہ میں اپنا ایک مستقل مذہب اختیار کرلیا اُن کی تصانیف میں ایک کتاب لطیف القول ہے اور اس میں ان کے منتخب اقوال درج ہیں ایک کتاب خفیف ہے جس کو مکتفی وزیر کی فرمائش پر لکھا اس کے بعد کتاب بسیط لکھنا شروع کی جس میں کتاب الطہارۃ اور اکثر احکام نماز لکھے اور اسی میں کتاب الحکام و محاضر و سجلات مرتب کیں۔

اور ان کے شاگرد جنھوں نے ان کے مذہب کے مطابق فقہ حاصل کیا حسب ذیل ہیں۔

(۱) علی بن عبدالعزیز بن محمد بن دولابی ہیں جن کی متعدد تصانیف ہیں ان میں سے ایک کتاب داؤد بن مغلس جو داؤدؒ کے شاگرد ہیں کے رد میں لکھی اور ایک کتاب افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۲) محمد بن احمد بن محمد بن ابی الثلج کاتب ہیں۔

(۳) ابوالحسن احمد بن یحیی منجم متکلم ہیں ان کی تصانیف المدخل الی مذہب الطبری ونصرۃ مذہبہ اور کتاب الاجماع فی الفقہ علی مذہب الطبری اور کتاب الرد علی المخالفین ہیں۔

(۴) ابوالحسن دقیق حلوانی ہیں۔

(۵) ابوالفرج معافی بن ذکریا نہروانی ہیں جو ابوجعفر کے مذہب اور ان کی کتابوں کے حفظ کرنے میں یگانہ روزگار ہیں اور ان علوم کے علاوہ بہت سے علوم میں ماہر دیکتا ہیں اور انتہائی ذکی اور بہترین حافظ اور حاضر جوابی میں مشہور ہیں فقہ میں بہت سی کتابیں طبری کی مذہب پر لکھی ہیں۔

اور یہ مذہب پانچویں صدی کے نصف تک مشہور اور معمول بہ رہا۔

یہ وہ مشہور مذاہب ہیں جن پر ایک زمانہ تک عمل ہوتا رہا پھر اس کے بعد ان کے جاننے والے ختم ہو گئے اور صرف کتابوں میں ان کا نام باقی رہ گیا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ ہیں کہ وہ خود اجتہاد کرتے تھے لیکن ان کے مذہب کے پھیلانے والے ان کو میسر نہ ہوئے جیسے لیثؒ بن سعد امام اہل مصر اور امام مالکؒ کے دوست جن کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے کہ وہ امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان کے شاگردوں نے ان کو بلند نہیں کیا اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ ہیں جن کے حالات لکھنے کی یہ کتاب متحمل نہیں۔

اور خلاصہ یہ کہ یہ دور اجتہاد کا دور تھا اس میں تقلید کا کچھ اثر نہ تھا اور خصوصاً طبقہ اولیٰ کے ائمہ کے شاگردوں کے دور میں تقلید بالکل نہ تھی بعد کے طبقات میں تقلید شروع ہو چکی تھی لیکن اجتہاد استنباط کے مقابلہ میں جلد ہی ختم ہو جاتی تھی اس زمانہ میں آزادی رائے وسعت سے تھی ہم عنقریب ایک فصل میں چاروں طریقہ کی اشاعت اور جمہور اسلام کا ان پر عمل کے اسباب بیان کریں گے۔

مسائل کی جزئیات

اس دور سے پہلے فقہ بالکل سادہ تھی کیونکہ جن مسائل کا روزمرہ واسطہ رہتا تھا انہی پر حکم

لگانے تک محدود تھی اور فقہاء فرضی مسائل پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے۔

لیکن اس دور میں فقہاء نے کثرت سے مسائل ایجاد کئے اور ان کے احکام مرتب کئے اس معاملہ میں اہل عراق سب سے آگے تھے کہ انھوں نے قوت تخیل پر اعتماد کرکے لوگوں کے لئے ہزارہا مسائل نکالے جن میں سے کچھ تو ایسے تھے جن کا وجود ممکن تھا اور بعض وہ ہیں کہ جن کے وجود کی اہمیت محسوس کرنے کے لئے مدتیں درکار ہیں مختلف شہروں کے وہ ائمہ جو قیاس کو فقہ میں ایک اصل سمجھتے تھے اس معاملہ میں وہ فقہاء عراق کے زیر نگرانی تھے۔

اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ انھوں نے تین موضوع کو سینکڑوں مسائل کی بنیاد قرار دیا اور ان کے جوابات نکالنے میں بہت مشقت اٹھائی اور وہ تین جزو یہ ہیں غلام اور اس میں تصرف بیوی اور اس کی طلاق۔ قسم اور قسم شکنی۔

چونکہ غلام ان کے پاس زیادہ تھے اس لئے ان کے خیالات و توجہات اس مسئلہ میں زیادہ مبذول ہوئیں اسی لئے تم ابواب معاملات میں کوئی باب ایسا نہ پاؤ گے کہ غلام اور لونڈی کے احکام پر مشتمل نہ ہوں بیع۔ اجارہ۔ شراکت۔ رہن۔ وصیت۔ آزادی وغیرہ سب میں ہی ان کے متعلق مسائل ضرور ہیں۔

لیکن بیوی اور اس کی طلاق کے مسائل کی اصل وجہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان مسائل کی طرف کس بات نے ان کے افکار کو متوجہ کیا کہ طلاق کے مسائل انھوں نے وضع کئے۔ بہت غور کے بعد بھی اصل وجہ معلوم کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور اگر یہ مسائل جن کے وقوع کا تصور اگرچہ کسی ہذیانی سے آدمی سے ہو کچھ میں آتا تو ہم یہ سمجھتے کہ اتفاقیہ پیش آنے والے واقعات کا جواب دینے کی تیاری کرتے تھے تاکہ کسی مفتی یا قاضی سے اس قسم کا سوال کیا جائے تو وہ متردد نہ ہو لیکن وہ ایسے مسائل ہیں جن کا تصور بھی مشکل ہے تو تعجب اور افسوس اور زیادہ ہوتا ہے اس وقت پر جو ان مسائل پر صرف کیا گیا۔

میں نے امام محمد بن حسن کی کتاب جامع کبیر میں پڑھا ہے " اگر کسی شخص کی تین بیویاں ہیں ان میں سے کسی سے صحبت نہیں کی ہے ان میں سے ایک کا نام زینب دوسری کا عمرہ اور تیسری کا حمادہ ہے۔ اور اس نے زینب سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دیدوں تو عمرہ کو طلاق ہوجائے گی اور اس کے بعد عمرہ سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دیدوں تو حمادہ کو طلاق ہوجائے گی اور حمادہ سے کہا اگر تجھے طلاق دوں تو زینب کو طلاق ہوجائے گی تو زینب کو تو اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع

ہو جائے گی لیکن عمرہ کو طلاق اس کی قسم شکنی سے ہوگی اور ان دو کے سوا کسی پر طلاق نہ ہوگی۔
اور اگر اس نے زینب کو طلاق نہیں دی اور عمرہ کو طلاق دی تو عمرہ اس طلاق سے جو اس نے دی طلاق پائے گی اور قسم شکنی سے حمادہ کو طلاق ہوگی اور زینب کو مطلقاً طلاق نہ ہوگی اور اگر اس نے عمرہ کو طلاق دی لیکن حمادہ کو طلاق دی تو حمادہ کو وہ طلاق ہو جائے گی جو اس نے دی اور زینب قسم شکنی کی وجہ طلاق پائے گی اور عمرہ کو بھی دوسری طلاق پڑ جائے گی قسم شکنی کی بنا پر کیونکہ اس نے زینب میں عہد شکنی کی تو عمرہ کو طلاق ہوگی زینب میں قسم شکنی کی بنا پر۔ اور اگر اس نے ان میں سے کسی عورت کو طلاق نہیں دی لیکن یہ کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے پھر قبل اس کے کہ وہ یہ بتائے کہ ان میں اس نے کس کو طلاق دی مر جائے تو عمرہ کو نصف مہر ملے گا اور اس کو میراث نہ ملے گی اور زینب وحمادہ کو مہر ملے گا ایک مہر پورا اور چوتھائی جو دونوں میں نصف نصف تقسیم ہو جائے گا اور ان کو نصف میراث بھی ملے گی جو دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگی اور نصف میراث دوسرے ورثا کو ملے گی کیونکہ عمرہ کو تو ہر حالت میں طلاق ہوگی اور زینب وحمادہ کو ایک حال میں تو دونوں کو طلاق ملے گی اور ایک حالت میں ان میں سے ایک کو طلاق ملے گی تو ان دونوں کو ایک حالت میں تو مہر ملے گا اور ایک حالت میں پورا مہر و نصف ملے گا اسی لئے ان کو پورا مہر اور نصف مہر ملے گا اور رہی میراث تو ایک حالت میں تو ان دونوں میں سے ایک کو ملے گی اور ایک حالت میں دونوں کو ملے گی اسی لئے ان دونوں کو نصف میراث دی جائے گی جو ان دونوں میں نصف نصف تقسیم کی جائے گی۔

پھر دوسرے مسائل میں انہی بیویوں کا یہ حساب بھی کیا گیا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کے ساتھ صحبت نہ کرے اور وہ چار ہیں تو حساب اور کسور کی اس میں زیادتی ہے۔
اور میں نے امام محمد بن ادریس شافعی کی کتاب الام میں دیکھا ہے۔

طلاق بالحساب

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے ایک اس کے پہلے ایک ــــــ یا ایک اس کے بعد ایک' تو یہ دو طلاقیں ہوں گی' اور اگر اس نے کہا کہ میرا ارادہ صرف ایک طلاق کا تھا اور قبل یا بعد کی طلاق سے میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو حکم میں اس کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان اعتبار کیا جائے گا'' اور اگر اس نے

اس کو ایک طلاق دی پھر اس سے رجوع کر لیا پھر کہا تجھے طلاق ہے ایک اس کے پہلے ایک پھر کہا میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس کے پہلے ایک طلاق دے چکا تھا تو اس کو قسم دی جائے گی اور فیصلہ میں اس کی بات مان لی جائے گی اور اگر کہا تجھے طلاق ہے ایک اس کے بعد ایک پھر خاموش رہا پھر کہا میں نے ارادہ کیا تھا اس کے بعد ایک طلاق تجھ کو دوں گا یا تجھ کو صرف اسی وقت کے بعد دوسری طلاق دوں گا تو فیصلہ میں اس کی بات نہ مانی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے اور اس کے درمیان مانی جائے گی' اور اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ تیرا بدن یا تیرا سر یا تیرا پاؤں یا تیرا ہاتھ یا اس کے جسم سے کسی عضو کا نام لیا یا اس کی انگلی یا اس کا ایک طرف تو اس کو طلاق ہے اور اگر یہ کہا کہ تیرے بعض حصوں کو طلاق ہے یا کہا کہ تیرے جزء کو طلاق ہے یا ہزار جزء میں سے ایک جزء کا نام لیا تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور طلاق کے حصے نہیں ہوتے اور اگر عورت سے کہا کہ تجھے طلاق ہے نصف طلاق تو اس کو ایک ہی طلاق ہوگی بجز اس کے اس نے دو کا ارادہ کیا ہو یا کہے کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ نصف واقع ہو جائے اس کے حکم سے جو ہو گیا اور نصف اس کے حکم سے ہوگا جو بعد میں دیگا تو دو طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر اس سے کہا کہ تجھے ایک طلاق میں سے تین تہائی طلاق ہے یا ایک طلاق میں سے چار تہائی طلاق ہے تو ان میں سے ہر ایک ایک طلاق ہو جائے گی کیونکہ ہر ایک طلاق دو نصف یا تین تہائی یا چار چوتھائی کا مجموعہ ہوتی ہے الا انیکہ وہ اکثر کی نیت کرے تو لفظ کے ساتھ نیت کے اعتبار سے پڑے گی' اور اگر اس نے کسی عورت کے ساتھ اپنی عورت کو دیکھا اور یہ کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے تو مرد کا قول اس بارہ میں معتبر ہوگا اگر اس نے اپنی بیوی کا ارادہ کیا تھا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر اجنبی عورت کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی اور اگر وہ کہے کہ میں نے اجنبی عورت کا ارادہ کیا تھا تو قسم دی جائے گی اور اس کی عورت اپنی حالت پر رہے گی اور اس کو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے دو میں ایک تو اس سے پوچھا جائے گا کہ "دو میں" سے اس کی کیا مراد ہے اگر اس نے کہا کہ اس سے میری مراد کچھ نہ تھی تو اس کو صرف ایک طلاق ہوگی' اسی طرح او خیالی نادر صورتیں ہیں حالانکہ کتاب الام کا اکثر حصہ خیالی مسائل سے دور ہے۔

اور کتاب المدونہ جو امام مالکؒ سے منقول ہے طلاق کے معاملات اکثر ان مسائل سے بعید نہیں ہے کیونکہ اس کی اصل محمدؒ بن حسن کتب ہیں۔

اب رہا قسموں اور نذروں کا معاملہ تو وہ ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اس میں ایسی اقسام

نظر آئیں گی جن میں حیرت انگیز تنوع ہے گویا قسموں میں سے ہر وہ چیز جو خیال میں آسکتی ہے فقہاً نے سامنے رکھ کر اس کا ذکر کیا ہے پھر اس کا جواب لکھا حالانکہ اس میں بہت سی اشیاء ایسی ہیں جس میں اختلاف بلاد کے لحاظ سے معمول مختلف ہوتا ہے کاش میں سمجھ سکتا کہ قسموں اور آزادی اور طلاق کے بارے میں مسائل کی یہ کھینچا تانی کیوں ہوئی، ہوسکتا ہے کہ اس بیعت پر قسم لینے کا طریقہ کو جو قرن اول کے آخر میں پیدا ہوا یہ اسی کا اثر ہو جیسا کہ قرن ثانی کے ایک معاہدہ میں ہے جس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

"اگر تم نے ان معاہدوں میں سے کسی کو بدلا یا اس میں تغیر پیدا کیا یا معاہدہ کی خلاف ورزی کی یا تم نے اس حکم کے خلاف کیا جو تم کو امیرالمومنین ہو یا تم پاس خط میں یہ جو ان کی طرف سے ہے تم پر مشروط کیا ہے تو تم سے اللہ کا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ختم ہوگیا اور تمام مومنین اور مسلمانوں کے ذمے ختم ہوگئے اور ہر وہ مال جو آج تمہارے ہر شخص کے پاس ہے یا وہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے وہ پچاس سال تک مسلمانوں پر صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص پر بیت اللہ الحرام تک جو مکہ میں ہے پیدل پچاس حج نذر واجب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو بغیر پورا کرنے کے اس سے کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا اور تم میں سے ہر شخص کا غلام یا جو آئندہ پچاس سال تک وہ کسی غلام کا مالک ہوگا آزاد ہے اور اس کی ہر عورت کو تین طلاق قطعی ہیں کہ جس میں کوئی استثناء نہیں ہے"

اسی طرح دوسرے اقرار نامہ کے یہ الفاظ تھے۔

کہ اگر میں بدل دوں الخ تو اللہ عزوجل سے اور اس کی رسالت سے اور اس کے دین سے بری اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کافر و مشرک ہونے کی حالت میں ملوں اور ہر وہ عورت جو آج میری ہے یا جس سے میں آئندہ تیس سال کی مدت تک شادی کروں اس پر طلاق ہے تین طلاق قطعی" الخ

کیا یہ امور بیوی اور غلام اور مال اور نذروں کو بیعت کے قسموں میں داخل کرنے کی وجہ ان ابواب میں زیادتی مسائل کے باعث نہیں ہیں؟ اس قسم کی قسمیں دلانے والوں نے غلط اکثر سے اپنے اغراض میں کوئی حد نہیں پائی بلکہ امام مالکؒ بن انس نے اہل حجاز سے تو یہ کہہ کر کہ "مجبور کردہ شخص پر قسم کا پورا کرنا واجب نہیں" ان سے جنگ کی گو ابو جعفر منصور کے عہد میں ان کو سزا دی گئی اور یہ یقینی ہے کہ ان کو مارنے کا اصلی سبب یہی تھا، اور امام شافعیؒ نے تو اپنے اس قول سے

ان سے جنگ کی کہ کسی ایسی عورت کے طلاق دینے کی قسم جس سے اس نے نکاح نہیں کیا اس کا کوئی اثر نہیں اور ہم کو اس کا کوئی علم نہیں کہ ان کو اس کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچی ہو کیونکہ ان کے زمانہ میں ابی جعفر کے مثل کوئی ظالم نہ تھا اور داؤد نے تو ان سے یہ کہکر جنگ کی کہ غیر اللہ کی قسم کی کوئی قیمت ہے نہ اس کا کوئی اثر اور دوسرے لوگ ہیں کہ ان سے جنگ کی کہ قسم میں استثناء جائز ہے اگرچہ چند دنوں کے بعد ہی ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قسم کھانے کے بعد ان شاء اللہ کہدے تو قسم کی پھر کوئی قیمت نہیں رہتی اور ایک وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ منصور سے کہا گیا کہ ابو حنیفہ تمہارے دادا ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں اس استثناء کی تجویز میں جو قسم میں کی جائے تو ابو جعفر نے ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جو شخص قسم میں استثناء کو جائز رکھتا ہے وہ دراصل یہ کہتا ہے کہ اس کی گردن میں بیعت کا پٹہ نہیں ہے کیونکہ وہ تمہارے سامنے تو قسم کھاتے ہیں پھر وہ باہر نکل کر استثناء کر دیتے ہیں پھر ان کو قسم کا پورا کرنا لازم نہیں رہتا ابو جعفر ابو حنیفہ کی اس بات سے بہت خوش ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے بیعت کو دیکھو اور اس کلام سے مقابلہ کرو جس کا نام انھوں نے بیعت رکھا ہے تو امت کی دونوں زمانوں کی روح میں بہت فرق پاؤ گے کہ پہلے زمانہ میں صرف یہ کلمہ کہ "میں تم سے بیعت کر رہا ہوں" ہر چیز کو شامل ہوتا تھا اور بیعت کرنے والا اس کے بعد توڑنے کی مجال نہیں رکھتا تھا یا مخالفت کا قصد ہی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ وہ شریف ہے اور اس نے اپنے شرف کو وقار پر رہن رکھ دیا ہے اور حجاج اور منصور کے زمانہ میں بیعت کرنے والے ایک ایسی قوم تھی کہ نہ ان کے عہد پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا نہ عقد پر بجز اس کے کہ ان کے اموال کے ضائع ہونے اور عورتوں کے طلاق اور غلاموں کی آزادی سے مدد لی جائے اور اس کے باوجود عجیب و غریب بات یہ ہے کہ ان بیعتوں کا بڑا حصہ جس میں ان مسائل کو استعمال کیا گیا ان کے کرنے والوں نے پورا نہیں کیا اور اصحاب شرط کے لیے حیلے ان کے پاس موجود تھے جو ان کو اس تنگی سے نکالتے جو ان کو تکلیف دے رہے تھے۔

تم ان مسائل کو دیکھو گے کہ عبادات کے ابواب تک پہونچے ہوئے تھے اس میں اکثر ایسی صورتیں پاتے ہیں جن کا عقل انکار کرتی ہے اور ان کے وجود کی تصدیق نہیں کرتی مگر انھوں نے اللہ ان پر رحمت کرے اپنے بعد والوں کو آرام دینے کی طرف توجہ کی کہ فکر میں نہ پڑیں تو انھوں نے ان کے لیے مسائل کا تصور کر کے ان کے جوابات لکھدیے۔

کتاب مبسوط جو محمد رحمہ اللہ کی ہے جو تقریباً چھ جلدوں میں ہے اور ہر جلد کے اوراق پانچ سو ہیں اور جو بڑی تقطیع پر ہے اور ان سب میں مسائل کی تفصیل ہے تو غور کرنا چاہیے تو اس کے مسائل کی کتنی تعداد ہو گی جبکہ مختصر قدوری میں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں بارہ ہزار مسئلے ہیں تو مبسوط میں کس قدر مسائل ہوں گے حالانکہ مختصر قدوری اس کے دسویں حصہ کے بھی برابر نہیں ہے حق تو یہ ہے کہ یہ بہت بڑی تعداد ہے اور اس سے ان حضرات کی کوشش اور جدوجہد کا پتہ چلتا ہے۔

میں نے امام محمدؒ کی مبسوط اور امام شافعیؒ کی کتاب ام کا ایک جز ایک ہی موضوع کے بارے میں اپنے سامنے رکھا اور دونوں کے ایک ایک نظر دیکھنے سے جو نتیجہ نکلا وہ میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں" شافعیؒ لکھتے ہیں تو پڑھنے والوں سے یہ چاہتے ہیں کہ جس اصول سے استنباط کیا ہے وہ اس اصول کو سمجھیں اور ان باتوں کی مدافعت کے طریقے بتاتے ہیں جن پر مجتہد اپنے اجتہاد سے پہونچتا ہے اسی لئے تم دیکھو گے کہ پڑھنے والا اس کے مطالعہ کی طرف زیادہ راغب رہتا ہے جبکہ اس کی غرض جواب ہی کی معرفت نہیں رہتی اور بس لیکن امام محمدؒ شاگرد کے لئے لکھتے ہیں اور اس کو مسائل کے جواب لکھواتے ہیں جس سے وہ فرعی مسائل کی معرفت میں دریا رفعادین کر نکلتا ہے، اُن کے دل میں کسی طرح کا تصور نہیں آتا جس کو وہ لکھا ہوا نہ پائے اور اس کا جواب اس کی نظر سے نہ گزرے اور اسی لئے اس میں پڑھنے والے کا زیادہ وقت نہیں لگتا صرف اتنا ہی وقت لگتا ہے جس میں جتنا کہ اس کے مسئلہ کا جواب مل جائے میں یہاں ان فقہی فروع کی زبانی کے سلسلہ میں کسی پر صحیح یا غلط کا کم نہیں لگا رہا بلکہ میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ مسائل کی شاخیں نکالنا اس دور کے خواص میں سے ایک خاصیت ہے اور یہ کہ یہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی شان نہیں تھی اور وہ اس کو برا جانتے تھے کسی ایسے مسئلہ کے متعلق جواب دینا جس کا وقوع نہ ہوا ہو تم اس کا نتیجہ آنیوالے دوروں میں دیکھو گے۔

مسائل الحیل

تاریخ کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے کہ ایک مذہبی مسائل مرتب کرنے والا ایسے فرضی مسائل بنائے جس میں لوگوں کو بتائے کہ احکام شرعیہ سے کیسے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے: ایک وکیل کے متعلق جو انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کیونکہ وہ مجرم کو چھڑانے کے لئے قانونی حیلوں سے ترکیب نکال لیتا ہے اور کبھی اس کو اس کا کمال سمجھا جاتا ہے لیکن جب

اس میں اتنی وسعت ہوجائے اور لوگ قانونی حیلوں کے ذریعہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے لگ جائیں تو یہ اُس وکیل کی ذمہ داری کے ضعف کی دلیل ہوگی لیکن وہ بھی ایسی چیز کے باطل کرنے کے لئے حیلہ نہیں کریگا جس کو وہ دین سمجھ لے تو اس وقت ہمارا تاثر کیا ہوگا جب کوئی دیندار دین کے احکام کے ساتھ اس طرح کرے۔ اس دور میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے لوگوں کے لئے کتاب الحیل کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی اہل حدیث نے اس کا نہایت سختی سے مقابلہ کیا اور اس کے مصنف کا نام شیطان تجویز کردیا اور اس کو فاسق و فاجر کہا۔ لیکن اس مصنف کا اصل نام معلوم نہ ہوسکا۔ لوگوں نے یہ الزام اہل عراق میں سے کے بعض اصحاب الرائے پر لگایا لیکن وہ اس کا تعین نہ کرسکے کہ وہ کون ہے؟ اس کے بعض مسائل اس کے وضع کرنے والے کے ضعف دین پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص زکوٰۃ جیسے فریضہ دینی کے ترک کو آسان کردے اور اس کو یہ سکھائے کہ جب سال گزرنے کے قریب ہو تو اپنا مال اپنے بیٹے یا اپنی بیوی کو تھوڑی دیر کے لئے دیدے پھر اس سے اس مال کو واپس لے لے کیونکہ سال کم ہوجائے گا اور زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ایسے شخص کے متعلق آپ کیا رائے قائم کرسکتے ہیں مسائل حیل میں جرم کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے اور اس میں ایسے ہی بہت سے مسائل ہیں اور شفعہ کا ساقط کرنے اور قسموں اور اس کے چھٹکارے کی مثالیں تو بہت ہی ہیں خدا کی قسم ایک ایسا مذہب جو مطلقہ عورت کو وراثت دلاتا ہے جس کا شوہر حالت مرض میں اس غرض سے طلاق دیتا ہے تاکہ اس کو وراثت نہ ملے حیلہ و فریب سے بالکل علیحدہ ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ مسائل کی زیادتی اور اس کے وضع کرنے میں مختلف طریقے نکالنا ہی اس بات کا سبب ہوا کہ دین میں کمزور لوگوں کو کھڑا کرے کہ انھوں نے حیلے تراشے اور اس میں ائمہ کے کلام ہی سے مدد لی کہ وہ اپنے مسائل کو ان اغراض یا ان کے مشابہ کاموں کے لئے اہمیت استعمال نہیں کیا کرتے تھے، ہم اپنے مقصد یعنی تاریخ سے ہٹ گئے کیونکہ یہ ایک عجیب چیز تھی اور اس کو بیان کئے بغیر اس سے گزر جانا ہمارے امکان سے باہر تھا اور ابن قیم جوزیہ نے اس موضوع پر اپنی کتاب موسوم بہ "اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں خوب بحث کی ہے اگر چاہو تو وہاں دیکھ لو۔

(۱۰) احکام میں کتابوں کی تدوین

یہ تمام ائمہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کی کتابیں مدون ہیں جن سے اُن کے مستنبط شدہ احکام معلوم ہوتے ہیں اور اکثر کتابیں ان کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد نے مدون کی ہیں اور خو

ائمہ نے بھی بعض کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھوایا ہے یہاں ہم چند ان کتابوں کے نام لکھتے ہیں جو ان مذاہب کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔

مذہب ابی حنیفہؒ کی کتب

ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے پہلے جس نے کتابیں لکھی ہیں وہ آپ کے عظیم شاگرد امام ابو یوسفؒ ہیں۔ ابن ندیم نے فہرست میں لکھا ہے کہ ان کی کتابوں میں سے اصول، اور امالی میں کتاب الصلاۃ اور کتاب الزکاۃ سے آخر کتب فقہ تک؛ اور ان کا ایک املاء ہے جس کو قاضی بشر بن ولید کا روایت کردہ ہے اور ابو یوسفؒ کی تفریعات پر (۳۶) جلدوں میں ہے، اس کے علاوہ حسب ذیل کتابیں اور ہیں۔ کتاب اختلاف امصار۔ کتاب الرد علی مالک بن انس (یعنی مالک بن انس کی رد میں) کتاب الخراج الی الرشید (یہ کتاب بطور خط کے ہے جو انھوں نے ہارون رشید کے نام لکھا ہے۔ کتاب الجوامع (جس کو یحییٰ بن خالد کے لئے لکھا ہے چالیس کتابوں پر مشتمل ہے جس میں لوگوں کا اختلاف اور معمول بہ رائے کا تذکرہ ہے۔

لیکن ان کی کتابوں میں ہم کو سوائے کتاب الخراج کے کوئی کتاب نہیں ملی یہ کتاب مصر میں چھپ چکی ہے[1] جس کے شروع میں لکھتے ہیں کہ۔

> "امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں ان کے لئے ایک کتاب لکھوں جو خراج و عشور صدقات و جزیہ وغیرہ مسائل میں غور و فکر کرسکیں اور وصولیابی میں عمل کرسکیں اور اس سے امیر المومنین مقصود اپنی رعیت پر سے ظلم کا دور کرنا ہے اور ان کے حالات کا سدھارنا ہے اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو توفیق دے اور ان کو ٹھیک راستہ پر چلائے اور جس بات کے وہ متولی ہیں اس میں ان کی مدد کرے اور جس سے وہ ڈرتے ہیں اور احتیاط کرنا چاہتے ہیں اس سے ان کو بچائے، اور مجھ سے انھوں نے یہ بھی درخواست کی ہے کہ جس بات کی انھوں نے خواہش کی ہے اس بارے میں جس پر وہ عمل کرنا چاہیں اس کی وضاحت کروں اور تفسیر اور شرح کروں چنانچہ میں نے اس کی تفسیر اور شرح کردی ہے۔"

اور یہ کتاب ان کی جملہ کتابوں میں بہت عمدہ اور اچھی ہے اور وہ اس زمانہ کی یادگاروں میں سے ایک

---

[1] اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی دارالاشاعت کراچی سے شائع کیا جا رہا ہے ۱۲ محمد رضی۔

اچھا ذخیرہ ہے۔

اور ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب ہم کو اور بھی ملی ہے جو کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی ہے جس میں بہت سے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جس میں ان دونوں ائمہ نے اختلاف کیا ہے وہ خود کبھی ابو حنیفہؒ کی موافقت کرتے ہیں اور کبھی ابن ابی لیلی کی رائے لیتے ہیں، اس کتاب پر امام شافعیؒ نے بھی بحث کی ہے کہ تینوں ائمہ ابو حنیفہؒ۔ ابن ابی لیلیؒ۔ ابو یوسفؒ کی رائے لکھنے کے بعد وہ اس میں سے جس رائے کو ترجیح دیتے ہیں لکھتے ہیں اور کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی رائے لکھنے کے بعد اپنی طرف سے کوئی اور رائے اس کے علاوہ بھی لکھ دیتے ہیں۔

اور اس کتاب سے چند مسائل ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ استنباط جس کا مدار رائے پر ہے کیسے ہوتا ہے۔

کاریگر کا تاوان

(۱) ایک شخص نے درزی کو کپڑا دیا اور اس نے اس کی شیروانی سی دی کپڑے کے مالک نے کہا کہ میں نے تو تجھ کو قمیض سینے کے لئے کہا تھا اس پر درزی نے کہا کہ تو نے تو مجھے شیروانی سینے کو کہا تھا تو ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ کپڑے کے مالک کا کہنا معتبر ہے اور درزی کو کپڑے کی قیمت کا تاوان دینا پڑے گا ابو یوسفؒ بھی اسی رائے کو لیتے ہیں اور ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ درزی کا قول معتبر ہوگا۔

اور اگر کپڑا درزی کے پاس ضائع ہوگیا تو ابی حنیفہ کہتے ہیں کہ اس پر تاوان نہیں ہے اور نہ دھوبی اور نہ رنگریز پر اور اسی طرح جتنے کاریگر ہیں بجز اس کے کہ اس میں خود ان کی غلطی ہو۔ اور ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ جو چیز ان کے پاس ضائع ہو جائے وہ اس کے ضامن ہیں اگرچہ انھوں نے غلطی نہ کی ہو اور ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ وہ تاوان کے ذمہ دار ہوں گے لیکن ناگہانی صورت میں نہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص مزدوروں سے تاوان دلواتا ہے تو اس سے عاریت پر بھی قیاس کر کے تاوان دلوایا جائے گا اور فرماتے ہیں کہ عاریت میں تاوان اس لئے ہے کہ اس میں عاریت لینے والے کا فائدہ ہے اس لئے وہ اس کا ضامن ہے حتی کہ وہ اس کو صحیح سلامت واپس پہنچا دے اور وہ مثل قرض کے ہے اور قاضی شریحؒ بھی دھوبی سے تاوان دلانے کی طرف گئے ہیں کہ انھوں نے اس دھوبی کو ضامن قرار دیا جس کا گھر جل گیا اور جب اس نے پوچھا کہ آپ

مجھ سے تاوان دلواتے ہیں حالانکہ میرا گھر جل گیا تو شریحؒ نے کہا کہ تم دیکھو کہ اگر اس کا گھر جل جاتا تو کیا تم اس کو اپنی اجرت چھوڑ دیتے (یعنی کپڑے والے کا گھر جل جاتا تو کیا تو اپنی مزدوری نہ لیتا) اور جس نے ان لوگوں کو ضامن نہیں قرار دیا۔ انھوں نے اس کا قیاس امانت پر کیا ہے اور عطاؒ سے ثابت ہے کہ کاریگر اور مزدور پر تاوان نہیں ہے اور مزدور اور کاریگر نے اگر خود ضائع کر دیا ہو تو اس کے متعلق کوئی سوال نہیں ہے اور وہ ضامن ہے جیسے امانت رکھنے والا ضامن ہے جس کو خود اس نے ضائع کر دیا ہو اسی طرح یہ بھی ضمانت دیں گے اور غلطی کا جرم کسی سے معاف نہ ہوگا اسی طرح اگر انھوں نے تعدی سے کام لیا تو بھی ضامن ہوں گے، ربیعؒ کہتے ہیں کہ جہاں تک میرا خیال ہے شافعیؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ کاریگر پر تاوان نہیں ہے بجز اس کے کہ ان سے غلطی سرزد ہوئی ہو لیکن کاریگروں کے خوف سے وہ اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے تھے۔

زمانۂ اختیار میں خریدار کے پاس فروخت شدہ چیز کا ضائع ہونا

(۲) اگر کسی شخص نے کوئی چیز اس طرح پر خریدی کہ بیچنے والے کو ایک دن تک واپس لینے کا اختیار ہے اور خریدنے والے نے وہ چیز لے لی پھر وہ چیز اس کے پاس سے ضائع ہو گئی تو امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ خریدار قیمت کا ضامن ہے کیونکہ اس نے خریدنے کی نیت سے وہ چیز لی ہے ابویوسفؒ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ وہ اس چیز کا امین ہے اور اگر اختیار خریدنے والے کو تھا اور چیز اس کے پاس ضائع ہوئی تو اس کا تاوان دونوں کے نزدیک اسی قیمت پر ہے جس قیمت پر اس نے خریدا اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ وہ اصل قیمت کا ضامن ہے ہم اس کو ثمن کا ضامن اس لئے نہیں قرار دیتے کہ اس میں بیع کی تکمیل نہیں ہوئی ہے اور تاوان اس لئے اس پر نہیں قرار دیتے کہ اس نے اس کو بیع پر ہی لیا ہے کہ خریدار سے اس کا عوض لے گا تو ہم فروخت شدہ چیز کا تاوان ہی دلوائیں گے اور اس میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو امین قرار دیا جائے کیونکہ آدمی اس چیز کا امین ہو سکتا ہے جس کا مالک نہ ہو اور جس سے کوئی نفع فوری یا بدیر حاصل نہ کرے بلکہ وہ اس کا مالک ہے مالک کے فائدہ کے لئے نہ کہ اپنے نفع کے لئے اور خواہ اس میں اختیار بیچنے والے کا ہو کہ خریدنے والے کا کیونکہ اس میں بیع مکمل نہیں ہوئی اور چیز ضائع ہو گئی۔

بیع جبری

(۳) جب آدمی قرض کے بارے میں قید ہو گیا اور قاضی نے اس کو مفلس قرار دیدیا اور جیل میں اس نے کوئی چیز بیچی اور خریدی اور آزاد کیا یا کوئی صدقہ خیرات کیا یا کوئی ہبہ کیا تو امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ جائز ہے اور کوئی چیز اس کے مال سے قرض میں نہیں لی جائے گی قاضی کے مفلس قرار دینے کے بعد اس پر کچھ واجب نہیں۔ کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ انسان کب مفلس ہو جائے اور کب مالدار اور ابن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں کہ تفلیس کے بعد نہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور نہ ہبہ و صدقہ نہ آزاد کرنا کہ وہ کوئی مال بیچے اور قرضخواہوں کو دے اور ابو یوسفؒ کا قول مثل قول ابن ابی لیلیٰؒ کے ہے بجز آزاد کرنے کے اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب قرضدار پر دعویٰ کیا جائے اور اس پر کوئی چیز ثابت ہوئی یا اس نے کسی چیز کا اقرار کیا تو قاضی کو چاہیئے کہ اس کا مکان روک دے اور کہدے کہ میں نے تیرا مکان اس وقت تک کے لئے روکدیا جب تک تو اس کا دین ادا کر دے اور قاضی اس کو مفلس قرار دیدے پھر اس کے مال کا حساب کرے اور اس کو حکم دے کہ وہ حصہ اس کو فروخت کر دے اور اس کو حکم دے جو اس کی قیمت لگائے پھر قاضی اس کو جس قدر زیادہ قیمت میں ممکن ہو فروخت کرے پھر اس سے اس کا قرض ادا کرے پھر مکان کی رکاوٹ اس سے اٹھا لے۔

شفعہ کے مسائل

ایک شخص نے گھر خریدا اور اس میں کچھ عمارت بنائی پھر شفیع آیا اور اس کا شفعہ طلب کیا تو ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ شفیع گھر سے لے گا اور عمارت بنانے والا کھنڈر لے گا اور یہی ابو یوسفؒ کی رائے ہے اور ابن ابی لیلیٰ گھر اور عمارت دونوں شفیع کو دلواتے ہیں اور عمارت کی قیمت اور گھر کی قیمت جس قیمت پر اس نے خریدا ہے اس پر لازم قرار دیتے ہیں ورنہ اس کو شفعہ نہ ملے گا اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص گھر کا ایک حصہ خریدے پھر اس میں تقسیم کرلے اور نئی عمارت بنالے پھر شفیع نے شفعہ طلب کیا تو اس سے کہا جائے گا کہ اگر تو چاہتا ہے تو وہ قیمت جس قیمت پر اس نے یہ حصہ مکان خریدا اور عمارت بنائی تو جو قیمت آج کی ہوگی وہ ادا کر اور اگر چاہے تو شفعہ چھوڑ دے اس کے سوا کوئی صورت نہیں کیونکہ اس نے عمارت کے بنانے میں تعدی سے کام نہیں لیا لہذا اسکی عمارت منہدم نہیں کرائی جا سکتی۔

پڑوسی کا شفعہ

(۴) امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ شفعہ پہلے اس شریک کا ہے جس نے تقسیم نہیں کی ہے اس کے بعد اس کو ہے جس نے تقسیم کی ہے اور دونوں میں طریقہ ایک ہی ہے اس کے بعد اس پڑوسی کو جو متصل ہے اور اگر کئی پڑوسی جمع ہو جائیں اور ان کا اتصال برابر برابر ہو تو وہ سب شفعہ میں شریک ہوں گے اور ابن ابی لیلیٰؒ بھی ابو حنیفہؒ کی رائے سے متفق تھے مگر جب امیرالمومنین ابوالعباس نے ان کو لکھا کہ شفعہ کا حق اسی شریک کو دیں جس نے تقسیم نہیں کی ہے تو انھوں نے اس قول کو اختیار کر لیا اور اس کے بعد وہ فیصلہ اسی شریک کے حق میں کرتے تھے جس نے تقسیم نہیں کی ہے یہی قول اہل حجاز کا ہے اور یہی شافعیؒ کی رائے ہے۔

انکار کی صلح

(۶) ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ جب مدعی علیہ کسی بات کا انکار کر دے تو اس کے بعد بھی صلح جائز ہے اور ابو یوسفؒ کی بھی یہی رائے ہے اور ابن ابی لیلیٰؒ اس کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں، ابو حنیفہؒ کہتے تھے کہ کیوں جائز نہیں اور حالانکہ صلح انکار کی ہی حالت میں جائز ترین چیز ہے کہ جب اقرار ہو تو صلح کی ضرورت نہیں اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ قیاس تو یہ ہے کہ یہ صلح باطل ہو اس وجہ سے کہ ہم صلح اسی وقت جائز قرار دیتے ہیں جبکہ بیوع میں جائز ہو حلال و معروف قیمتوں کے بارے میں تو اگر یہ ہو تو ہمارے نزدیک اسی طرح ہو گی اور جس نے انکار کی حالت میں صلح کو جائز قرار دیا ہے تو یہ عوض ہو گا اور عوض کل کا کل قیمت ہے اور عوض اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک کہ عوض دینے والا اور عوض لینے والا اس پر متفق نہ ہو جائیں بجز اس کے کہ اس میں کوئی حکم ہو جو لازم ہو تو اثر قیاس سے اولیٰ ہے اور میری نظر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گزری جو اس جیسی بات کو لازم قرار دے[1]

کتب ظاہر روایت

ان میں پہلی کتاب جامع الصغیر ہے جس میں وہ مسائل درج ہیں جن کو امام محمدؒ سے ان کے

---

[1] اصل کتاب کے مصنف نے کئی صفحات میں کچھ اس قسم کے غیر دلچسپ اور طویل مسائل نقل کئے ہیں اسلئے یہاں چند صفحات کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ مترجم

شاگرد عیسیٰ بن ابان اور محمد بن سماع نے روایت کئے ہیں اور یہ مسائل کتب فقہ کی چالیس کتابوں میں ہیں جن میں پہلی کتاب الصلوٰۃ ہے اور اس کی ہر کتاب میں ابواب قائم نہیں کئے گئے تھے اور اس کتاب کو قاضی ابوطاہر محمد بن محمد باس نے لے کر اس کی تبویب و ترتیب کی تاکہ پڑھنے والوں کے لئے اس کا یاد کرنا اور پڑھنا سہل ہوجائے امام محمدؒ نے اس کتاب کے مسائل ابی یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابی حنیفہؒ سے اور اس کتاب میں دلائل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

۲- جامع کبیر وہ بھی پہلی جیسی ہے البتہ اس سے زیادہ طویل ہے۔

۳- کتاب مبسوط جو "اصل" کے نام سے مشہور ہے اور وہ محمدؒ کی تمام کتابوں میں بڑی اور طویل ہے جس میں ہزاروں وہ مسائل درج ہیں جن کے جوابات ابوحنیفہؒ کے استنباط کا نتیجہ ہیں جن میں سے بعض کی ابویوسفؒ اور محمدؒ نے مخالفت کی ہے اور اس کتاب میں انھوں نے یہ روش اختیار کی ہے کہ وہ ابتداءً ایک مسئلہ کے متعلق جس قدر احادیث ہوتی ہیں وہ درج کر دیتے ہیں پھر اس کے مسائل بیان کرتے ہیں اور اکثر اُن مسائل پر ختم کرتے ہیں جن میں ابوحنیفہؒ و ابن ابی لیلیٰؒ کا اختلاف ہے اور ان کے ایک شاگرد احمد بن حفص ہیں جنھوں نے اُن سے اس کتاب کی روایت کی ہے۔ اس میں احکام کی علت بیان نہیں کی گئی ہے۔

۴- کتاب سیر صغیر یہ کتاب جہاد کے مسائل میں ہے۔

۵- کتاب سیر کبیر اور یہ فقہ میں آخری تصنیف ہے اور اسی لئے اس کتاب کو ان سے ابوحفص احمد بن حفص نے روایت نہیں کیا ہے جو ان کی کتب کے راوی ہیں کیونکہ انھوں نے اس کتاب کو ابی حفص کے عراق سے جانے کے بعد تصنیف کیا ہے اور اسی لئے امام ابویوسفؒ کا نام بھی اس کے کسی مسئلہ میں نہیں ہے کیونکہ یہ تصنیف اس وقت کی ہے جب ان دونوں میں سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی اور جب کبھی ابویوسفؒ سے کسی روایت کی ضرورت پڑی ہے تو یوں لکھا ہے کہ مجھ سے معتبر شخص نے بیان کیا اور جہاں اس طرح کے الفاظ بولتے ہیں اُس سے امام ابویوسفؒ کی ذات مراد ہوتی ہے اور امام محمدؒ سے ابوسلیمان جوزجانی اور اسمٰعیل بن توبہ نے اس کتاب کی روایت کی ہے۔

چوتھی صدی کے اوائل میں ابوالفضل محمد بن احمد مروزی المعروف بہ حاکم شہید نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام "کافی" ہے جس میں محمد بن حسن کی کتابوں کے معانی و مطالب ہیں اس میں سے مکرر مسائل کو حذف کر دیا یہ بہت عمدہ کتاب ہے جو کتب خانہ مصر میں قلمی موجود ہے۔

اور امام محمدؒ بن حسن کی ایک کتاب ہمیں ملی جس میں اہل مدینہ پر رد کیا گیا ہے اس کتاب کی روایت

امام شافعیؒ نے کتاب "ام" میں کی ہے اور اس کے ہر مسئلہ پر یا تو اہل مدینہ کی مدد کے لئے اور یا ابی حنیفہ کے رائے کی موافقت کے لئے اعتراض کئے ہیں اس کتاب میں وہ مسائل درج ہیں جس میں ابوحنیفہؒ نے اہل مدینہ سے اختلاف کیا ہے جس کا ایک مسئلہ یہ ہے۔

باب اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کے لئے کسی شخص کو اسلئے پکڑے تاکہ وہ اس کو قتل کرے

ابوحنیفہؒ اس شخص کے بارے میں جو کسی شخص کو کسی شخص کے لیے اس لئے پکڑے کہ وہ ہتھیار سے اس کو قتل کردے اور وہ اسی جگہ مرجائے کہتے ہیں کہ پکڑنے والے پر قصاص نہیں ہے بلکہ قصاص قاتل پر ہے لیکن پکڑنے والے کو سخت سزا دی جائے گی اور جیل میں رکھا جائے گا لیکن اہل مدینہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس کو پکڑا اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے بدلے میں دونوں قتل کئے جائیں گے۔

محمد بن حسن کہتے ہیں کہ پکڑنے والے کو کیسے قتل کیا جائیگا جبکہ اس نے قتل نہیں کیا ہے۔ اور جبکہ اس نے اس کو پکڑا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کو قتل نہیں کریگا تو کیا تم پکڑنے والے کو قتل کروگے؟ اگر انھوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم تو اس کو اس وقت قتل کریں گے جبکہ وہ یہ گمان رکھے کہ وہ اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو پھر ان سے کہا جائیگا کہ ایسی صورت میں تمہارے قول کے مطابق پکڑنے والے پر قصاص واجب نہیں ہے لیکن اس صورت میں کہ اگر اس کو گمان ہو اور گمان کبھی خطا کرتا ہے کبھی ٹھیک ہوتا ہے مثلاً تمہارے خیال میں اگر کسی شخص نے کسی شخص کا پتہ بتادیا اور اس نے اس کو قتل کردیا اور جس نے پتہ بتایا اس کو یقین تھا کہ وہ اگر اس پر قدرت ہوگا تو اس کو قتل کردیگا تو کیا تم پتہ بتانے والے کو اسی طرح قتل کروگے جیسے کہ پکڑنے والے کو دیکھو اگر کسی شخص نے کسی کو کسی کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کو قتل کردیا تو کیا قتل کرنے والا اور حکم دینے والا دونوں پکڑے جائیں گے؟ یا اگر کسی شخص نے کسی عورت کو روک رکھا تاکہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے تو کیا دونوں کو حد لگائی جائے گی یا صرف اسی کو حد لگائی جائے گی جس نے کہ فعل کیا اور اگر وہ دونوں شادی شدہ ہیں تو کیا دونوں کو رجم کیا جائیگا اسی طرح اس شخص کو جو یہ کہتا ہے کہ پکڑنے والے کو قتل کیا جائے گا یوں کہنا چاہیئے کہ دونوں پر حد جاری کی جائے گی؟ یا اگر

کسی شخص نے کسی کو شراب پلادی تو کیا دونوں پر شراب کی سزا جاری کی جائیگی یا صرف پینے والے پر حد جاری کی جائے گی؟ یا اگر کسی شخص نے کسی کو حکم دیا کہ کسی شخص پر بہتان باندھے اور اس نے اس پر بہتان باندھا تو کیا دونوں پر سزا جاری کی جائے گی یا صرف تہمت باندھنے والے کو سزا دی جائے گی؟ تمہارے قول کے مطابق تو دونوں کو سزا دی جانی چاہیئے۔

ہم کو اسمٰعیل بن عیاش حمصی نے خبردی کہ عبدالملک بن جریج نے عطاء بن ابی رباح سے روایت بیان کی وہ کہتے ہیں کہ علیؓ بن ابی طالب نے اس شخص کے بارے میں جس نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اور دوسرے شخص نے اس کو پکڑا تھا یہ فرمایا تھا کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور دوسرے کو جیل میں مرنے تک بند رکھا جائے۔

شافعیؒ کہتے ہیں کہ اللہ کی حد لوگوں پر نفس فعل پر ہے اور اسی میں قصاص بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کتب علیکم القصاص فی القتلی	مقتولین کے سلسلہ میں تم پر قصاص فرض کیا گیا۔
ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا۔	جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہم نے اس کے ولی کو اقتدار عطا کر دیا۔

جو لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں ان کے نزدیک یہ بات مسلم تھی کہ مقتول کے ولی کو صرف قاتل پر اقتدار حاصل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کا خون بہا کر قتل کیا اس کا قصاص خود اس کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائة جلدة۔	زانی اور زانیہ دونوں کو ایک ایک سو کوڑے مارو۔

اور ارشاد فرمایا۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدة۔	جو لوگ بغیر چار گواہ پیش کئے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اُن کے اسی کوڑے مارے جائیں۔

لیکن میں نے مخلوق خدا میں کسی رہبر کو نہیں دیکھا کہ اُس نے کسی ایسے شخص پر جس نے وہ فعل کیا ہو نہ اقدار اس کے باوجود حد جاری کی ہے تو اگر کسی شخص نے کسی کو پکڑ رکھا کسی شخص نے پھر اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں قاتل کو قتل کیا جائے گا اور روکنے والے کو سزا دی جائیگی

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں یہ تبدیلی جائز نہیں کہ جب قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے تو پکڑنے والے کو بھی پکڑنے کے جرم میں قتل کیا جائے حالانکہ پکڑنا اور قتل کرنا دو الگ چیزیں ہیں اور جس نے اس کو قتل کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں تبدیلی کردی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ

كتب عليكم القصاص في القتلى۔ مقتولین کے بارے میں تم لوگوں پر قصاص واجب ہے

تو قصاص تو یہی ہے کہ آدمی کے ساتھ وہی کام کیا جائے جو اس نے کیا۔ تو کیا اس نے قتل کیا ہے کہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے۔ اس نے تو پکڑا ہے اور پکڑنا ایسا گناہ ہے جس میں قصاص نہیں ہے بلکہ اس میں تعزیر کی جائے گی خواہ اس نے اس لئے اس کو پکڑا ہو کہ اس کو قتل کرے یا قتل نہ کرے۔ اور اگر پکڑنا قتل کا قائم مقام ہوتا جبکہ روکنے والا اس کی نیت کرے کہ محبوس قتل ہو تو کیا اگر اس نے اس کو قتل نہیں کیا تو ہم اس کو قتل کریں گے کیونکہ اس نے وہ فعل کیا ہے جو قتل کے قائم مقام ہے نیت کے ساتھ لیکن یہ قول ہمارے امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے خلاف ہے اور امام محمدؒ بن حسنؒ نے جو ہمارے امام مالکؒ بن انسؒ پر اعتراضات کئے ہیں وہ عام طور پر خود ان پر وارد ہوتے ہیں لیکن امام محمدؒ بھی دوسرے موقع پر غافل نہیں رہے جس کی وجہ اکثر وہ باتیں انہی پر وارد ہوتی ہیں جو وہ ہمارے امام پر کرتے ہیں تو وہ تمام اعتراضات جو وہ اس جگہ ہمارے امام پر کرتے ہیں انہی پر وارد ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی شخص کہے کہ اس کی دلیل کیا ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ امام محمدؒ کا خیال ہے کہ اگر ایک جماعت نے ڈاکہ ڈالا اور قتل کیا اور ان کے مدد کرنے کے لئے ایک جماعت ہے جو آواز تو سنتی ہے لیکن ان لوگوں نے جو قتل کیا ہے اس کو نہیں دیکھتی تو قاتلوں کو تو قتل کرنے کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور مددگاروں کو اس لئے کہ ان کی قوت پاکر انھوں نے قتل کیا' شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ بن حسن سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس بارہ میں کسی روایت کا ذکر ہے تو انھوں نے کسی روایت کو نہیں بیان کیا۔ تو میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے اگر کسی طاقتور آدمی کو کسی کمزور شخص نے قتل کا ارادہ کیا اور ایک طاقتور شخص سے کہا کہ اگر میں کمزور نہ ہوتا تو فلاں کو قتل کرتا اس نے کہا میں اس کو تیرے لئے پکڑ دونگا پھر اس نے اس کو پکڑ دیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ کر اس کے گلے کو اٹھایا تاکہ اس کے نرخرہ کو نمایاں کردے پھر ضعیف کو چھری دی اور اس نے اس کو ذبح کردیا تو کیا آپ کا خیال ہے کہ صرف ذبح کرنے والے کو قتل کیا جائے کیونکہ وہی قاتل ہے اور اس شخص کی مدد کا کچھ خیال نہ کیا جائے گا جو اس قتل کا سبب ہے کیونکہ سبب غیر فعل ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کا فعل پر مواخذہ فرماتا ہے کیا یہ شخص اس کے قتل پر زیادہ مددگار

تھا یا دہ زیادہ مددگار تھے جو راستہ سے گزر رہے تھے قتل پر پھر آپ ان مددگاروں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو آواز کو نہ سنتے تھے لیکن وہ قاتلوں کو دیکھ رہے تھے اور ان کو قوت پہونچا رہے ہوں ان پر بجز تعزیر کے اور کچھ نہ ہوگا تو پھر ان پر حد کیوں جاری ہوگی جہاں سے وہ آواز سنتے ہوں تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام مالکؒ بھی اس مسئلہ میں میرے ساتھی ہیں کہ وہ بھی مددگاروں کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ وہ قتل کئے جائیں گے میں نے کہا کہ تمہارے لئے تو اس سے تمہارے غیر پر حجت آجاتی ہے اگر آپ کا قول حجت نہ ہو تو کیا ہمارے استاذ کا قول جس پر تم اعتراض کرتے ہو اس طرح حجت ہوگا؟ فرمایا تو پھر کیا تمہارا یہ قول نہیں ہے؟ میں نے کہا نہیں اور میں کسی عقلمند کو ایسا کہتے نہیں پاتا اور جس نے یہ کہا تو وہ قیاس معقول کے حکم سے نکل گیا اور اس پر بہت سے وہ اعتراضات وارد ہو جائیں گے جو تم کرتے ہو اور اگر تم نے کسی بارے میں استدلال کیا یا اُن پر نکتہ چینی کی اور خود اس سے بچ گئے تو یہ ہو سکتا ہے۔

شافعیؒ کہتے ہیں کہ علیؓ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ قاتل کو قتل کیا جائے اور روکنے والے کو قید میں رکھا جائے حتی کہ وہ مر جائے۔ لیکن امام محمدؒ اس کو عمر قید کی سزا نہیں دیتے اس لئے یہ اُن کے استدلال کے خلاف ہے۔

پوری کتاب اسی طرح دونوں فریقوں کے پُرزور دلائل سے بھری پڑی ہے اور وہ اس قابل ہے کہ قانون کے طالب علم اس کو پڑھیں اور امام محمدؒ کی ایک کتاب "کتاب الآثار" ہے جس کا ابن ندیم نے ذکر نہیں کیا ہے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ مصر میں موجود ہے جس میں وہ تمام حدیثیں جمع کردی ہیں جس سے ائمہ احناف استدلال کرتے ہیں ان کی بہت سی کتابیں ہیں جو "نوادر" کے نام سے مشہور ہیں اور یہ کتابیں قابل اعتماد طریقوں سے مروی نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) امالی محمد فقہ میں اور یہ کیسانیات کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) کتاب الزیادات۔

(۳) کتاب زیادۃ الزیادات۔

(۴) کتاب النوادر

(۵) روایۃ ابن رستم

اور امام محمدؒ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے موطأ امام مالکؒ بن انس کی روایت کی ہے اور اس میں ان احادیث کو بیان کیا ہے جن پر احناف کا موافق یا مخالف عمل رہا ہے اور ان اسباب

کو بھی بیان کیا ہے جس کی وجہ سے اختلاف ہے۔

اور امام ابی حنیفہؒ کے شاگردوں میں ایک مصنف حسن بن زیاد لولوی بھی ہیں جنھوں نے کتاب "مجرد" لابی حنیفہ روایۃ" اور کتاب ادب القاضی۔ کتاب الخصال، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا، لکھی ہیں لیکن حسنؒ بن زیاد کی روایات اعتماد کے لحاظ سے محمدؒ بن حسن کی روایات سے مؤخر ہیں کیونکہ امام محمدؒ بن حسن پر پورا بھروسہ کیا جاتا ہے۔

اور انہی میں سے ایک عیسیٰ بن زبان، ہیں جو امام محمدؒ بن حسن کے شاگرد ہیں ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب الحج۔

(۲) کتاب خبر واحد۔

(۳) کتاب الجامع۔

(۴) کتاب اثبات قیاس۔

(۵) کتاب اجتہاد الرائے۔

اور انہی میں ایک ہلال بن امیہ جو ہلال الرائی کے نام سے مشہور ہیں اور ابو عبداللہ محمد بن سماعۃ ہیں جنھوں نے امام محمدؒ بن حسن سے ان کی کتابوں کی روایت کی ہے۔

اور انہی میں سے ایک احمد بن عمر بن ہمید ہیں جو خصاف کے نام سے مشہور ہیں جنھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور ان کی کتابوں میں سے بہترین کتاب اوقاف میں ہے اور بڑی مشہور و متداول ہے۔

اور اس دور کا اختتام ایک ماہر امام کبیر اور مصنف عظیم پر ہوا اور آپ کا نام نامی ہے ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمہ ازدی طحاوی مصری جنھوں نے اختلاف فقہاء میں ایک بہت بڑی کتاب لکھی ہے جس کو وہ تمام ذکر پائے اور کتاب شرح مشکل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو تقریباً ایک ہزار ورق کی ہے اور کتاب شرح معانی الآثار کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جس کو علم پر پوری دسترس حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا حافظ ہے اور اس کے ساتھ فقہاء کے اختیار کردہ مذہب اور ان کے متعلق ان کے اقوال اور سندوں سے پوری طرح واقف، ان کی اور کتابیں بھی ہیں جن کی تفصیل ابن ندیم نے اپنی فہرست میں دی ہے۔

اس زمانہ میں بھی کتابوں کی تصنیف کا کام ہوا لیکن ان سب میں امام محمدؒ کی کتابیں ہیں جو ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے مذہب کی بنیاد ہیں اور انہی کتابوں کی علماء حنفیہ نے آخری زمانہ میں شرح اور تفسیر کی ہے اور اسی پر ان کا اعتماد ہے اور اسی چشمہ سے وہ سیراب ہوئے۔

امام مدینہ مالکؒ بن انس کے مذہب کی کتابیں

امام مالکؒ نے اپنی کتاب موسومہ بہ موطا لکھی اور ان سے ان کے بہت سے شاگردوں نے اس کی روایت کی لیکن ان کی روایات میں کمی اور زیادتی کا اختلاف ہے موطا کی مشہور روایت یحیی بن یحیی لیثی کی ہے اور مصر کا چھپا ہوا یہی نسخہ ہے جس کو آج کل ہم پڑھتے ہیں[1] اور ایک موطأ وہ ہے جس کی روایت امام محمدؒ بن حسن کرتے ہیں یہ بلاد ہند کا مطبوعہ ہے۔

اس کتاب میں امام مالکؒ کی عادت یہ ہے کہ موضوع کے مقدمہ میں جو کچھ احادیث ہیں اس کو صحیح کرتے ہیں پھر اس میں صحابہ اور تابعین سے جو منقول ہے اس کو درج کر دیتے ہیں اور غیر اہل مدینہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس پر اہل مدینہ کے عمل اور اہل مدینہ کے متفق الیہ کا بھی ذکر کرتے ہیں چنانچہ ان کی کتابوں کا نمونہ یہ ہے۔

بیمار کی طلاق

مالک نے ابن شہاب سے روایت کی وہ طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت کرتے ہیں جنھوں نے بیان کیا جو اس مسئلے کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے بھی روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے مرض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق قطعی دیدی تو عثمانؓ بن عفان نے اس عورت کو اس کی عدت گزرنے کے بعد ان کا وارث قرار دے کر میراث دلائی۔

امام مالکؒ نے عبداللہ بن الفضل سے اور وہ اعرج سے روایت کرتے ہیں کہ عثمانؓ بن عفان نے ابن مکمل کی عورتوں کو وارث بنایا حالانکہ انھوں نے بحالت مرض ان کو طلاق دیدی تھی۔

---

[1] موطا امام مالک کے متعدد اصل نسخے اور شرح و حواشی کے ساتھ ہندو پاکستان میں بھی شائع ہو چکے ہیں یہاں پر زیادہ تر یہی رائج ہیں نیز اردو و فارسی ترجمے بھی چھپ چکے ہیں ۱۲ منہ رضی۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ انھوں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی نے ان سے اپنی طلاق مانگی تو انھوں نے فرمایا کہ جب تجھے حیض آئے اور پھر تو پاک ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا لیکن ان کو حیض عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بیمار ہونے کے وقت حیض آیا پھر جب وہ پاک ہوئیں تو انھوں نے ان کو اس کی خبر دیدی پھر انھوں نے ان کو طلاق قطعی دیدی یا وہ ایک طلاق دی جوان کی اس عورت پر باقی تھی اور عبدالرحمٰن اس وقت مریض تھے تو عثمانؓ بن عفان نے ان کو ان کی عدت پوری ہونے کے بعد ان کا ورثہ دلایا۔

امام مالکؒ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں اور وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے کہ میرے داداحبان کی دو بیویاں تھیں ایک ہاشمیہ ایک انصاریہ انھوں نے انصاریہ کو طلاق دیدی جو دودھ پلا رہی تھی اور اس پر ایک سال گزر گیا اس کے بعد وہ انتقال کر گئے لیکن اس وقت تک عورت کو حیض نہیں آیا اس لئے اس نے دعویٰ کیا کہ میں اس کا ورثہ لونگی کیونکہ مجھے حیض نہیں آیا دونوں عورتیں عثمانؓ بن عفان کے پاس گئیں آپ نے اس کے لئے ورثہ دینے کا حکم دیا اس پر ہاشمیہ نے عثمانؓ کو ملامت کی تو آپ نے فرمایا یہ فیصلہ تو تیرے چچازاد بھائی کا ہے آپ نے اس سے اشارۃً ہماری طرف کیا یعنی علی ابن ابی طالب پر (جو ہاشمی تھے)

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ انھوں نے ابن شہاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب کوئی شخص بحالت بیاری تین طلاق دیدے تو وہ عورت اس کی وراثت میں حصہ دار ہوگی۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر اس نے بحالت مرض قبل صحبت طلاق دی ہے تو اس کو نصف مہر ملے گا اور میراث ملے گی اور اس پر عدت واجب نہیں اور اگر صحبت کرنے کے بعد طلاق دی تو اس کو کل مہر بھی ملے گا اور میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت نہ ہوگی۔ اور اگر اس کے ساتھ صحبت کی پھر اس کو طلاق دی تو اس کو کل مہر بھی ملے گا اور میراث بھی' اور اس معاملہ میں ہمارے نزدیک باکرہ وثیبہ دونوں برابر ہیں' موطأ دراصل ان احادیث کا مجموعہ ہے جو امام مالکؒ کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں اور وہ تقریباً پانچسو احادیث کا مجموعہ ہے۔

لیکن جن مسائل کا انھوں نے جواب دیا اُن کو ان کے شاگردوں نے مرتب کر دیا سب سے پہلے جس نے اس کو لکھا وہ اسدؒ بن فرات ہیں جنھوں نے ان مسائل کو مرتب کیا ہے جو انھوں نے امام محمدؒ بن حسن فقیہ عراق سے حاصل کئے جیسا کہ شیخ علیش نے متن خلیل پر جو شرح لکھی ہے اس میں درج کیا ہے پھر ان مسائل کے متعلق عبدالرحمٰنؒ بن قاسم سے پوچھا تو انھوں نے مالکؒ کی

طریقے کے مطابق جواب لکھا پھر اس تحریر کو قیرواں لائے تو اس کو ان سے سحنونؒ نے لکھا اور اس کا نام اسدیہ تھا پھر اس کو سحنونؒ ابن قاسمؒ کے پاس ۱۸۸ھ میں لائے اور ان مسائل کو ان پر پیش کیا انھوں نے مسائل کی اصلاح کی اور پھر قیروان ۱۹۱ھ میں واپس لے گئے اور اس کو کتابی شکل میں تو سب سے پہلے اسدؒ بن فرات نے اس طرح جمع کیا تھا لیکن مسائل غیر مرتب شکل میں تھے اور عنوانات کی تفصیل بھی نہ تھی پھر سحنونؒ نے اس کے اکثر مسائل کو مرتب کیا اور سحنونؒ نے اس کے بعض مسائل پر ان احادیث کی رو سے اعتراض کیا جو موطا ابن وہب وغیرہ کی روایت سے ان کو ملے تھے اور اس میں کچھ ایسے حصے باقی رہ گئے جن کو سحنونؒ مکمل نہ کر سکے۔ (یہ سب کچھ قاضی عیاض نے لکھا ہے)

اہل صلاح و اہل بدعت کے پیچھے نماز کا مسئلہ

(کہا) اور مالکؒ نے فرمایا کہ قوم کی امامت جو ان میں سب سے زیادہ عالم ہو اور اس کی حالت اچھی ہو اور فرمایا کہ عمر کا بھی کچھ حق ہے تو میں نے کہا جو ان میں سب سے اچھا قاری ہو وہ کیسا ہے تو فرمایا کبھی یہ قاری ایسا ہوتا ہے کہ جو نہیں (اس نہیں سے انکا یہ مطلب تھا کہ اس کی حالت اچھی نہیں ہوتی) اور مالکؒ نے فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ سواری پر آگے بیٹھنے کا مستحق سواری کا مالک ہے اور امامت کا مستحق گھر والا ہے جبکہ اس کے مکان میں نماز پڑھیں البتہ اگر وہ اجازت دیدے تو دوسرا بھی امام ہو سکتا ہے میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ وہ اسی کو پسند کرتے تھے میں نے ابن قاسمؒ سے کہا کہ امام مالکؒ کا قول اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو غلط قرآن پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے حالانکہ وہ خود اچھا پڑھ سکتا ہے تو کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جب امام لوگوں کو نماز پڑھائے اور قرأت چھوڑ دے تو اس کی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی بھی وہ نماز باطل ہوگئی دوبارہ نماز پڑھیں اگرچہ وقت چلا جائے اس کے بعد فرمایا تو جو شخص قرآن مجید اچھا نہیں پڑھتا اس کا معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی اس کے پیچھے نماز پڑھے جو قرآن مجید کو اچھا نہیں پڑھتا پھر کہا کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا قدریہ فرقہ کے امام کے پیچھے نماز کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا کہ اگر تم کو یقین ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو میں نے کہا اور نہ جمعہ؟ فرمایا اگر تجھے یقین ہو تو نہ جمعہ انھوں نے کہا اور میں مناسب جانتا ہوں کہ اگر تجھے اس سے ڈر ہو اور اس سے اپنے نفس کی حفاظت مقصود

ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھ لے لیکن احتیاطاً ظہر بھی ادا کر لو امام مالکؒ نے فرمایا کہ اہل بدعت بھی قدریہ کے مثل ہیں۔ اور کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ جب اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے والے کو نماز کے اعادہ کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو وہ توقف کرتے تھے اور اس کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں اس بارہ میں اسی وقت اعادہ کر لینا مناسب سمجھتا ہوں اور کہا کہ مالکؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ابن مسعود کی قرآت سے پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے تو فرمایا کہ وہ نکل جائے اور اس کو چھوڑ دے اور اس کی اقتدا نہ کرے انہوں نے کہا کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کے ساتھ نہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کرے نہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کرے اور نہ ان کو سلام کرے اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ ان کے جنازوں پر حاضری دے، اور کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھے جو ابن مسعود کی قرآت پڑھتا ہے وہ نکل جائے اور اس کو چھوڑ دے میں نے کہا کہ کیا اگر وہ اس کے پیچھے نماز پڑھے تو کیا اس پر اعادہ واجب ہے بقول امام مالکؒ ابن قاسم نے کہا کہ جب انھوں نے یہ کہا ہے کہ نکل جائے تو میری رائے یہ ہے کہ وہ وقت میں بھی اور اس کے بعد بھی نکل جائے" مدونہ" کے مسائل چھتیس ہزار تک پہونچتے ہیں۔

اور یہی "مدونہ" امام مالکؒ کے متبعین کے نزدیک علم کی بنیاد ہے اور امام مالکؒ کے مقلدین میں سے لکھنے والے عبداللہ بن عبدالحکم مصری ہیں جنھوں نے مختصر کبیر تالیف کی ہے جس کے ذریعہ سے کتب اشہب کا اختصار کیا اور مختصر اوسط اور مختصر صغیر لکھی اور صغیر کو تو صرف موطا تک محدود رکھا اور اوسط کی دو قسمیں ہیں۔ جو قراطیسی کی روایت کردہ ہے اس میں آثار کی زیادتی ہے برخلاف اس کے جہان کے لڑکے محمدؒ اور سعیدؒ بن حسان کی روایت سے ہے کہا جاتا ہے کہ مختصر کبیر کے مسائل کی تعداد (۱۸۰۰۰) مسئلوں تک پہونچتی ہے اور اوسط میں (۴۰۰۰) اور صغیر میں (۱۲۰۰)

اور انہی میں سے ایک اصبغ بن فرج ہیں جنھوں نے کتاب اصول تصنیف کی اور ابن القاسم سے اپنے سماع کی (۲۲) کتابیں لکھیں، اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے کتاب احکام القرآن اور کتاب الوثائق والشروط اور کتاب آداب القضاۃ اور کتاب الدعوی والبینات تالیف کی۔

اور محمد بن احمد عتبی قرطبی نے مستخرجہ تالیف کی اور اس میں زیادہ تر وہ مسائل درج ہیں جو شاذ اور نادر ہیں اور ان کے پاس جب کوئی شاذ مسئلہ لایا جاتا اس میں جو مسئلہ ان کو پسند آتا فرماتے کہ اس کو مستخرجہ میں داخل کر لو ابن وضاح کہتے ہیں کہ مستخرجہ میں بہت اغلاط ہیں اور محمد بن حکم کہتے

ہیں کہ اس کے مسائل اکثر جھوٹے ہیں اور ایسے مسائل ہیں جن کے کوئی اصول نہیں اور ابومحمد بن حزم ظاہری کے سامنے مستخرجہ کا ذکر کیا گیا تو کہا کہ افریقیہ میں اہل علم کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور بڑی شہرت ہے، یحییٰ بن عمر کنانی نے اس کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام منتخبہ رکھا ہے۔

اور محمدؒ بن سحنون نے اپنی کتاب موسومہ "جامع" تالیف کی جس میں علم فقہ کی بہت سی شاخیں جمع کی ہیں اور اس میں بہت سی کتابیں ہیں جو تقریباً ساٹھ ہیں۔

اور محمدؒ بن ابراہیم بن عبدوس نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام مجموعہ ہے جو امام مالکؒ اور ان کے متبعین کے مذہب کے مطابق ہے لیکن وہ اس کے مکمل کرنے سے قبل ہی انتقال فرما گئے۔

اور اس دور میں مذہب مالکیہ کے دو بڑے مصنفین تھے۔ مشرق میں قاضی اسمٰعیل بن اسحٰق ہیں جنھوں نے اپنی کتاب مبسوط فقہ میں لکھی اور ایک کتاب محمدؒ بن حسن اور ابی حنیفہؒ اور شافعیؒ کی رد میں لکھی اور دوسرے مصر میں محمدؒ بن ابراہیم بن زیاد اسکندری المعروف بہ ابن مواز ہیں جن کی کتاب فقہ میں بڑی زبردست کتاب ہے اور مالکی مذہب کی تمام کتابوں میں اس کو امتیاز حاصل ہے جس میں صحیح ترین مسائل درج ہیں جو کلام میں مبسوط ہے اور تمام مسائل پر حاوی ہے اور قابسیؒ نے اس کو تمام اصولی کتابوں پر مقدم رکھا ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے مذہب کی کتابیں

شافعیؒ ہی وہ امام ہیں جن کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے بذات خود کتابوں کی تصنیف کیں لیکن جو ان کے مذہب کے ماننے والوں کے لئے بنیاد کا کام دیتی ہیں اور خود انھوں نے اس کو اپنے شاگردوں کو عراق و مصر میں لکھوایا اور عراق کی کتابیں ان کا مذہب قدیم ہیں اور مصر کی کتابیں ان کا معتدل جدید مذہب ہے اور ان کی کتابیں یہ ہیں۔

(۱) رسالہ اولہ احکام یہ اصولی رسالہ ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

(۲) کتاب الام اور یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کے مثل اس کے زمانہ میں نہیں لکھی گئی عمدہ طرز تحریر، اور دقت تعبیر، اور قوت مناظرہ میں لاجواب کتاب ہے یہ کتاب ایسی نہیں ہے جس میں صرف مسائل بیان کرتے چلے جائیں جیسے کہ امام محمدؒ کے کتابوں کا طرز ہے بلکہ وہ ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل بھی بیان کرتے ہیں اور اکثر اپنے مخالفین کا ذکر کرتے ہیں اور ان پر دلیل قائم کرتے ہیں اور اس کتاب کا نام "قدیم" بھی تھا اس کی تحریر کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

نماز کے متعلق کلام

شروع میں تین حدیثیں مع ان کی سند کے روایت کرتے ہیں۔

(۱) عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم حبشہ جانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے اور آپ اس کا جواب حالت نماز میں دیا کرتے تھے پھر جب ہم حبشہ سے واپس آئے میں آپ کے پاس بغرض سلام حاضر ہوا تو میں نے آپ کو نماز پڑھتے پایا اور میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا تو میرے دل میں بہت سے نزدیک و دور کے خیالات پیدا ہونے لگے میں بیٹھا رہا حتیٰ کہ آپ نے نماز پوری کر لی پھر میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں جو چاہتے تبدیلی فرما دیتا ہے اور انہی امور میں سے جو اللہ تعالیٰ تبدیلی فرماتا ہے یہ بھی ہے کہ تم نماز میں بات نہ کیا کرو۔

(۲) ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھکر واپس ہوئے تو آپ سے ذوالیدین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے تو لوگوں نے عرض کیا ہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور دو آخری رکعتیں پڑھ لیں پھر آپ نے سلام کیا پھر تکبیر کہی پھر آپ نے سجدہ کے مثل سجدہ کیا یا کچھ طویل سجدہ کیا پھر سر اٹھایا پھر تکبیر کہی پھر آپ نے سجدہ کے مثل سجدہ کیا یا کچھ طویل پھر سر اٹھایا، اور ابی ہریرہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی۔

(۳) عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعتیں پڑھیں پھر کھڑے ہو گئے اور حجرہ میں داخل ہو گئے پس پر خرباق رضؓ کھڑے ہو گئے جن کے ہاتھ چوڑے تھے اور انھوں نے آواز دی یا رسول اللہ کیا نماز کم ہوگئی تو آپ غصہ کی حالت میں اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے پھر آپ نے پوچھا تو آپ کو خبر دی گئی پھر آپ نے وہ رکعت ادا کی جو آپ نے چھوڑ دی تھی پھر آپ نے سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ہم ان سب احادیث کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لازمی ہے کہ کوئی شخص نماز میں عمداً کلام نہ کرے جبکہ اس کو یہ یاد ہو کہ وہ نماز کی حالت میں ہے اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہوگئی اور اس کو دوسری نماز حدیث ابن مسعودؓ کی بنا پر پڑھنا چاہیئے میرے علم کے مطابق کسی اہل علم نے اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی اور جس شخص نے نماز میں بات کر لی اور اس کا

خیال یہ رہا کہ نماز پوری ہوگئی ہے یا وہ بھول گیا کہ وہ نماز میں ہے تو وہ اپنی نماز پوری کرے اور سجدہ سہو کرلے کیونکہ ذی الیدین کی حدیث اسی کے مطابق ہے اور جس نے اس حالت میں بات چیت کرلی اور اس کا خیال تھا کہ وہ نماز کے علاوہ دوسری حالت میں ہے غیر نماز میں بات کرنا مباح ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث ذی الیدینؓ کے حدیث کی مخالف نہیں ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث کلام کے بارہ میں اجمالی ہے اور ذوالیدین کی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً کلام کرنے اور بھول کے کلام کرنے والے کے بارہ میں فرق کیا ہے کیونکہ وہ نماز میں ہے یا بات کرتیوالا جو یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے نماز کو پورا کرلیا۔

شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے نماز میں کلام کرنے کے بارہ میں ہم سے اختلاف کیا ہے اور اس مسئلہ میں ہمارے مخالف اس قدر دلائل جمع کئے ہیں کہ اس کے سوا بجز مسئلہ یمین کے مع الشاہد کے کسی مسئلہ میں اس قدر دلائل جمع نہیں کئے چنانچہ میں نے ان کو یہ کہتے سنا ہے کہ ذوالیدین کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس حدیث اور حدیث العجماء جبار سے زیادہ مشہور کوئی حدیث ثابت نہیں۔ لیکن ذوالیدین کی حدیث منسوخ ہے تو میں نے کہا کہ اس کو کس حدیث نے منسوخ کیا ہے تو کہا ابن مسعودؓ کی حدیث نے تو میں نے ان سے کہا کہ جب دو حدیثیں مختلف ہوتی ہیں تو ان میں سے آخری ناسخ ہوتی ہے۔ فرمایا ہاں تو میں نے ان سے کہا کہ آپ کو ابن مسعودؓ کی یہ حدیث یاد نہیں کہ ابن مسعودؓ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے آپ کو صحن کعبہ میں پایا تھا اور ابن مسعودؓ نے پہلے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ کی طرف لوٹے تھے پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرکے گئے تھے اور بدر میں حاضر تھے تو فرمایا ہاں تو میں نے ان سے کہا کہ جب ابن مسعودؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت سے پہلے آئے پھر عمرانؓ ابن حصین روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے پچھلے حصہ میں ایک شہتیر کے پاس آئے تو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں مکہ سے ہجرت کے بعد نماز پڑھی تو کہا کہ ہاں تو میں نے کہا تو عمران بن حصین کی حدیث تم کو یہ بتاتی ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث اور ذوالیدین کے حدیث کی ناسخ نہیں ہے۔ اور ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ ابی ہریرہؓ کی صحبت کتنی ہے اس پر میں نے کہا کہ ہم اتنا ہی زمانہ بیان کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے کافی ہو جو عمرانؓ کی حدیث میں بیان ہوا ہے تاکہ تم کو مشکل نہ پڑے کہ ابوہریرہؓ خیبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی صحبت میں آئے اور خود ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تین یا چار سال رہا (ربیع کو شک ہے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کئی سال رہے سوا ان ایام کے جو مکہ میں ابن مسعودؓ کے آنے کے بعد آپ نے قیام کیا ابوہریرہؓ کی صحبت سے پہلے تو کیا یہ جائز ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث اس کے بعد کے حدیث کی ناسخ ہو تو فرمایا نہیں امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان سے کہا کہ اگر ابن مسعودؓ کی حدیث ابی ہریرہؓ وعمرانؓ بن حصین کے حدیث کی مخالف ہوتی جیسا کہ تم کہتے ہو اور اس حالت میں عمداً کلام کرنا کہ تم جانتے ہو کہ تم نماز میں ہو بعینہ ایسا ہو کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ گویا تم نے نماز پوری کر لی یا تم نماز کو بھول گئے تو ابن مسعودؓ کی حدیث منسوخ ہوگی اور نماز میں بات کرنا مباح ہے لیکن نہ وہ ناسخ ہے نہ منسوخ بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو میں نے بیان کر دی اور وہ یہ کہ نماز میں یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ ہم نماز میں ہیں بات کرنا جائز نہیں ہے اور جب اس طرح ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر نسیان اور سہو سے بات کرے اور وہ سمجھتا ہے کہ بات کرنا جائز ہے اس طرح کہ وہ خیال کرے کہ نماز کو اس نے پورا کر لیا ہے یا اس میں بھول گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی تو فرمایا اور تم جانتے ہو کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہو گئے تو میں نے کہا تم اس کو جیسے چاہو بنا لو لیکن کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مدینہ میں عمران بن حصین کی حدیث میں ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں نماز پڑھی تھی اور مدینہ میں مسعود کی حدیث کے بعد ہے تو فرمایا کیوں نہیں تو میں نے کہا کہ پھر تمہارے لئے کسی قسم کی حجت قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ بدر کا واقعہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کے چھ ماہ بعد ہوا تو فرمایا کہ کیا ذوالیدین جس سے تم روایت کرتے ہو وہی ہیں جو بدر میں شہید ہوئے تو میں نے کہا نہیں عمران ان کا نام خرباق بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ چھوٹے تھے یا بتلاتے ہیں کہ دراز دست تھے اور بدر میں جو شہید ہوئے وہ ذوالشمالین تھے اور اگر دونوں ذوالیدین ہوں تو گویا ایک ایسا نام ہوا جو ممکن ہے کہ رسم کے موافق ہو گیا ہو جیسے کہ بہت سے لوگوں کے اسماء ایک ہو جاتے ہیں تو جو لوگ ان کے مذہب کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان میں سے ایک نے کہا تو ہمارے لئے ایک دوسری حجت ہے ہم نے کہا وہ کیا تو کہا کہ معاویہ بن حکم کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے نماز میں بات چیت کی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں انسان کی کوئی بات ٹھیک نہیں تو میں نے کہا کہ یہ دلیل تو تمہارے فائدہ کی نہیں بلکہ تمہارے نقصان کی ہے اور یہ بالکل ابن مسعودؓ کی طرح روایت کرتے ہیں اور وجہ اس میں وہی ہے جو میں نے بیان کیا تو

تو فرمایا کہ اگر تم کہو کہ یہ اس کے خلاف ہے میں نے کہا تو یہ تمہارے حق میں مفید نہیں ہے اور ہم تم سے اس حدیث کی بناء پر کلام کرتے ہیں اگر معاویہؓ کا معاملہ ذوالیدین سے پہلے ہو تو وہ منسوخ ہے اور تمہارے قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ نماز میں بات کرنا ویسے ہی ٹھیک ہو جیسے غیر نماز میں خواہ اس کے ساتھ ہو یا اس کے بعد جیسا کہ تم بیان کرتے ہو انھوں نے بات کرلی اور ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ کلام کرنا نماز میں حرام نہیں ہے اور وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز دہرانے کا حکم دیا ہو تو وہ ذوالیدین کی حدیث کے مثل ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس لئے کہ انھوں نے اپنی حدیث میں بیان کیا کہ انھوں نے عمداً کلام کیا البتہ وہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایسی حالت میں بات کی کہ ان کو معلوم نہ تھا بات کرنا نماز میں حرام ہے تو فرمایا کہ یہاں حدیث میں وہی ہے جو تم نے بیان کیا تو میں نے کہا اگر جیسا کہ میں نے اس کو بیان کیا ہے ویسا ہی ہے تو تمہارے فائدہ کی نہیں بلکہ تمہارے نقصان کی بات ہے اگر ویسے ہی ہو جیسے کہ ہم نے بیان کیا وہ تمہارے لئے مفید نہیں تو فرمایا کہ پھر تم کیا کہتے ہو؟ تو میں نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ یہ ابن مسعود کی حدیث کے مثل ہے اور ذوالیدین کے حدیث کی مخالف نہیں ہے تو فرمایا کہ جس وقت تم نے ذوالیدین کے حدیث کی تفریع کی تو تم نے مخالفت کی میں نے کہا کہ کیا ہم نے ان کی مخالفت اصل میں کی ہے؟ تو فرمایا نہیں لیکن فرع میں۔ تو میں نے کہا کہ پھر آپ نے تو نص میں ان کی مخالفت کی اور جس نے نص میں مخالفت کی تو آپ کے نزدیک اس کا حال اس سے برا ہے جس کی نظر کمزور ہو اور تفریع میں غلطی کرے انھوں نے فرمایا ہاں اور ہر ایک معذور نہیں ہے تو میں نے ان سے کہا کہ پھر آپ نے تو اصل و فرع دونوں میں ان کی مخالفت کی لیکن ہم نے تو اس کی فرع اور اصل میں ایک حرف کی بھی مخالفت نہیں کی تو اس کے اختلاف کی تم پر ذمہ داری ہے اور تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم نے اس میں ان کی مخالفت کی حالانکہ ہم نے ان کی مخالفت نہیں کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں تم سے ایک سوال پوچھتا ہوں تاکہ مجھے علم ہو جائے کہ تم نے اس کی مخالفت کی یا نہیں؟ میں نے کہا پوچھئے تو فرمایا تم اس امام کے بارے میں کیا کہتے ہو جو دو رکعت پڑھکر نماز ختم کردے اور جن لوگوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی ان میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم نے صرف دو رکعت نماز پڑھی اور اس نے دوسروں سے سوال کیا تو دوسروں نے بھی اس کی تصدیق کی تو میں نے کہا کہ جس مقتدی نے امام کو خبر دی اور جنھوں نے گواہی دی کہ اس نے سچ کہا ہے اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ امام نے نماز پوری نہیں پڑھی تو ان کی نماز فاسد ہے تو فرمایا کہ تم تو روایت کرتے ہو کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی اور تم کہتے ہو کہ جو لوگ آپ کے ساتھ تھے انھوں نے بھی نماز پوری کی اگرچہ تم اس کا ذکر حدیث میں نہیں کرتے ہیں نے کہا ہاں تو فرمایا کہ پھر تم نے اسکی مخالفت کی میں نے کہا نہیں لیکن ہمارے امام کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے جدا ہے انھوں نے کہا کہ نماز اور امامت میں ان دونوں کا حال کس طرح جدا ہے ؟ تو میں نے ان سے کہا کہ اللہ عزوجل کے فرائض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یکے بعد دیگرے فرض ہوتے جا رہے تھے تو جو چیز آپ پر فرض نہیں ہوتی تھی وہ آپ پر فرض فرما دیا جاتا تھا اور بعض فرائض میں تخفیف فرما دیتا تھا انھوں نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے تو میں نے کہا کہ ہم اور تم اور کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جب ہی ختم کی جبکہ آپ نے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا ہاں تو میں نے کہا جب آپ نے ایسا کیا تو ذوالیدین یہ نہ جان سکے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکم کی بنا پر نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے اور یہ بات ان کے سوال سے ہی ظاہر تھی جبکہ انھوں نے کہا کہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے اور یہ بات ان کے سوال سے ہی ظاہر تھی جبکہ انھوں نے کہا کہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے تو انھوں نے فرمایا ہاں درست ہے تو میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کا کہنا قبول نہیں کیا اسی لئے تو آپ نے ان کے غیر سے سوال کیا فرمایا بیشک اس پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا اور شخص سے پوچھا تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے اس شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کا کلام نہ سنا ہو تو پھر تو اسی کے مثل ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس سے سوال کیا ہو جس نے ان کا کلام سنا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سنا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اعادہ کیا ہو پس جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا اس نے آپ پر اعادہ کیا تو وہ ذوالیدین کے معنی میں ہوگا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دلیل اپنے قول سے نہیں بتائی اور اس نے نہ جانا کہ نماز کم ہو گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے تو آپ نے اس کو جواب دیا اور اس کا معنی ذوالیدین کے معنے میں ہوں گے کہ ان کا فرض آپ کو جواب دینا تھا کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب انھوں نے خبر دی تو آپ نے ان کے قول کو قبول کر لیا اور نہ آپ نے بات کی نہ انھوں نے بات کی بلکہ اپنی پہلی نماز پر ہی اس نماز کی بنیاد رکھی اور جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اللہ تعالیٰ کے فرائض ختم ہو گئے کہ اس میں ہمیشہ کے لئے نہ زیادتی کا امکان رہا نہ کمی کا تو فرمایا ہاں میں نے کہا یہی ہمارے اور ان کے درمیان فرق ہے تو جو لوگ ان کے پاس اس وقت حاضر تھے کہنے

لگے کہ یہ فرق بین ہے جس کو کوئی عالم رد نہیں کر سکتا فرمایا کہ تمہارے اصحاب میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جب آدمی خود نماز کے بارے میں کلام کرے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی تو میں نے کہا کہ ہم پر اعتراض تو ہمارے ہی قول سے ہوتا ہے نہ کہ ہمارے غیر کے قول سے اور فرمایا اور میں نے تمہارے اکثر شاگردوں سے گفتگو کی تو کسی نے اس سے استدلال نہیں کیا اور انھوں نے کہا کہ عمل اسی پر ہے تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے تم کو بتا دیا کہ عمل کے کوئی معنی نہیں اور نہ ہمارے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہمارے غیر کے قول سے ہو سکتی ہے انھوں نے فرمایا ہاں تو میں نے کہا جب میں تمہارے پاس دلیل نہ ہو اس کو چھوڑ دو اور میں نے ان سے کہا کہ ذوالیدین کے حدیث کی مخالفت میں تم نے غلطی کی حالانکہ اس کا ثبوت تھا اور تم نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ تم نے خیال کیا کہ اور جو اس بات کے قائل ہیں ان کے نزدیک نماز میں کلام اور جماع اور گانا حلال ہے حالانکہ ہم نے اور انھوں نے اس میں سے کسی بات کو جائز نہیں قرار دیا حالانکہ تمہارا یہ خیال ہے کہ نمازی نے جب نماز پوری کرنے کے پہلے سلام پھیر دیا اور اس کو یہ اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے نماز پوری نہیں کی ہے تو اس کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ تمہارا خیال ہے کہ سلام اس کے غیر محل میں کلام ہے اور اگر اس نے اس خیال سے سلام پھیر دیا کہ اس نے نماز کو مکمل کر لیا ہے تو پھر اسی نماز کو پوری کر لے تو اگر تمہارے مخالف اس کے سوا کوئی دلیل نہ ہو تو یہی دلیل تمہارے لئے کافی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ تم حدیث کے خلاف کرنے کو عیب سمجھتے ہو اور تم اکثر اس کے خلاف کرتے ہو۔

اور یہ کتاب پوری کی پوری اسی انداز تشریح و نقد کی واضح تصویر قلب کے سامنے پیش کرتی ہے اور اس زمانہ میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں اس کتاب سے زیادہ کوئی کتاب ہم کو اپنی طرف عمیق مطالعہ کی دعوت نہیں دیتی۔

اس کتاب کے ساتھ چند اور کتابیں بھی ملحق کر دی گئی ہیں جس میں ایک کتاب وہ بھی ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کے اختلافی مسائل درج ہیں اور اس کی اصل ابو یوسفؒ کی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

اور ان میں ایک کتاب علیؓ اور ابن مسعودؓ کے اختلافی مسائل کی ہے اس کتاب میں امام شافعیؒ نے ان مسائل کا ذکر ہے جن میں ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں نے عراق کے صحابی ایمہ سے اختلاف کیا ہے جو علیؓ و ابن مسعودؓ ہیں۔

اور کتاب ام میں ذکر کیا ہے کہ اس کا نام "اختلاف علیؓ و ابن مسعودؓ" رکھنا غلط ہے اور اپنی فہرست

میں ابن ندیم نے اس کا نام یوں رکھا ہے" وہ مسائل جس میں عراقیوں نے علیؓ و عبداللہؓ سے اختلاف کیا ہے" اور یہی ٹھیک ہے۔

اور اسی میں ایک کتاب "اختلاف مالکؒ و شافعیؒ" ہے اور یہ کتاب عمل بالسنت سے ہے اس میں امام مالکؒ کے شاگردوں سے مناظرہ ہے کیونکہ انھوں نے حدیث کی تائید کے لئے ائمہ کے عمل کو شرط قرار دیا ہے اور امام شافعیؒ کی رائے کی تائید کی ہے کہ جب ثقہ نے ثقہ سے حدیث بیان کردی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کا سلسلہ پہونچا دیا تو وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو ہم اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک کہ ہم کو کوئی حدیث ایسی نہ مل جائے جس سے اس حدیث کا خلاف معلوم ہو اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث آپ سے اس کی مخالفت میں نہ ملے اور اس سے کمتر شخص کسی ایسی حدیث کی روایت کرے جو اس کی موافق ہو تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی حدیث میں کسی قوت کا اضافہ نہیں ہوتا وہ خود بنفسہ مستغنی ہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم درجہ کے شخص کی حدیث ایسی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث کی مخالفت کرتی ہے تو ہم اس کی مخالفت کی طرف توجہ نہیں کریں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور جس سے روایت کی گئی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل کیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے تو میں انشاء اللہ اس کا اتباع کروں گا ـــــ اس کے بعد اس اصل کی مخالف انھوں نے اس کی تفصیل کی ہے کہ امام مالکؒ نے اس اصل پر جو مخالفت کی ہے اس پر اعتراض کیا ہے اور ان سے اس بارہ میں بحث کی ہے۔

اور اسی میں سے ایک کتاب "جماع علم" ہے اور اس میں حدیث اور عمل بالحدیث کی تائید کی ہے۔

اور اسی میں کتاب "ابطال استحسان" ہے جس میں فقہاء اہل عراق پر ان کے قول "استحسان" کی تردید کی ہے۔

اور اسی میں سے ایک کتاب امام محمد بن حسن پر رد میں ہے اور اس کی اصل وہ کتاب ہے جس میں امام محمد بن حسن نے اہل مدینہ پر رد کیا ہے اور شافعیؒ نے ان کی طرف سے جوابات دئے ہیں جس میں شافعیؒ نے محمدؒ بن حسن پر ان مناظرات میں جو ان دونوں کے درمیان اس کتاب میں درج ہیں یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ وہ ہمیشہ کتاب میں یہ لکھتے ہیں کہ "اہل مدینہ نے ایسا کہا" حالانکہ وہ

قول تمام اہل مدینہ کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ امام مالکؒ بن انس کا قول ہے اور اکثر اہل مدینہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

ایک کتاب سیر اوزاعی ہے اور اس کی اصل ابو یوسفؒ کی وہ کتاب ہے جس میں اوزاعیؒ پر انھوں نے اعتراض کیا ہے اور شافعیؒ نے اوزاعیؒ کی طرف سے جواب دیا ہے اس کتاب کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اور شافعیؒ کی کتابوں میں عظیم الشان اور سب سے بڑی تصنیف "اختلاف الحدیث" ہے جس کو شافعیؒ نے سنت کی حمایت میں عموماً اور خبر واحد کی حمایت میں خصوصاً لکھا ہے اور اس میں اختلاف حدیث پر بحث کی ہے اور یہ کتاب ان لوگوں کا رد کرتی ہے جنھوں نے مطلقاً سنت کو رد کیا ہے یا حدیث پر عمل کے لئے راوی کے ثقہ ہونے کے علاوہ اور شرطیں لگائی ہیں اس کتاب میں امام شافعیؒ نے اولاً اس اختلاف پر بحث کی ہے جو ہر مروی فعل کے مباح ہونے کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ وضو کیا اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے دو دو مرتبہ وضو کیا اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے تین تین بار وضو کیا ایسی حدیثیں بکثرت مروی ہیں پھر ان احادیث کا ذکر کیا جو ایک دوسری کی ناسخ ہیں اور وہ احادیث ذکر کی ہیں جو ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں اور بہت سی باتیں جو شریعت کے قواعد بنانے میں سنت کے معاملہ میں زیادہ مفید ہیں یہ کتاب بیش بہا مناظرات پر بھی مشتمل ہے جو انھوں نے اپنے مخالفین خصوصاً امام محمد بن حسنؒ کے ساتھ جو مناظرے کئے ہیں وہ اس میں درج ہیں۔ ان کی ایک کتاب مسند ہے جس میں وہ احادیث درج ہیں جو "کتاب الام" کا ماخذ ہیں۔

اور حرملہ بن یحییٰ کی بھی ایک کتاب فقہ میں ہے جس کو امام شافعیؒ نے لکھوایا ہے اور البویطی کی ایک کتاب مختصر کبیر اور مختصر صغیر اور کتاب الفرائض ہے اور مزنی کے بھی دو مختصر ہیں ایک تو مختصر کبیر جو متروک ہے دوسری مختصر صغیر جس پر شافعیؒ کے شاگردوں کا اعتماد ہے اور اسی کو پڑھا کرتے تھے اور اسی کی شرح کیا کرتے تھے اس کی مختلف روایات ہیں۔

اور انہی کی دو جامع ہیں ایک جامع کبیر دوسری جامع صغیر اور اس کے علاوہ اور کتب بھی ہیں۔

اور شافعیؒ کے شاگردوں کے مقلدین میں جن لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں ان میں ابو اسحٰق ابراہیم

بن احمد مروزی شاگرد مزنیؒ ہیں جنھوں نے مختصر مزنی کی دو شرحیں لکھی ہیں اور ان کی ایک کتاب فصول فی معرفۃ الاصول ہے اور کتاب الشروط والوثائق ہے اور کتاب وصایا و حساب الدور اور کتاب خصوص وعموم بھی اُن کی تصانیف ہیں۔

اور ابن سریج نے ایک کتاب امام محمد بن حسن اور عیسی بن ابان کی رد میں لکھی ہے اور ان کی ایک کتاب التقریب بین المزنی والشافعی ہے اور ایک کتاب فقہ میں مختصر بھی ہے۔

اور ابی بکر محمد بن عبداللہ صیرفی (المتوفی ۳۳۰ھ) کی ایک کتاب البیان فی دلائل الاعلام علی اصول الاحکام ہے اور رسالہ شافعی کی شرح اور کتاب الفرائض ہے۔

اور جن شافعی حضرات نے اس دور میں کتابیں لکھی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں مگر ہم ان کی کتابوں پر زیادہ واقفیت حاصل نہیں کر سکے۔

اور دوسرے مذاہب کی کتب کا ذکر ہم نے ان کے ائمہ کے اور ان کے قابل ذکر لوگوں کے ذکر کے ساتھ کر دیا ہے کیونکہ ہم نے اس میں سے کوئی کتاب نہیں دیکھی ہے۔

پانچواں دور

چوتھی صدی کی ابتدا سے سلطنت عباسیہ کے زوال تک

یہ دور خاص خاص مذاہب کی پابندی اور ان کی تائید اور مناظرہ وجدال کی اشاعت کا زمانہ ہے

سیاسی پس منظر

اس دور میں اسلامی سلطنتوں کے سیاسی تعلقات منقطع ہو گئے چنانچہ اگر تم مغرب سے اس کی ابتدا کرو تو اندلس میں بنی امیہ کو پاؤ گے جن کا پیشوا عبدالرحمٰن ناصر ہے جس نے دولت عباسیہ کی کمزوری کو دیکھ کر امیرالمومنین کا لقب اختیار کر لیا' اور شمال افریقہ میں شیعہ اسماعیلیہ کو پاؤ گے کہ جنھوں نے ایک سلطنت کی بنیا عبیداللہ مہدی فاطمی کے نام سے رکھدی ہے جو امیرالمومنین کہلاتے ہیں اور جنھوں نے اپنا دارالخلافہ تونس کے قریب شہر "مہدیہ" کو بنایا اور مصر میں محمد اخشید کو پاؤ گے جو بنی عباس کے لئے دعوت دے رہا ہے اور موصل وحلب میں بنی حمدان کو پاؤ گے کہ وہ بھی اسی طرح بنی عباس کی دعوت دے رہے ہیں اور یمن میں شیعہ زیدیہ کو پاؤ گے جنھوں نے وہاں مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے ہیں اور بغداد میں دولت دیلم پاؤ گے جو دولت بنی بویہ کے نام سے مشہور تھی جو عملاً صاحب اختیار تو خود ہے لیکن بنی عباس کا صرف نام ہی نام ہے اور مشرق میں دولت سامانیہ کو پاؤ گے جو ایک عظیم الشان سلطنت تھی جس کا دارالخلافہ ماوراء النہر میں بخارا تھا اس طرح تمام عالم اسلامی کے جوڑ کٹے ہوئے ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے جن کی کوئی سیاسی شیرازہ بندی نہ تھی۔ متغلبین میں سے ہر ایک فریق دوسرے کا دشمن تھا اور اس کے لئے مکروفریب سے کام لیتا تھا سب سے بڑے مکروفریب اور داؤ پیچ بغداد میں مغلوب بنی عباس کے اور فاطمین کے ساتھ ہوتے تھے جن کا مرکز شام اور مصر پر ان کے قبضہ سے قوی ہو گیا تھا یہ لوگ تو اپنے مبلغین اطراف عالم اسلامی میں اپنی دعوت کے پھیلانے کے لئے نہایت مستعدی سے بھیجا کرتے تھے اور بنو العباس اپنی مجلسوں میں فاطمین کے نسب

پر طعن کرتے اور شجرہ فاطمہ زہرا رسے ان کو خارج کرنے کے لئے محضرنامے لکھوایا کرتے تھے جس پر اشراف اور علماء کے طوعاً وکرہاً دستخط کرایا کرتے تھے اور بنو بویہ صاحب اقتدار تھے اور اگرچہ شیعہ تھے لیکن انھوں نے بنی عباس کو باقی رکھا تاکہ ان کا اقتدار سلامتی سے باقی رہے کیونکہ اگر وہ خلافت کو علوبیین کی طرف منتقل کرتے تو ان کا اقتدار ختم ہوجاتا اس لئے کہ عقیدہ کے لحاظ سے ان کو علوبیین کے ماتحت رہنا پڑتا اور اس طرح سیاست عقیدہ پر غالب آگئی اور تھوڑا بھی زمانہ نہ گزرا تھا کہ مشرق سے آل سلجوق حرکت میں آئے جو اس بات کی نشانی تھی کہ اب حکومت ترکی عنصر کی طرف منتقل ہو رہی ہے چنانچہ سلجوقیوں کے سامنے جس قدر متغلبین آئے انھوں نے ان کو پامال کردیا اور تمام مشرق پر قابض ہوگئے اور بغداد سے بنی بویہ کی حکومت ختم کردی اور ان کے قائم مقام ہو کر بنی عباس کو انھوں نے بھی قائم رکھا کیونکہ تشیع میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا پھر ان کا تسلط بغداد کے مغربی حصہ پر بھی ہوگیا پھر وہ جزیرہ اور وسط ایشیا پر قابض ہوگئے پھر انھوں نے فاطمیین سے ملک شام لے لیا اور تمام اسلامی ممالک میں علاوہ مصر کے اور اس کے عقب میں بلاد مغرب کے ان کا کلمہ بلند ہوگیا اور جب ان میں بھی اختلاف پھیلنے لگا تو وہ بھی آپس میں لڑنے لگے اور اختلاف ہی ان قدیم امراض میں سے ہے جو اجسام بیوت مالکہ کو لگا کرتا ہے اور مصریوں کے ساتھ بلاد شام میں یہی جنگ اور ضعف ان میں صلیبی ہوا پھیلنے کا سبب بنا کہ وہ پانچویں صدی کے آخر میں اٹھے اور بیت المقدس پر غالب ہوگئے اور وہ وہیں تک نہیں ٹھیرے رہے جیسا کہ ان جنگوں کی تاریخ میں مشہور ہے۔

بہرحال سلجوقیوں کی جماعت کے منتشر ہوتے ہی ان کے بعد دوسری ترکی حکومت قائم ہوگئی جو دولت اتابکیہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ ان خاندانوں سے تھی جو سلجوقیوں کی طرف منسوب ہیں کیونکہ اس کے روسا سلجوقیوں کے قائد اور ان کے لڑکوں کے مربی تھے اسی لئے ان کو اتابک کہا جاتا تھا اور حکومت اتابکیہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی اور انہی کی نسلوں میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر جس کا نام محمود نورالدین تھا دولت مصریہ فاطمیہ کا خاتمہ ہوا اور مصر پر دوبارہ دعوت عباسیہ غالب آگئی اور اس کے بعد ہی دولت صلاح الدین یوسف بن ایوب قائم ہوگئی جو محمود نورالدین کا سپہ سالار تھا۔

لیکن اقصی مشرق میں چھٹی صدی کے آخر میں خوارزم شاہ کی حکومت قائم ہوئی اور اس قدر باعظمت ہوگئی کہ بغداد کے قریب تک پہونچ گئی۔ تھوڑے ہی زمانے کے بعد یہ عظیم الشان دیوار بھی ٹوٹ

گئی اور مغلوں کا بے پناہ سیلاب امنڈ آیا ان کا سالار اور وحدت تاتار کا بانی چنگیز خاں تھا اس تاتاری سیلاب نے ساتویں صدی کے شروع میں ہر اس طاقت کو جو ان کی راہ میں حائل ہوئی ختم کردیا۔ چنگیز خاں کو اس کی پوری پوری امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ آخر کار پوری دنیا اس کے اور اس کی اولاد کے زیرنگیں آجائے گی اس لئے اس نے پوری دنیا کو چار حصوں میں اپنے چاروں لڑکوں کے درمیان تقسیم کردیا۔

لہٰذا اس نے اپنے ایک بیٹے شجطائی کو مغربی حصہ دریا تک دے دیا اور دوسرے بیٹے تولی کو مشرقی حصہ چین تک دے دیا اور شمال اپنے تیسرے بیٹے جوجی کو دے دیا اور اپنی اصلی سلطنت اپنے بیٹے اوجطائی کو دے دی۔

اور اس طرح اس نے یہ حساب لگایا کہ اس کے بیٹے اقصیٰ مشرق میں سواحل چین سے اور اقصیٰ مغرب میں بحر روم کے سواحل تک مالک بن جائیں گے۔

اس پر زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ ہلاکو خاں چنگیز خاں کا پوتا بغداد میں اس کی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا جو عالم اسلامی کا دار الخلافہ تھا اور اس نے آخری عباسی خلیفہ کو جس کا نام اکثر اسلامی منبروں پر لیا جاتا تھا قتل کیا اور تمام ہلاکت و خرابی کے بعد بغداد ایک ایسی حکومت کا دار السلطنت بن گیا جس کا کوئی آسمانی مذہب نہیں تھا جس کے قوانین خود اس کے دادا چنگیز خان کے وضع کئے ہوئے تھے جو "کاسہ" کے نام سے مشہور تھے اور یہ تاریخ اسلامی قدیم تاریخ اور تاریخ اوسط کے درمیان حد فاصل سمجھی جاتی ہے اور اس زمانہ میں مصر میں دولت ایوبیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ان کی جگہ صالح نجم الدین کی مدد سے ترکی نسل کے غلاموں نے لیلی تھی۔

چنانچہ ان کے چوتھے بادشاہ ملک ظاہر بیبرس بندقداری نے عباسیوں کی نسل میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلی جو اس کے زمانہ میں مصر سے آیا تھا اور اس نے اس کو عباسی خلیفہ تسلیم کیا اور اس خلیفہ نے اس کو مصر کا اور اس کے ملحقات کا بادشاہ قرار دیا اور اسی وقت سے قاہرہ نے بغداد کی جگہ لیلی جس میں ایک برائے نام عباسی خلیفہ تھا اور ایک سلطان جو صاحب حکم تھا جیسا کہ بنی بویہ و آل سلجوق کے زمانہ میں بغداد کا حال تھا۔

اس زمانہ میں اسلامی سیاسی صورت حال کا یہ ایک مختصر سا ڈھانچہ تھا۔ لیکن علمی حالت ان انقلابات میں سیاسی حالات کے تابع نہ رہے بلکہ وہ ترقی کرتے رہے خصوصاً مشرق میں سلجوقیوں کے زمانے میں اور مصر میں فاطمی حکومت کے زمانے میں کہ اس میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور عظیم الشان

مفکر بیدار ہوئے اور شریعت اسلامی میں ان کے وہ کارنامے ہیں جن کو ہم آیندہ امتیازات کے سلسلہ میں تفصیل وار بتایئں گے۔ البتہ اس کا اعتراف ضروری ہے کہ شریعت میں استقلال کی رُوح سیاسی ضعف کی وجہ سے کمزور ہوتی گئی۔ اور وہ رُوح عالیہ جو امام ابی حنیفہ رح امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ داؤد ابن علیؒ و محمد بن جریر طبریؒ اور ان کے ساتھیوں میں کام کر رہی تھی۔ اس میں سے بجز معمولی اثرات کے کچھ باقی نہ رہا وہ رُوح جو ابی حنیفہ رح میں کام کر رہی تھی اور انہوں نے اپنے اسلاف کے متعلق یہ کہنا سکھایا تھا کہ وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں اور وہ رُوح جو مالکؒ میں کام کر رہی تھی جنھوں نے کہا کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ذات ایسی نہیں کہ جس کے قول کو ہم قبول کریں یا رَد کریں اور ان کے غیروں میں بھی جو رُوح کام کر رہی تھی جس کی بنا پر وہ اسی قسم کے اقوال کہتے تھے ان کی جگہ وہ رُوح آگئی جس کو ہم رُوح تقلید کا نام دیتے ہیں۔

۱- روح تقلید

تقلید سے ہماری مُراد کسی معین امام کے احکام کو لینا اور اس کے اقوال کا ایسا اعتبار کرنا گویا کہ وہ شارع کے نصوص ہیں جس کا اتباع مقلّد کے لئے لازمی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ گذشتہ ہر دَور میں مجتہد اور مقلّد موجود تھے۔ مجتہد وہی فقہاء ہوتے تھے جو کتاب وسنّت کو پڑھتے تھے اور ان کو اتنی قُدرت ہوتی تھی کہ ظاہری نصوص یا اس کے مفہوم سے احکام کا استنباط کر لیتے اور مقلد وہ عام لوگ ہوتے جو کتاب اور سنت کی تعلیم میں ایسے مشغول نہ ہوتے جس سے وہ استنباط کے اہل ہوسکیں اسی لئے ان لوگوں کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اپنے شہر کے فقہاء میں سے کسی ایک فقیہ کے پاس جانے پر مجبور ہوتے جو ان کے پُوچھنے پر فتویٰ دیتا لیکن اس زمانہ میں رُوح تقلید عام طور پر جاری ہوگئی اور اس میں جمہور کے علاوہ علماء بھی شریک ہوگئے۔ حالانکہ پہلے ایسا نہ تھا بلکہ جو فقہ کی معلومات حاصل کرنا چاہتا از راہ بعید اور احادیث کی روایات پڑھنے کی کوشش کرتا جو استنباط کی بنیاد ہیں لیکن اس زمانہ میں معین امام کی کتابیں پڑھنے لگے اور اس کا وہ طریقہ معلوم کرنے لگے جس کے ذریعہ اس نے مذموم احکام کا استنباط کیا تھا جب وہ اس کام سے فارغ ہولیتا تو وہ علماء فقہاء سے ہو جاتا تھا اور ان میں سے بعض جواں ہمّت لوگ اپنے امام کے احکام کی کتابیں بھی مرتب کرتے یا تو کتاب کا اختصار کرتے جو اس کے پہلے کسی نے لکھدی یا اس کی شرح یا جو متفرق کتابوں میں ہے اس کا مجموعہ اور

ان میں سے کوئی بھی اپنے کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں کوئی ایسا قول کہدے جو اس فتوے کے مخالف ہو اس کے امام نے دیا ہو گویا کہ حق اسی کے امام کی زبان اور دل پر اُترا ہے یہاں تک کہ اس زمانے میں فقہا حنفیہ کے سرگروہ اور بلا اختلاف ان کا امام یعنی ابوالحسن عبیداللہ الکرخی انہوں نے کہا کہ ہر وہ آیت جس کی ہمارے اصحاب مخالفت کرتے ہیں یا تو تاویل شدہ ہے یا منسوخ اور اس طرح سے انہوں نے اپنے سامنے اختیار کے دروازے بند کرلئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس دَور کے فقہا میں جلیل القدر ایمہ بھی تھے جن میں سے بعض کا ذکر عنقریب آئے گا جن کے متعلق ہم یہ گمان نہیں کرسکتے کہ وہ اصول فقہ کے جاننے اور طریقہائے استنباط کے معلوم کرنے میں اپنے اسلاف سے کم تھے لیکن ان کے پاس وہ آزادی نہ تھی جس سے ان کے اسلاف نے فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ امام شافعی رح کو یہ آزادی تھی کہ جو رائے وہ آج کہہ سکتے تھے تو کل اگر اس کے خلاف ان کو کوئی دلیل مل گئی تو اس کے بدلنے میں ان کو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی طرح ان کے دیگر بھائی ایمہ اور اسی طرح ان کے اسلاف صحابہ و تابعین کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک سال یہ فیصلہ کیا کہ حقیقی بھائی اخیافی بھائی اور ماں اور شوہر کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہیں تو دوسرے سال تمام بھائیوں کو ثلث مال میں شریک کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ فیصلہ ہم نے کیا تھا جو پہلے حالات کے لحاظ سے صحیح تھا اور اب جو فیصلہ کر رہے ہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن اس دَور کے علماء نے ایک معین مذہب اختیار کر لیا ہے کہ وہ اس سے تجاوز نہیں کرسکتا اور اس کو جو کچھ قدرت حاصل ہے وہ اس مذہب کی مدد میں اجمالاً و تفصیلاً صرف کر رہا ہے۔ باوجودیکہ ان نونہالوں کے دل میں کسی امام کے متعلق اپنے اجتہاد میں معصوم ہونے کے ثبوت کا خیال بھی نہیں گزرا بلکہ خود یہ ائمہ ان سے خطا کے سرزد ہونے کا اعتراف کرتے تھے اور اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ ممکن ہے کوئی حدیث ایسی ہو جس پر وہ اطلاع نہ پا سکے ہوں حتیٰ کہ اکثر ائمہ سے یہ قول منقول ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو اس کو ہمارا مذہب سمجھو اور ہمارے قول کو دیوار پر مار دو لیکن اس کے باوجود کرخی کا یہ قول ہے کہ ہر وہ حدیث جس کی ہمارے اصحاب مخالفت کرتے ہیں یا تو تاویل شدہ ہے یا منسوخ اور میں نے ابن سبکی کے حالات میں دیکھا ہے جو ابی محمد عبداللہ بن یوسف جوینی والد امام حرمین نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب شروع کی جس کا نام محیط تھا جس میں انہوں نے یہ عزم کیا تھا کہ کسی خاص مذہب سے بنو مقید نہ رکھیں گے۔ صرف احادیث کے پابند ہوں گے اور اس سے تجاوز نہ کریں گے اور مذاہب میں سے کسی کی حمایت یا

جانب داری اختیار نہ کریں گے اس کے تین اجزا حافظ ابو بکر بیہقی کو مل گئے تو اس پر انھوں نے تنقید کی
اچھا خاصا امام حدیث پیش کرکے بتایا کہ حدیث پر عمل کرنے والے شافعیؒ ہیں اور یہ کہ جن احادیث کو
شیخ ابو محمد نے پیش کیا ہے اس کو انھوں نے ان علل کی بنا پر چھوڑا ہے جس کو وہی شخص جان سکتا ہے
جو محدثین کے فن سے اچھی طرح واقف ہو جب یہ رسالہ شیخ ابو محمد کو ملا تو فرمایا کہ یہ علم کی برکت ہے اور
بیہقی کے لئے دعا کی اور تصنیف کو مکمل کرنے کا خیال ترک کر دیا پھر ابن السبکی نے بیہقیؒ کے رسالہ کو
پورا نقل کیا ہے امام شافعیؒ اس اعتراض پر توجہ کرتے تو اپنے لئے اجتہاد نہ کرتے کیونکہ وہ احادیث
کی صحت میں ان رجال حدیث پر اعتماد کرتے تھے جو صرف اسی کے لئے مخصوص ہو گئے تھے جو اس
کے صحیح اور سقیم میں فرق کر سکتے تھے اور جو بحث نے جس کتاب کو شروع کیا تھا اس کے چھوڑنے کا
سبب وہ نہیں ہو سکتا جس کو بیہقی نے بیان کیا ہے جبکہ ان کو استنباط پر قدرت بھی اور ان کا
نفس استقلال پر مطمئن ہو، لہذا اس روح تقلید کے سرایت کرنے کے لئے کچھ اسباب ہونے چاہئیں
جن میں سے ہم جس قدر معلوم کر سکے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

(پہلا باب) شاگردان رشیدین، کسی عالم کی روح جمہور کے دلوں میں سرایت کرنے کا سبب اس سے
زیادہ قوی نہیں ہو سکتا کہ اس کے شاگرد قوی ہوں اور اس کے طریقے سے متاثر ہو چکے ہوں اور
جمہور کے نزدیک ان کی قدر و منزلت امام کے طریقہ سے متاثر ہونے کی اس طرح پر ہو کہ ان کو تعجب
کی حد تک پہنچا دے اس کے احکام کی تدوین کرتے ہوں اور اس کی طرف سے مدافعت کرتے ہوں
اور جمہور کے پاس ان کا درجہ ایسا ہو کہ ان سے احکام کے قبول کرنے اور ان کے فتاوی پر عمل
کرنے کی دعوت دے کیونکہ جمہور اس بات کے لئے مجبور ہیں کہ ان کے ایسے ائمہ ہوں جن پر وہ اعتماد
کر سکیں اور وہ ان سے احکام شریعت حاصل کر سکیں اور ان مشہور ائمہ کو جن کے مذاہب باقی ہیں
ان کو یہ موقع مل گیا کہ ان کے شاگرد اونچے درجہ کے ہوئے اور واضح حجت والے تھے اور قوم ملت
اور بادشاہوں کی نظروں میں وہ اعلیٰ مراتب رکھتے تھے انھوں نے اپنے ائمہ سے جن احکام کو حاصل
کیا ان کو مدون کیا اور ان سے ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد نے حاصل کیا جس کو انھوں نے ان
لوگوں میں پھیلا دیا جو ان سے فتوی طلب کرنے والوں میں ثقہ تھے اور ان ائمہ کے شاگردوں پر بادشاہ
کے اعتبار نے ان کو قضاء کا متولی بنا دیا کہ قضاۃ کے لئے ان کو مشورہ دیتے تھے اور وہ بجز ان کے
جن پر ان کو اعتبار تھا اور کسی کے متعلق رائے نہ دیتے تھے اور سب سے زیادہ قابل بھروسہ وہی شخص
ہو سکتا ہے جو تم سے متاثر ہو اور اس کی رائے تمہاری رائے کے موافق ہو اس لئے یہ معاملہ بڑا

موثر رہا مذہب کی بنیاد مضبوط کرنے کے لئے جس مذہب کو اس قسم کے شاگرد ملے انھوں نے اس مذہب کی بنیاد مضبوط کردی اور ان ائمہ کے ذریعہ جمہور کے قلوب میں اعتبار راسخ ہوگیا تو پھر اس کے بعد مشکل ہوگیا کہ کوئی شخص نیا مذہب قائم کرے جو لوگوں کو اپنے اتباع کی دعوت دے کیونکہ وہ اس کو جماعت سے خارج سمجھتے تھے اور جب حسد پیدا ہوتا تو اس کے حریف اس کے ساتھ کس کس قسم کے حیلے اور چالیں اختیار کرتے تھے جو قابل بیان تھے اور یہ ایک قابل افسوس بات اور یہ ایسا سبب ہے کہ جس کی آگ کسی زمانہ میں نہیں بجھی اسی لئے ہم کوئی فقیہ جس نے اجتہاد کا درجہ حاصل کیا ہو نظر نہیں آتا جو اس لباس میں ظاہر نہ ہوا بلکہ اجتہاد رجہ پر وہ کسی ایک مذہب کا مجتہد ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس جو مسائل آئیں اور اس میں اس کے امام کا حکم موجود نہ ہو تو وہ اس میں فتویٰ دے یا کسی مسئلہ میں اپنے امام کی دو روایتوں میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دے اور اس دور میں اس قسم کے لوگ بہت تھے۔

(دوسرا سبب) قضات ہے خلفاء اپنے قاضی گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں کو بنایا کرتے تھے جن میں قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نظر آتا تھا اور ان سے احکام کے استنباط کی ان میں قدرت سمجھتے تھے اور ان سے یہ عہد لے لیتے کہ جس معاملہ میں نص موجود ہو سب سے پہلے اس پر عمل کریں گے یا اس رائے پر جو ان نصوص سے قریب ہو عمل کریں چنانچہ عمرؓ نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ۔

"قضا نام ہے محکم فرض کا یا سنت متبعہ کا" اس لئے جو چیز کتاب و سنت میں نہیں ہے جب اس کے متعلق تمہارے دل میں تردد ہو تو اس نظائر و امثال سے پہچانو اور قیاس سے کام لو اور ان میں سے جو اقرب الی اللہ ہو اور حق سے مشابہ ہو اس کو اختیار کرو"

اور قاضی کو اگر کسی معاملہ میں کوئی ٹھیک بات نہ معلوم ہوتی تو ان کے شہر میں جو مفتی ہوتے ان سے مشورہ کرتے اور بسا اوقات اپنے خلفاء بعض مسائل میں ان کی رائے لیتے اور جمہور کا اعتماد ان قضاۃ پر بہت تھا لیکن افراد و زمانہ کے باعث حالت اجتماعیہ میں تغیر پیدا ہوگیا تو ایسے قضاۃ بھی پائے گئے جن پر یہ اعتماد باقی نہ رہا یا ان کے شہر میں ایسے علماء پیدا ہو گئے جن میں فتویٰ طلب کرنے والوں کو اپنے قاضیوں میں جو غلطیاں نظر آتی تھیں جس کی وجہ سے ان کا اعتماد ضعیف ہوگیا ابن ابی لیلیٰ قاضی کوفہ کو ان کے شہر کے فقہاء سے اس قسم کے واقعات پیش آئے اور جب قاضی کے ساتھ جمہور کا اعتماد کم ہوگیا تو ان کے دل میں اس بات کی رغبت پیدا ہونے لگی کہ وہ اپنے فیصلہ میں احکام

معروف کا پابند ہے تاکہ اس کو فوادر پر عمل کرنا آسان نہ رہے کہ کبھی اپنے مقصد کے موافق کسی مفتی کی رائے پر عمل کرلے اور کبھی کسی دوسرے مفتی کی رائے پر عمل کرے جو اس کا مخالف ہو اور اس کے ساتھ ہی مجتہدین کی پیروی کرنے والوں نے اپنے امام سے جو احکام حاصل کئے تھے اس کو مدون کر دیا اور اسلامی شہروں میں سے ہر شہر میں شاگردوں کی مستعدی نے اس کی خوب اشاعت کی لہٰذا لوگ اس بات کی طرف مائل ہونے لگے کہ ان کا قاضی مشہور مذہب کا ہو کہ وہ اپنی قضاءت میں اس کا اتباع کرے اور اس سے تجاوز نہ کرے اور یہ کہ وہ مذہب مدون ہو اور معروف ہو اور اس طریقہ سے ان مذاہب کا خاتمہ ہو گیا جس کے پیروؤں نے اس کی تدوین و تہذیب کی طرف توجہ نہیں کی تاکہ اس کا اختیار کرنا آسان ہو سکے اور جب ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی کسی حاکم یا بادشاہ نے تقلید کی اور قضاۃ اور عہدۂ قضا اس مذہب کے ماننے والے پر محدود کر دیا تو اس کے پھیلنے کا یہ بھی ایک سبب عظیم بن گیا اور اسی سبب سے اس مذہب کے علماء زیادہ پیدا ہوئے جیسے کہ امام شافعیؒ کے مذہب کے لئے بلاد مشرق میں محمود بن سبکتگین اور نظام الملک اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب کی حمایت حاصل ہوئی اور جیسے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے لئے ترکی عنصر کی مدد شامل حال ہوئی کہ ان میں کوئی علاوہ حنفی مذہب کے کوئی مذہب قبول نہ کرتا تھا اور جب کوئی سردار یا صاحب اقتدار شخص کسی مدرسہ کو قائم کرتا تھا یا کئی مدارس قائم کرتا اور ان میں کسی مذہب کی یا معینہ مذاہب کی تدریس کو محدود کر دیتا تو یہ اس کا نیا مددگار ہوتا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے رسالہ "انصاف فی بیان سبب الاختلاف" میں بیقنی کے شاگرد ابو زرعہ کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے اپنے استاد امام بیقنی سے پوچھا کہ شیخ تقی الدین سبکی اجتہاد کے درجہ سے کیوں رہ گئے حالانکہ انھوں نے اپنی استعداد مکمل کرلی تھی اور وہ کیوں تقلید کرتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود شیخ بیقنی کا نام نہیں لیا کیونکہ میں اس سے جو اس کا نتیجہ نکالنے والا تھا اس کی وجہ سے مجھے شرم آتی تھی) وہ خاموش رہ گئے تو میں نے ان سے کہا کہ میرے نزدیک ان کے رکنے کا سبب بجز ان وظائف کے کچھ نہ تھا جو فقہاء اربعہ کو ملا کرتے تھے اور یہ کہ جو اس دائرہ سے نکل گیا اور اجتہاد کیا اس کو کچھ نہ ملتا۔ اور وہ ولایت قضاء سے بھی محروم ہو جاتا اور لوگ ان سے فتویٰ پوچھنے بھی نہ آتے اور ان کی طرف بدعت کی نسبت کردی جاتی تو وہ مسکرانے لگے اور مجھ سے اس بات پر اتفاق کیا۔ لیکن باوجودیکہ بیقنی نے اس بات سے اتفاق کرلیا جو ابوزرعہ نے ظاہر کیا مصنف "انصاف" نے اس کی موافقت نہیں کی کیونکہ وہ اس بات

کو بعید سمجھتے تھے جس کا ابوزرعہ نے ذکر کیا کہ ان بزرگوں نے اجتہاد کو چھوڑ دیا تھا اور شرح مہذب میں سیوطی کی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد مطلق اگر کوئی ایسا مجتہد کرے جو کسی امام کی طرف منسوب ہو تو یہ اس انتساب کے منافی نہیں ہے جو کسی امام کی طرف ہو جس کی اس کی طرف نسبت ہو جیسا کہ ابی اسحاق شیرازی اور ابن صباغ اور امام حرمین و غزالی کا تھا اور امام کی طرف نسبت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اجتہاد میں اس کے طریقہ پر چلتا ہے اور دلائل کا استقرا اور بعض کی ترتیب بعض پر اسی کے موافق کرتا ہے اور اس کا اجتہاد پڑجاتا ہے اور کبھی وہ اختلاف کرجاتا ہے تو وہ اختلاف کی پروا نہیں کرتا اور اس کے طریقے سے بجز چند مسائل کے نہیں نکلتا اور یہ اس کے مذہب شافعی میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔

اور یہ بات جس کو شاہ ولی اللہؒ نے نقل کیا ہے وہ ابوزرعہ کے بیان کی صحت کے منافی نہیں ہے اگرچہ کہ ہم اس کو عموماً قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے کہ یہی بات تمام فقہاء کو تقلید پر آمادہ کر رہی ہے۔

(تیسرا سبب) تدوین مذاہب کے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے تو جس مذہب کو مدونین قابل اعتبار مل گئے تھے وہ تو کامیاب ہو گیا اور جمہور نے اس کو قبول کر لیا دیکھو شافعیؒ کا قول کہ لیثؒ مالکؒ سے زیادہ فقیہ تھے مگر ان کے شاگرد ان کے مذہب کو قائم نہ رکھ سکے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے ان کی آراء کو مدون کرنے اور اس کو جمہور میں پھیلانے کی طرف توجہ نہیں کی جیسے کہ وہ خود مالکؒ کے آراء کی تدوین کے لئے کھڑے ہوئے، لیثؒ بن سعد کو فقہ میں کمال حاصل تھا لیکن ان کو اعلیٰ مرتبہ کے شاگرد میسر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا اسی لئے ان کا نام بحیثیت مفتی مجتہد کے مٹ گیا اگرچہ محدثین کی زبانوں پر ان کا نام اس حیثیت سے باقی رہا کہ وہ ایک قابل اعتماد اور ثقہ راوی ہیں، لیثؒ کے مثل بہت سے ائمہ صحابہؓ و تابعین ہیں جن کی رائیں اور ان کے استنباط ان کے بعد کے آنے والوں کے لئے مشعل ہدایت تھے جن کا ہم اس سے قبل تذکرہ کر چکے ہیں۔

اس زمانہ میں علماء کی نسبت ان کے ائمہ کی طرف صرف تقلید محض تک نہ تھی بلکہ ان کے بہت سے ایسے اعمال بھی تھے جو ان کے درجہ کو بلند کرتے اور ان کی شان اونچی ہوتی جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) ان کے ائمہ نے جن احکام کا استنباط کیا تھا ان کی علتوں کے ظاہر کرنے کے لئے ان کا

کھڑا ہونا اور یہی وہ علماء ہیں جن کو علماء تخریج کہا جاتا ہے اور تخریج مناط کا مطلب یہ ہے کہ حکم کی علت سے بحث کی جائے اور علماء حنفیہ کا بکثرت اسمیں شغل رہا کیونکہ بہت سے احکام جس کو انھوں نے اپنے ائمہ سے روایت کیا ہے ان کی علتیں بیان نہیں کی گئی تھیں تو انھوں نے ان اصول کے بیان کرنے میں اجتہاد کیا جس پر ان کے ائمہ نے استنباط کی بنیاد رکھی اور ان علتوں کی تخریج میں علماء مختلف ہیں، اور علت کے بیان کرنے کی وجہ سے وہ ان چیزوں کے متعلق بھی فتوی دیتے ہیں جن کے متعلق ان کے امام کی کوئی تصریح نہیں ہے جب کہ وہ اس علت کو پہچان لیں جس پر اس نے حکم لگایا ہوا اور انہی اصول کا نام انھوں نے اصول فقہ کہا ہے جو ان کی اجتہاد ہے کہ یہ ان کے ائمہ کے اصول ہیں جس پر ان کے استنباط کی بنیاد ہے، اور اسی بات کو میں نے اپنی کتاب موسومہ اصول فقہ میں صراحت کی ہے اس کے بعد پھر میں نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی مذکورہ رسالہ میں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے یہ عبارت ملی فرماتے ہیں۔

اور جاننا چاہیئے کہ میں نے اکثر لوگوں کو پایا ہے کہ امام ابی حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف کی بنیاد (اور اسی پر ابی حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے اختلاف کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے) انہی اصول پر ہے جو بزودی وغیرہ کی کتابوں میں موجود ہیں اور صحیح تو یہ ہے کہ اس کے اکثر اصول ان کے قول پر بنے ہوئے ہیں اور میرے نزدیک تو یہ واتے ہے کہ مسئلہ جس کو خاص ظاہر کیا جاتا ہے اس کو بیان کی ضرورت نہیں اور یہ کہ زیادتی نسخ ہے اور یہ کہ عام خاص کی طرح قطعی ہے اور کثرت روزہ سے ترجیح نہیں ہوتی اور یہ کہ غیر فقیہ کی حدیث پر عمل واجب نہیں اس طرح رائے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور مفہوم شرط اور وصف کا کوئی اعتبار نہیں اور امر کا موجب صرف وجوب ہے اور اسی کے مثل اصول جو ائمہ کے کلام سے نکالے گئے ہیں۔ اور یہ کہ اس سے روایت ابی حنیفہ اور ان کے شاگردوں سے صحیح نہیں اور یہ کہ وہ محفوظ نہیں اور ان کے اوپر جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کے جوابات میں تکلف متقدمین کی ان کے استنباط میں ضعف ہے جیسا کہ اس کو بزودی وغیرہ نے کیا ہے جو محافظت کے زیادہ حقدار ہیں اس کے خلاف ہے اور اس پر جو اعتراض ہو اس کے جواب سے،

پھر موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ان قوائد میں سے ہر قاعدہ کی مثال بتائی اور حنفیہ پر جو

اعتراضات ہوتے ہیں اور ان اعتراضات کے جوابات میں انھوں نے جو تکلف کیا اس کو بیان کیا ہے۔

اور شافعیہ نے اس موضوع پر کم توجہ کی کیونکہ ان کے امام نے اصول کو خود مدوّن کیا اور اپنے اصحاب کو لکھوایا جیسا کہ مالکی اور حنبلی کیا کرتے تھے کیونکہ وہ مناظرہ اور بحث کے میدانوں سے بہت دور رہا کرتے تھے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

(دوم) مذہب میں مختلف رایوں کے درمیان ترجیح، اور یہ ترجیح دو قسم پر ہے۔

(۱) روایت کے لحاظ سے ترجیح (۲) درایت کے لحاظ سے ترجیح۔

روایت کے لحاظ سے ترجیح اس وجہ سے ہے کہ بعض مسائل کے نقل میں ائمہ مذاہب سے بہت اختلاف واقع ہوا کیونکہ ان کے مذہب کی نقل ان سے ایک سے زیادہ اشخاص نے کی ہے جیسے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کو محمدؒ بن حسن نے نقل کیا جن میں سے بعض تو خاص ان سے حاصل کئے ہیں اور بعض امام ابویوسفؒ کے واسطے سے نقل کئے ہیں اور ابویوسفؒ سے امام محمدؒ کے علاوہ اور لوگوں نے بھی جیسے حسنؒ بن زیاد اور عیسیٰؒ بن ابان وغیرہ نے بھی روایت کی ہے اور محمدؒ کی کتب کو بھی اسی طرح ان سے ایک سے زیادہ لوگوں نے نقل کیا ہے اور تم دیکھوگے کہ نقل میں ان کا اختلاف ہے اور اس کی وجہ یا تو بعض نقل کرنے والوں کی غلطی ہے اور یا خود امام کا مسائل میں تردد تھا کہ آج ایک رائے لگاتے ہیں پھر اس کو کل بدل دیتے ہیں اس لئے ہر شخص دوسرے کے مخالف روایت کرتا تھا اسی طرح ہم امام شافعیؒ کو دیکھتے ہیں کہ ان سے ربیع بن سلیمان اور مزنی اور حرملہ اور بویطی وغیرہم نقل کرتے ہیں اور نقل میں بوجہ دونوں اسباب کے اختلاف کرتے ہیں اور اسی طرح امام مالکؒ کہ ان سے ابن القاسم اور ابن وہب اور ابن ماجشون اور اسد بن فرات وغیرہم روایت کرتے ہیں اب علماء کا کام مذاہب کے قرار پانے کے بعد یہ ہو گیا کہ وہ رایوں کا اظہار اس بات پر کریں کہ کون سی روایت زیادہ ترجیح کے قابل ہے تو انھوں نے اس روایت کو ترجیح دی جس پر اعتماد ہونے کی وجہ سے ان کا نفس مطمئن ہو گیا جیسا کہ حنفیہ نے امام محمدؒ کی روایات کو دوسرے اصحاب پر ترجیح دی ہے اور خود امام محمد کی روایتوں میں ان کی کتابوں کو ترجیح دی جن کی روایت اُن سے ثقہ تر جیسے ابی حفص کبیر اور جوزجانی نے کی ہے اور اس کو ظاہر الروایۃ کا نام دیا اور اسی طرح شافعیہ نے اس کو ترجیح دی جس کو ربیع بن سلیمان نے روایت کی ہے حتیٰ کہ ان میں اور مزنی میں کسی بات میں معارضہ ہوتا تو وہ ربیع کی روایت کو مقدم کرتے ہیں

باوجود اس اعتراف کے مزنی کا فقہ میں اونچا درجہ ہے اور وہ فقہ میں ربیع پر ترجیح رکھتے ہیں اور حسو ملہ کی روایت اگر ان دونوں کے خلاف ہوتی ہیں تو اس کو ضعف قرار دیتے ہیں اور اسی طرح مالکیہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جو ابوالقاسم امام مالکؒ سے بیان کریں خود ابن القاسم سے جو روایتیں کی گئی ہیں وہ مختلف ہیں اس لئے وہ راویوں کے قابل اعتماد ہونے کی بنا پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

ترجیح کی دوسری قسم وہ مختلف روایتیں ہیں جو خود ائمہ سے ثابت ہوں یا امام اور اس کے شاگردوں کے اقوال میں ترجیح دی جاتی ہے اور یہ ترجیح یا تو ان فقہاء سے ہوتی ہے جو اپنے ائمہ کے اصول جانتے ہوں اور ان کے استنباط کے طریقوں سے واقف ہوں اس لئے وہ ان اقوال کو ترجیح دیتے ہیں جو ان اصول کے ساتھ متفق ہوں یا جو فقہ کے اصلی دلائل یعنی قرآن وحدیث وقیاس سے قریب ہوں طحاآن ترجیح دینے والوں کی ترجیح میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے اور مذہب میں ترجیح دینے والوں میں اس عالم کا اعتبار ہوتا ہے جس کے اطلاع وقدرت کا اعتراف کیا جائے۔

(سوم) ہر فریق نے اپنے مذہب کی مجملاً اور تفصیلاً نصرۃ وتائید کی اجمالاً یہ کہ اس مذہب کا امام جس قدر وسیع اور ورع صادق، اور حسن استنباط میں کامل تھا اور کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا جس قدر اتباع کرتا تھا اس کی اشاعت کی اور ہر فریق نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے چنانچہ علماء مذہب میں تم ایسے بہت کم پاؤ گے جنھوں نے اپنے امام کی یہ توصیف نہ کی ہو کہ وہ ائمہ کا امام ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس کی ایسی صفات بیان کیں جو اس کو میدان فقہ واستنباط میں شہسوار ثابت کریں اور اس میں بعض نے حد سے تجاوز کیا اور ائمہ مخالفین پر عیوب لگائے لیکن ایسے لوگ زیادہ نہیں ہیں، اور رہا تفصیلاً اس طرح تائید کی کہ ہر اختلافی مسئلہ میں اپنے مذہب کو ترجیح دی اور اس کے لئے اختلافی کتابیں لکھیں جن میں اختلافی مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ہر حالت میں اس امام کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں جس کی طرف وہ منسوب ہوئے لیکن اس میں اکثر اوقات کھلا تکلف ظاہر ہوتا تھا اور دوسری طرف زبانی مناظرات کئے گئے میں عنقریب آپ کے سامنے ایک فصل ان مناظرات کی رکھوں گا کیونکہ اس دور میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔

مناظرے اور جدل کی اشاعت

گزشتہ زمانہ میں بھی مناظرات ہوا کرتے تھے چنانچہ امام شافعیؒ اکثر مناظروں کا ذکر کرتے ہیں جو محمد بن حسن فقیہ عراق اور ان کے درمیان ہوتے تھے لیکن وہ علماء کے درمیان شائع نہ تھے اور اس سے سوائے اس کے اور کوئی غرض نہ تھی کہ حکم صحیح کے استنباط تک پہونچیں اور جب ان پر حق ظاہر ہوجاتا تو وہ فوراً اپنی پہلی رائے سے رجوع کرلیا کرتے کیونکہ وہ اپنی رائے میں آزاد تھے اور ان میں سے کوئی کسی مذہب کا مقید اور پابند نہ تھا اس دور میں مناظرہ کے نتائج اور محرکات کے متعلق حالات بالکل تبدیل ہوگئے۔

اس قسم کے مناظروں کی تعداد کا یہ حال تھا کہ ہر بڑے شہر خصوصاً عراق وخراسان میں مناظروں کی مجلسیں جمتیں جس میں دو بڑے عالم مناظرہ کرتے۔

اور یہ مجلسیں وزراء اور بڑے لوگوں کے سامنے ہوا کرتی تھیں جس میں اکثر اہل علم حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کا انعقاد مجالس عزا میں بھی ہوا کرتا تھا (دیکھو طبقات شافعیہ ذکر شیخ ابواسحاق شیرازی میں)' ابوالولید باجی کہتے ہیں کہ بغداد میں یہ رواج تھا کہ اگر کسی ایسے شخص کی وفات ہوتی جو اس شخص کو عزیز ہوتا تو وہ اپنے گھر کی مسجد میں چند روز کے لئے بیٹھ جاتا جہاں اس کے پڑوسی اور بھائی بند بھی اس کے ساتھ بیٹھتے اور جب کچھ روز گزر جاتے تو اس کی تعزیت ادا کرتے اور اس کو صبر وتسلی دیتے اور اپنے گھر کے کام کاج حسب عادت چلانے کی طرف توجہ دلاتے تھے لیکن جن ایام میں وہ اپنی مسجد میں اپنے بھائی بندوں اور پڑوسیوں کے ساتھ عزلت کے لئے بیٹھتا تو اکثر اوقات یا تو قرآن مجید کی تلاوت کرتا یا مسائل میں فقہاء سے مناظرہ کرتا رہتا۔

مناظرہ کے قواعد میں کتابیں تصنیف کی گئیں اور اس کا نام علم آداب بحث رکھا گیا اور مناظرہ کی مجلسیں اولاً علم کلام میں ہوا کرتی تھیں حتی کہ اس نے ان کو فاحش تعصبات بالکل کھلی ہوئی دشمنیوں اور خون بہانے اور شہروں کے برباد کرنے تک پہنچا دیا جس کی وجہ سے بعض امراء نے فقہ میں مناظرہ کی طرف توجہ کی اور اس بات کا مناظرہ شروع کرایا کہ شافعی اور ابی حنیفہ کے مذہب میں سے کونسا مذہب اولیٰ ہے چنانچہ لوگوں نے علم کلام پر مناظرہ ختم کردیا اور فنون علم پر بحث چھوڑ دی اور خصوصیت کے ساتھ امام شافعی اور امام ابی حنیفہ رحمہم اللہ کے اختلافی مسائل پر بحث شروع کردی اور امام مالکؒ اور سفیان اور امام احمد رحمہم اللہ کے اختلافات کو چھوڑ دیا۔

لیکن ان کا اصل محرک امراء کے خواہشات کی پابندی اور خوشنودی تھی اگرچہ ان میں سے اکثر اپنے نفس کو یہ دھوکہ دیتے تھے کہ ان کی غرض دقائق شرع کا استنباط اور علل مذاہب کی حقیقت کا اظہار اور اصول فتاویٰ کی تمہید ہے اس کو حجۃ الاسلام ابوحامد غزالی نے ثابت کردیا ہے اور وہ اس بارہ میں حجت ہیں کیونکہ وہ ان کے رئیسوں میں سے تھے اور ان کے قادر الکلام اور مناظروں میں دقیق النظر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر حقیقت کا پردہ اٹھا لیا اور انھوں نے دلفریب مظاہر اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کیا اور ہم کو انسانی عیوب کے ظاہر کرنے والا اس سے زیادہ بہتر کوئی شخص نہیں مل سکتا جو خود پہلے اس میں ڈوبا ہوا رہا ہو پھر اس کو چھوڑ دے غزالی رح فرماتے ہیں کہ یہ قوم اپنے اوپر تو اس قول کا لباس ڈال لیتی ہے کہ طلب حق پر تعاون کرنا دین ہے لیکن اس کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔

(۱) کوئی شخص اس میں مشغول نہ ہو کیونکہ یہ فرض کفایہ میں سے ہے جو فرض عین سے فارغ نہ ہوچکا ہو اور جس پر فرض عین باقی ہو اور وہ فرض کفایہ میں مشغول ہوجائے اور یہ دعویٰ کرے کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ جھوٹا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جو شخص نماز کو تو چھوڑ دے اور کپڑوں کے حاصل کرنے اور اس کے بُننے میں مشغول ہوجائے اور کہے کہ میری غرض یہ ہے کہ میں اس سے اس شخص کی ستر پوشی کروں جو نماز ننگا پڑھتا ہے اور کپڑا نہیں پاتا کیونکہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے اور اس کا وقوع ممکن ہے کیونکہ فقیہ کا دعویٰ ہے کہ ان نوادر کا وقوع جن سے بحث ہوتی ہے اختلاف میں ممکن ہے اور مناظرہ میں مشغول رہنے والے ان امور کو چھوڑے ہوئے ہیں جو باتفاق فرض عین ہے، جو شخص امانت کو فوراً واپس کرنے کے لئے کھڑا ہوا اور نماز کے لئے نیت باندھ لی جو اللہ تعالیٰ کی سب عبادتوں میں مقدم ہے تو اس نے اس کی نافرمانی کی تو کسی شخص کے مطیع ہونے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کا فعل جنس طاعات سے، ایسا ہو کہ اس میں وقت وشرط و ترتیب کا لحاظ نہ رکھے۔

(۲) فرض کفایہ کو مناظرے سے اہم نہ سمجھے کیونکہ جس چیز کو اہم سمجھے اور اس کے علاوہ کوئی فعل کرے تو اپنے فعل سے وہ نافرمان ہوگا اور اس کی مثال ان لوگوں کے مثل ہوگی جس نے پیاسوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں اور لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ان کے زندہ رکھنے پر اس طرح قدرت رکھتا تھا کہ ان کو پانی پلا دے لیکن وہ حجامت کے سکھانے میں مشغول ہوگیا اور خیال کیا کہ وہ فرض کفایہ ہے اور اگر شہر اس

فن سے خالی ہوجائے گا تو لوگ مرجائیں گے، اور جب اس سے کہا جائے کہ شہر میں حماموں کی جماعت موجود ہے اور ان کے لئے کافی ہے تو وہ کہے کہ یہ بات فرض کفایہ سے خارج نہیں کرتی تو جو شخص یہ کام کرے اور اس شغل کو چھوڑ دے جو مسلمانوں کی پیاسی جماعت پر واقع حال کو چھوڑ دیتا ہے اس کا حال اس شخص کے حال کے مثل ہے جو مناظرہ میں مشغول ہو اور شہر میں بہت سے فرض کفایہ چھوٹے ہوتے ہیں جس پر کوئی قائم نہیں اور ان میں اقرب طب ہے اور اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

(۳) مناظر کو مجتہد ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی رائے سے فتویٰ دے نہ کہ مذہب شافعیؒ وابی حنیفہؒ وغیرہ پر فتویٰ دے یہاں تک کہ اس کو اگر مذہب ابو حنیفہؒ کی کوئی بات صحیح معلوم ہو تو وہ شافعیؒ کے رائے کی موافقت ترک کردے اور اسی کا فتویٰ دے جو اس کو حق معلوم ہو۔ اور جس کو اجتہاد کا رتبہ حاصل نہیں اور وہ عام لوگوں کی طرح ہو تو اس سے مناظرہ میں کونسا فائدہ ہوگا؟ کہ اس کا مذہب معلوم ہے اور وہ اس مذہب کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔

(۴) مناظرہ کرے تو اسی مسئلہ میں کرے واقع ہوا ہو یا قریب الوقوع ہو لیکن لوگ ان مسائل کے اہتمام کی کوشش نہیں کرتے جن کی یہ اہتمام نہیں کرتے ان مسائل کے عام طور پر ضرورت ہوتی ہے بلکہ ان طبولیات کی جستجو کرتے رہتے ہیں جو عام طور پر سنے جاتے ہیں اور اس میں جدال کا میدان وسیع ہوتا ہے خواہ معاملہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور اکثر اوقات ان مسائل کو چھوڑ دیتے ہیں جن کا وقوع زیادہ ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ خبریہ ہے یا یہ کہ وہ کونے میں پڑے رہنے والے مسئلوں میں سے ہے ان مسائل میں نہیں جن کا ہنگامہ ہوتا رہتا ہے۔

(۵) مناظرہ کا خلوت میں ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ان کے پاس محبوب تھا اور محافل سے اہم تھا وہ امراء اور سلاطین کے سامنے ہو کیونکہ تنہائی میں عقل اور رائے انتشار کا شکار نہیں ہیں اور ادراک حق کے لئے بہت ہی موزوں ہے اور جماعت کی موجودگی میں اسباب ریا کو حرکت پیدا ہوتی ہے اور ہر شخص اپنی نصرت کے لئے حرص کو واجب کرلیتا ہے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر اور تم خوب جانتے ہو کہ مجمعوں اور محفلوں میں ان کی حرص اللہ کے لئے نہیں ہوئی اور جب ان میں سے کوئی اپنے حریف کے ساتھ خلوت میں مدت طویل تک رہتا ہے تو اس سے بات نہیں کرتا اور بسا اوقات اس کو جواب تک نہیں دیتا لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے تو ہر تدبیر وہ کام میں لاتا ہے جس سے اس کو گفتگو کا موقع ملے۔

(۶) یہ کہ وہ حق کے طلب کرنے میں ایسا ہو جیسا کہ وہ کسی کھوئی ہوئی چیز کو تلاش کر رہا ہو اس بات میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ کھوئی ہوئی چیز اس کے ہاتھ آئے یا اس کے ہاتھ پر جو اس کی مدد کر رہا ہے اور اپنے رفیق کو اپنا مددگار سمجھے نہ کہ دشمن اور اس کا شکریہ ادا کرے جبکہ وہ اس کی خطا بتادے یا اس کے لئے حق کو ظاہر کردے لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرین کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے جبکہ اس کے مخالف فریق کی زبان سے حق ظاہر ہو جائے اور شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے انکار میں جہاں تک ہو سکے کوشش کرتا ہے اور عمر بھر اس کی مذمت کرتا رہتا ہے جس نے اس کو خاموش کر دیا۔

(۷) مناظرہ میں اپنے رفیق کو ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف جانے سے منع نہ کرے نہ ایک مثال سے دوسری مثال میں جانے سے رد کے اور اس کے کلام سے جدال کی تمام باریکیاں نکالے جو نکل سکتی ہوں خواہ اس کے فائدہ کی ہوں یا اس کے نقصان کی جیسے اس کا یہ کہنا کہ مجھے اس کا ذکر کرنا لازم نہیں، اور یہ بات میرے پہلے کلام کی تفصیل ہے تو مجھ سے یہ بات قبول نہ کی جائے گی کیونکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے خلاف ہے اور اس کا قبول کرنا واجب ہے اور تم دیکھو گے کہ تمام مجلسیں دافعات اور مجادلات میں ختم ہوتی ہیں۔

(۸) یہ کہ اس سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی امید ہو جو کہ علم میں مشغول ہو لیکن یہ لوگ اکثر بوڑھوں اور تجربہ کاروں سے مناظرہ کرنے میں اس خوف سے احتراز کرتے ہیں کہ ان کی زبان سے ہی حق ظاہر ہوگا لہذا ان سے کمتر لوگوں سے مناظرہ کرنے میں رغبت رکھتے ہیں تاکہ ان پر باطل کو رواج دیدیں۔ (یہ مختصراً ہے)

پھر امام غزالیؒ نے اس کے ساتھ ایک فصل ملحق کی ہے جس میں مناظرہ کی آفات بیان کی ہیں اور ان میں سے چند کی تعداد بیان کی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) حسد۔

(۲) تکبر اور لوگوں پر بڑائی ظاہر کرنا یہاں تک کہ وہ ان مجلسوں میں سے کسی مجلس میں جس میں بلندی و پستی اور صدر کی مسند سے قرب اور بعد اور تنگ راستوں سے پہلے داخل ہونے میں اولیت وغیرہ پر جنگ کرتے ہیں اور بسا اوقات غبی اور مکار فریبی لوگ اس کی حکمت بتاتے ہیں کہ وہ عزت علم کی حفاظت کرنا چاہتا ہے مومن کو منع کیا گیا ہے اپنے نفس کو ذلیل کرنے سے اس لئے تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی عزت دین سے تعبیر کرتے ہیں جو محض رسم کو بدلنا ہے

اور اس سے مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔

(۳) کینہ کہ اس سے کوئی مناظرہ کرنے والا خالی نہیں۔

(۴) غیبت کیونکہ وہ اپنے دشمن کے کلام کی لازماً نقل کرے گا اور اس کی مذمت بیان کریگا اور بہت زیادہ حفاظت کرے گا۔ حکایت و نقل میں جھوٹ نہ کہے گا لیکن لا محالہ ایسی باتیں بیان کریگا جس سے اس کے کلام کا قصور اور اس کا عجز اور اس کے فضیلت کا نقصان ظاہر ہو اور یہی غیبت ہے۔

(۵) تجسس اور لوگوں کی برائیوں کی ٹوہ لگانا' اور کوئی مناظرہ کرنے والا اپنے ہمعصروں کی لغزشوں کی تلاش کرنے اور اپنے فریق کی برائیوں کی ٹوہ لگانے سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر اس کو خبر ہوتی ہے کہ کوئی مناظرہ کرنے والا اس کے شہر میں آگیا ہے تو وہ اس کی تلاش کرنے لگتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی اس کو خبر دے اور وہ سوال کر کے ایسے نتیجہ نکالتا ہے جس کو اپنے لئے ایک سرمایہ اس کی فضیحت اور بروقت اس کو شرمندہ کرنے کے لئے ایک ذخیرہ شمار کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے بچپن کے حالات معلوم کرتا ہے اور اس کے بدن کے عیوب معلوم کرتا رہتا ہے تو اگر اس کو کسی بدگوئی کا اس کے متعلق علم ہوتا ہے یا اس کے بدن کے کسی عیب کا مثلاً گنج پن وغیرہ کا تو اگر اس کو اس فریق کے کسی ادنیٰ غلبہ کا بھی احساس ہونے لگتا ہے تو وہ اس کو اشارۃً پیش کرتا ہے اگر وہ محتاط آدمی ہے تو تعریضاً اس کو ظاہر کرتا ہے اور یہ تعریض مستحسن خیال کی جاتی ہے اور عمدہ پیرایہ کی کنایوں میں سمجھا جاتا ہے اور اگر وہ کمینہ اور نچلے درجہ کا آدمی ہو تو صاف الفاظ میں کہنے سے نہیں رکتا جیسا کہ بڑے مناظرین سے ان کے زمانہ کے نوجوانوں نے کیا ہے۔

(۶) لوگوں کے رنج وغم پر خوشی اور ان کی خوشیوں پر غم تو ہر وہ شخص جو فضیلت کے اظہار پر فخر محسوس کرتا ہے اس کے لئے لازمی ہے کہ جو بات اس کے اقران و ہمعصروں کے لئے بری ہو جو فضیلت میں اس کے برابر ہیں تو اس کو خوشی حاصل ہو گی اور ان میں اسی طرح بغض ہو گا جیسے کہ سوکنوں میں ہوتا ہے' جیسے کہ کوئی سوکن اپنی سوکن کو اگر دور سے بھی دیکھ لیتی ہے تو اس کی رگیں کانپنے لگتی ہیں اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اسی طرح تم مناظرہ کرنے والے کو دیکھو گے کہ جب وہ کسی مناظرہ کرنے والے کو دیکھتا ہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کے افکار مضطرب ہو جاتے ہیں گویا کہ اس نے کسی شیطان سرکش کو دیکھ لیا ہے یا

کسی موذی اور زندہ کو۔

(۷) نفاق جس کے لئے یہ مجبور رہیں کیونکہ وہ اپنے مخالفین اور ان کے حریفوں اور ساتھیوں سے ملتے ہیں اور وہ اس کے سوا کچھ چارہ نہیں پاتے کہ زبان سے ان کے ساتھ محبت کا اظہار کریں اور شوق و اشتیاق بتائیں اور ان کے لئے ان کے مرتبہ اور ان کے احوال کا خیال کریں اور یہ بات اس کا مخاطب بھی جانتا ہے اور ہر وہ شخص جو ان کی باتوں کو سنتا ہے جانتا ہے کہ یہ سب جھوٹ دغا نفاق اور فجور ہے کیونکہ یہ لوگ زبان سے محبت کرتے ہیں اور دل سے بغض رکھتے ہیں۔

(۸) حق سے روگردانی کرنا اور اس سے ناراضی اور اس کے متعلق جھگڑنا یہاں تک مناظر کرنے والے کو سب سے مبغوض چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کے فریق کی زبان پر حق ظاہر ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو وہ اس کے انکار پر کمربستہ اور دھوکہ فریب دیتا اور جھگڑنا اس کی عادت طبعی بن جاتی ہے کیونکہ جب کوئی بات کرے گا تو اس کی طبیعت میں اعتراض کا داعیہ پیدا ہوگا حتیٰ کہ یہ اس کے قلب پر آداب قرآن و الفاظ شرع میں غالب آئے گا کہ وہ ان میں سے بعض کو بعض کے مخالف بنا دے گا۔

(۹) ریا اور مخلوق کی طرف خیال اور ان کے قلوب کو مائل کرنے کی کوشش اور ان کے رخ کو مائل کرنے کی کوشش اور ریا ایسا مہلک مرض ہے جو بڑے کبائر کی دعوت دیتا ہے اور مناظرہ کرنے والا بجز اس کے کہ مخلوق کے پاس اس کی بڑائی ظاہر ہو اور لوگوں کی زبان اس کی ثنا پر کھلیں اور کچھ نہیں چاہتا۔

اور یہ وہ بڑے نتائج ہیں جو فقہار کی جماعت کو اس مقام سے گرا دیتی ہیں جو ان کا اصل مقام تھا کیونکہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ تھے لہذا چاہیئے تھا کہ وہ ادب کے لحاظ سے بہترین حالت میں رہتے لیکن یہ مناظرات نے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود نہ تھی ان میں سے بہت لوگوں کو اس حالت پر پہنچا دیا جس کی شرح انہی میں سے ایک شخص نے جو اس بلا میں مبتلا تھا بیان کی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے عافیت دے دی۔

ابن سبکی نے طبقات میں لکھا ہے کہ ابو حیان توحیدی نے بیان کیا کہ میں نے شیخ ابو حامد غزالی سے سنا ہے کہ وہ طاہر عبادانی سے کہتے تھے" کہ تم ان باتوں کو زیادہ نہ لکھو جو تم مجھ

مجلس مناظرہ میں سنو کیونکہ اس میں تو گفتگو صرف فریق کو چکمہ اور مغالطہ دینے اور اس کی مدافعت اور اس پر غلبہ حاصل کرنے کی نیت سے ہوتی ہے اور ہم خالصاً لوجہ اللہ گفتگو نہیں کرتے اور اگر ہم اس کا ارادہ رکھتے تو گفتگو زیادہ کرنے کی بجائے خاموشی کی طرف تیز رو ہوتے اور ہم میں سے بہت سے اس گفتگو کی وجہ سے اللہ کا غضب لے کر لوٹتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی بھی طمع رکھتے ہیں۔

مذہب اسماعیلی

اس دور کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں مصر اور اس سے متصل شہروں میں مذہب اسمٰعیلی ظاہر ہوا۔ اور مذہب اسماعیلی شیعہ مذاہب ہی کی ایک شاخ ہے جنھوں نے اسماعیل بن جعفر صادق کو متولی امامت قرار دیکر ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر کاظم کو چھوڑ دیا اور اس لحاظ سے عالم اسلامی میں ان کے تین مذہب ہو گئے۔ زیدیہ۔ امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ ہیں یہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں مگر یہ سب عشرت کے شیرازہ میں جکڑے ہوئے ہیں، جب معزالدین اللہ قاہرہ آیا جس کی بنیادیں پہلے ہی ڈالی جا چکی تھیں وہ اس کے نام سے منسوب ہوا تو اس کے ساتھ اس کا عالم کبیر اور فقیہ اسماعیلی تھا اور کچھ ہی دنوں بعد مصر میں قاضی القضاۃ مقرر ہو گیا اور اس سے مصر میں سب سے پہلے اس لقب کا رواج ہوا۔ کیونکہ اس کے پہلے بڑے دارالخلافہ بغداد میں وہ صرف قاضی ہی کے عہدے پر تھا اور یہ قاضی لوگوں میں میراث کے بارے میں مذہب اسماعیلی کے مطابق فیصلے کیا کرتا تھا اور دوسرے مسائل میں اور عورت کی میراث کے بارے میں اس کے فیصلے اکثر مسائل میں جمہور کے مخالف ہوا کرتے تھے جن میں سب سے اہم یہ تھا کہ ان کے پاس نہ عصبہ تھا نہ عول اور عصبہ کے بدلے اقربیت کا لحاظ رکھ کر میت سے جو زیادہ قریب ہوتا اس کا لحاظ رکھتے اس کے بعد ترتیب وار قرابت کا لحاظ رکھتے خواہ مرد ہو یا عورت تو ان کے پاس اول درجہ والدین اور اولاد کا تھا اور دوسرا درجہ اجداد اور بھائی بہنوں کا تھا اور اسی طرح اور نزدیک کے قرابتداروں کے ساتھ بعید وارث نہ ہوتا تھا جیسے اگر میت نے ایک لڑکی چھوڑی جس کے ساتھ اس کے والدین میں سے کوئی نہ ہو تو وہ سب مال لے لیتی آدھا تو فرض کی بنا پر اور آدھا رد ہو کر اور اسی طریقہ پر فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے باپ کی میراث میں ان کا کوئی شریک نہ

تھا اور ماں کے ساتھ کوئی بھائی یا بہن وارث نہ ہوتا اور عترت کے اس قول کے باوجود کہ میراث کے قاعدہ میں اقربیت ہے وہ سگے چچا زاد بھائی کو سوتیلے چچا پر مقدم رکھتے ہیں باوجودیکہ چچا، چچا زاد بھائی سے اقرب ہے اور یہ حجت بیان کرتے ہیں کہ اس پر طائفہ محقہ کا اجماع ہے اور اسی اصول کی بنا پر ان کے بہت سے مسائل ہیں جس میں جمہور کی مخالفت ہوتی ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو لیا کہ اولاً اہل فرائض کو ان کے حقوق ادا کرو پھر جو باقی رہ جائے وہ قریب ترین مرد کو دو اور بعض اہل فرائض پر نقصان داخل کرکے عول سے بچ گئے۔

اس مذہب پر قضاء مصر کی ترتیب کے ساتھ ان کے علماء جامع ازہر میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے جس کی بنیاد انھوں نے رکھی تھی اور اس کے لئے کتابیں تالیف کی گئیں اور وہ علماء اور طالبان علم کو ماہانہ وظیفے دیا کرتے تھے اور اس کو تبلیغ کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا اور اس پر داعی دعاۃ اور اس کے مددگاروں کا عمل مستمر رہا تھا کیونکہ وہ جمہور کو اسماعیلی مذہب میں لانے کی انتہائی جد وجہد میں مصروف تھے لیکن یہ تمام کوششیں مطلوبہ نتیجہ نہ نکال سکیں کیونکہ امام مالکؒ وامام شافعیؒ کا مذہب جمہور کے دل میں عزت حاصل کر چکا تھا تو ان کے باطل کرنے یا ضعیف کرنے میں کوئی موثر عمل جاری نہ کیا جا سکا اور دونوں مذاہب کے علماء کے حلقہائے درس مصر کی جامع عتیق میں قائم تھے۔

اور ابو احمد بن افضل وزیر مستنصر آخر میں اس بات پر مجبور ہو گیا تھا کہ نرمی سے کام لے اور چار قاضی مقرر کرے جن میں سے ہر ایک اپنے مذہب کے مطابق حکم کرے اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق اسماعیلی قاضی اور امامی قاضی اور مالکی قاضی اور شافعی قاضی وراثت کے معاملات طے کریں اور یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں متعدد قاضی مقرر ہوئے اور ایسا ۵۲۵ھ میں ہوا اور جب حکومت میں زیادہ ضعف ہوا تو قاضی القضاۃ کا منصب ابو المعالی مجلی بن جمیع شافعی صاحب ذخائر کو ملا اور یہ ۵۴۷ھ کا واقعہ ہے۔

اور جب صلاح الدین، عاضد کا وزیر ہوا تو اس نے اسماعیلی حکومت کے تمام امتیازات کو ختم کر دیا اور اس کے قاضی جلال الدین بن ہبۃ اللہ بن کامل صوری کو ہٹا کر صدر الدین عبد الملک بن درباس کردی شافعی کو قاہرہ میں ۵۶۶ھ میں قاضی القضاۃ بنا دیا اور صلاح الدین نے مذہب اسماعیلی سے مصر میں اس وقت تک مقابلہ کیا کہ اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا

اور ہمارے درمیان کے درمیان تعلقات ختم ہو گئے یہاں تک کہ ہم ان کی کتابیں بھی مطالعہ نہیں کرسکتے نہ فقہ کی نہ اس کے علاوہ، اور شوافع میں قضاءت ظاہر بیبرس کے آنے تک باقی رہی حتیٰ کہ اس نے تعدد قضاء کی بدعت کو دہرایا البتہ صرف مذاہب جمہور میں سے ہی ان کو مقرر کیا یعنی شافعی و مالکی حنفی و حنبلی۔

ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ مصر میں مذہب اسماعیلی کس حد تک کامیاب رہا اور امت کے مخصوص افراد میں سے کن لوگوں نے اس کو قبول کیا مگر ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ ان کا اثر عوام میں بہت ہی کم تھا کیونکہ اسماعیلی امتیازات سے ان کی نفرت عام طور پر مروی ہے اور اسی طرح ان کے عقائد سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کی جماعت نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو کفر و الحاد کی نشانی قرار دی جس کی وجہ سے جمہور ان سے نفرت کرنے لگے اور ان کی نفرت ان کے پوشیدہ دعوت کی وجہ سے بھی زیادہ ہونے لگی جس سے ان کے اعتقاد کی تائید ہونے لگی کہ وہ دین سے خارج ہیں جس کو اپنے ائمہ اور علماء سے انھوں نے میراث میں پایا ہے۔

۳- مذہبی تعصبات کا شروع

گزشتہ زمانہ میں جس مسامحت و بے تعصبی کے جھونکے چلتے تھے اور اس کی روح غالب ہوگئی تھی اس کا مقصد تو یہ تھا کہ اختلاف مذاہب کا کوئی اثر مختلف مذاہب والوں کے آپس میں نہ ہو کیونکہ ایک ہی شہر میں دو مجتہد ہوا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ہر شخص اپنے رفیق کو اجتہاد کو جائز قرار دیتا تھا اور اس پر کوئی عیب نہیں لگاتا تھا اور بہت زیادہ جو بات ان سے معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ان میں ایک دوسرے کی مسائل میں سے کسی مسئلہ میں غلطی نکالتا اور کبھی اپنی تنقید پر اس کو تحریری اطلاع دیتا یا اس سے زبانی گفتگو کرتا لیکن یہ سب انتہائی احترام کے ساتھ ہوتا اور اس سے محبت کرتا اور اس کی تعریف کرتا جیسا کہ ہم نے اس کے پہلے لیث بن سعد کا خط بنام امام مالکؒ بن انس نقل کر دیا ہے و نیز شافعیؒ نے ابو حنیفہؒ کے مسائل پر تنقید لکھی اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے بچے ہیں اور اکثر محمدؒ بن حسن کی تعریف کیا کرتے حالانکہ وہ ان سے بڑا مناظرہ کیا کرتے تھے اور اپنے شاگرد احمدؒ بن حنبل سے فرمایا کرتے کہ تمہارے نزدیک جب حدیث صحیح آجائے تو مجھے خبر کرنا اور فرمایا کرتے کہ جب حدیث کا ذکر آتا تو فرماتے مالکؒ روشن ستارہ ہیں، اسی قسم کے اور اقوال ہیں جن سے معلوم

ہوتا ہے کہ ان فقہاء میں اور ائمہ اطہار میں رواداری اور محبت کی روح غالب تھی اور وہ اس بارہ میں اپنے اسلاف صحابہ اور تابعین کی پیروی کرتے تھے لیکن اس دور میں جس میں روح تقلید سرایت کر گئی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ان کو اپنے ائمہ کے مسائل کی طرف سے مدافعت کی ضرورت واقع ہوگئی اور امراء نے ان سے خواہش کی کہ ان کے سامنے مناظرہ کے میدان گرم کریں جس پر وہ نتیجہ ظاہر ہوا جس سے امام غزالیؒ کو ناراضی پیدا ہوئی اور ہر فریق جن مسائل کی مدافعت و مناظرہ کرتا اس کے متعلق آپس میں تعصب کرنے لگا اور دوسرے فریق کو جیسا کہ وہ خصم کے الفاظ سے تعبیر کرتا تھا دشمن سمجھنے لگا اور ان میں سے ہر ایک فریق دشمنی پر اتر آیا اور عوام نے اس بارہ میں ان کا اتباع کیا اور معاملہ اس حد تک پہونچ گیا کہ نماز میں ایک فریق اپنے مخالف مذہب والے کی اقتدا کو حرام سمجھنے لگا اور ہمیں نہیں معلوم کہ یہ قاعدہ کب وضع کیا گیا۔ اس قاعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے جو ہم نہیں جانتے کہ کب وہ نکالا گیا کہ اقتدار میں اعتبار مقتدی کے مذہب کا ہے نہ کہ امام کے مذہب کا البتہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ شافعی کی اکثر نماز حنفی کی نظر میں صحیح نہیں ہوتی کیونکہ شافعی جسم سے نکلنے پر وضو نہیں کرتا کیونکہ یہ ان کے امام کے نزدیک ناقص وضو نہیں ہے اور اسی طرح حنفی اجنبی عورت کو چھونے سے وضو نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے اور حنفی سورہ فاتحہ کی قرأت کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتا۔ الا لکہ شافعی کی نظر میں یہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور یہ اور اسی قسم کے اور مسائل مقتدی کے دل میں شک پیدا کرتی ہیں جب کہ وہ اپنے مخالف مذہب کی اقتدا کرے اور ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے یہ کس طرح کہا باوجودیکہ ائمہ کی اجتہاد اور اختلاف میں رواداری اور محبت تھی اور یہ اعتبار کیا جاتا تھا کہ مجتہد کا اجتہاد جس امر کی طرف پہونچا دے اس کے حق میں اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کو جائز نہیں کہ اس کے غیر کی طرف تجاوز کرے تو اس نظریہ کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہر مجتہد کی نماز صحیح سمجھی جائے اور اس سے یہ قاعدہ نکل جاتا ہے کہ اقتداء میں امام کے مذہب کا اعتبار ہے نہ کہ مقتدی کے مذہب کا لیکن تعصبات مذہبی نے جماعتوں میں فصل پیدا کیا اور مستقل مناقشہ قائم ہوگیا اور بعض فقہاء نے معاملہ کو بڑھا دیا کہ ایک نے دوسرے پر یہ تہمت لگائی کہ ان کے ائمہ نے کتاب وسنت کے بعض صریح مسائل میں مخالفت کی اور اسی پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھی کہ اگر کوئی قاضی ان کے مطابق کوئی فیصلہ کرے تو اس کا حکم منسوخ ہو جائے گا لیکن یہ مسائل اجتہادی نہیں ہیں بہر حال ہم اس موضوع پر گفتگو

طویل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہم نے تو اس کا ذکر محض اس لئے کیا ہے کہ آثار تقلید میں اس کے اثر طبعی کا اعتبار کیا جائے۔

اگر کوئی کہے کہ تم یہ دعوی کس طرح کرتے ہو کہ یہ تقلید کے آثار ہیں حالانکہ ابن حزم اندلسی نے جو پانچویں صدی میں تھے تقلید کو ترک کر دیا تھا اور اپنے نفس کے لئے ایک طریقہ اختیار کر لیا اور اجتہاد مطلق کا دعوی کر لیا تھا اور اس کے باوجود ہم نے کسی فقیہ کو ان سے تیز زبان اور اپنے مخالفین پر سخت بات کرنے والا نہیں دیکھا اور اس کا ثبوت ان کی دونوں کتابوں "احکام لاصول الاحکام" اور محلی کو جو فقہ کی معتبر کتابیں ہیں دیکھنے سے اندازہ کر سکتے ہو تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ باوجود اپنے دعوی اجتہاد کے حقیقت تقلید سے باہر نہ تھے کیونکہ وہ مذہب داؤد بن علی کے مبلغ اعظم تھے اور ان کے مذہب کی تائید میں سرگرم تھے اور ان کے دل کو تنگ کرنے کے لئے یہ امر بہت کافی تھا کہ ان کے شہر کے علماء ان کی دشمنی اور عداوت کے لئے کھڑے ہوئے جس پر انھوں نے اپنے قلم کی باگ چھوڑ دی اور ان پر سخت حملے کئے جس پر ان کو یہ گمان تھا کہ وہ ان پر غالب ہو جائیں گے اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اس سے خود کو اور اپنی رایوں کو تباہ کر دیا جس کی وجہ سے ان کا کوئی اثر نہ ان کی حیات میں قائم ہو سکا نہ موت کے بعد باقی رہا باوجودیکہ ان کی وسعت علم اور قوت فکر کا انکار نہیں کیا جا سکتا

اس دور کے فقہاء

اس دور کے فقہاء نے اپنے ائمہ سے مروی مختلف روایات میں ترجیح ظاہر کی اور اس کی علتوں کو ظاہر کیا اور ان ائمہ سے جن امور میں حکم یقینی نہ ہو ان علل کی بناء پر اس کے متعلق قیاس کر کے فتوی دیا اس لئے ان کو اپنے ائمہ کے مذاہب کا مکمل کرنے والا سمجھا جاتا ہے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم ان میں سے ان مشہور علماء کے حالات بیان کریں جنھوں نے کتابوں کی تدوین و تصنیف کا کام انجام دیا اور جو کچھ انھوں نے لکھا وہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے بنیاد ثابت ہوئیں۔

اور ہم پہلے علماء حنفیہ کو شروع کرتے ہیں جن میں سے بیس فقیہ ہم نے منتخب کئے ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) ابوالحسن عبید اللہ بن حسن کرخی عراق میں رئیس الحنفیہ اور ان کے اکابر اساتذہ میں تھے مختصر اور شرح صغیر و کبیر لکھی جو محمدؒ بن حسن کی ہے ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور سن کی وفات

سنہ ۳۴۰ھ میں ہوئی وہ اس زمانہ کے بڑے فقہاء میں سے تھے ان کا شمار مجتہدین میں ہوتا ہے۔

(۲) ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص جو کرخیؒ کے شاگرد ہیں اور ان کے بعد یہی سردار ہوئے مختصر کرخی اور مختصر طحاوی اور محمدؒ کے جامع کی شرحیں لکھیں اصول فقہ میں اور ادب القضاۃ میں ان کی ایک ایک تصنیف ہے سنہ ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) ابو جعفر محمد بن عبداللہ بلخی' ہندوانی جن کو ابو حنیفہ صغیر کہا جاتا تھا ائمہ بلخ سے تھے بخارا میں سنہ ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی جو امام ہدیٰ کے نام سے مشہور تھے' ہندوانی کے شاگرد ہیں' نوازل اور عیون اور فتاوی اور خزانۃ الفقہ اور شرح جامع صغیر لکھی سنہ ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابو عبداللہ یوسف بن محمد جرجانی' جو کرخیؒ کے شاگرد تھے خزانۃ الاکمل چھ جلدوں میں لکھی اور زیادات اور جامع کبیر اور مختصر کرخی کی شرحیں لکھیں اور خزانۃ الاکمل اکثر تصنیفات کی جامع ہے حاکم کی کافی سے شروع کی اور جامعین زیادات مجرد اور منتقی اور مختصر کرخی اور شرح طحاوی اور عیون المسائل کو اس میں جمع کیا۔ سنہ ۳۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۶) ابو الحسن احمد بن محمد قدوری بغدادی' اور وہ مشہور کتاب مختصر کے مصنف ہیں اور مختصر کرخی کی شرح لکھی اور کتاب تجرید تصنیف کی جس میں ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کے اختلافی مسائل غیر مدلل طور پر درج ہیں لیکن دیکھنے میں اس کی عبارت اچھی ہے اور شیخ ابو حامد اسفرائینی شافعی سے مناظرہ کیا کرتے تھے سنہ ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) ابو زید عبداللہ بن عمر الدبوسی سمرقندی' جنھوں نے سب سے پہلے علم اختلاف کی بنیاد رکھی اور ان کی سب سے بڑی تصنیف "اسرار" ہے اور نظم فی الفتاویٰ اور کتاب تقویم الادلۃ ہے مناظرہ میں اور دلیلوں کے استخراج میں وہ ضرب المثل تھے اور سمرقند و بخارا میں ان کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مناظرات ہوا کرتے تھے سنہ ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو عبداللہ حسین بن علی صیمری جو فقہاء حنفیہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے اچھی عبارت والے اور مناظرہ میں اچھے تھے سنہ ۴۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابو بکر خواہر زادہ محمد بن حسین بخاری جو ماوراء النہر کے بڑے لوگوں میں سے تھے' مختصر تجنیس اور مبسوط نامی کتابیں لکھیں سنہ ۴۳۳ھ میں وفات پائی اور خواہر زادہ آپ کو اس لئے کہا جاتا ہے چونکہ وہ قاضی ابی ثابت محمد بن احمد بخاری کے بھانجے تھے۔

(۱۰) شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی بخاری، جو مبسوط کے مصنف تھے اور وہ اہل بخارا کے اپنے وقت میں امام تھے ۴۴۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی جو حلوانی کے شاگرد تھے مجتہدین میں ان کا شمار تھا امام علامہ صاحب حجت متکلم و مناظر اور صاحب اصول اور مجتہد تھے مشہور کتاب انھوں نے مبسوط روزجند کے ایک کنویں میں قید کی حالت میں تھے پندرہ جلدوں میں املا کرائی۔ خاقان کو ایک نصیحت کرنے کے جرم میں ان کو یہ سزا دی گئی تھی اور بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے اپنے حافظہ سے کنویں میں سے لکھواتے تھے اور ان کے شاگرد کنویں کے اوپر بیٹھکر لکھتے تھے۔ اصول فقہ میں ان کی ایک کتاب سیر کبیر کی شرح ہے اور مختصر طحاوی کی شرح لکھی اور ان کی مبسوط دراصل کافی کی شرح ہے جو حاکم اوشہید نے لکھی ہے اور یہ مصر میں چھپ چکی ہے پانچویں صدی کے آخر میں وفات پائی۔

(۱۲) ابوعبداللہ محمد بن علی دامغانی عراق میں احناف کی ریاست ان پر ختم ہوئی اور وہ صیمری اور قدوری کے شاگرد تھے اور بغداد میں قضارت ان کو ملی' دامغان میں ۳۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں وفات پائی' ابوالطیب شافعی ان کی تعریف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دامغانی ہمارے اکثر اصحاب سے زیادہ مذہب شافعی کو جاننے والے ہیں اور وہ شیخ ابواسحق شیرازی شافعی سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔

(۱۳) علی بن محمد بزدوی، جنھوں نے گیارہ جلدوں میں مبسوط لکھی اور جامع کبیر و جامع صغیر کی شرح لکھی اور کتاب اصول بزدوی کے مصنف ہیں' اور فقہ میں ان کی ایک کتاب غناء الفقہاء ہے ۴۰۰ھ کے حدود میں پیدا ہوئے اور ۴۸۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجری، زبردست امام اور مذہب کی حفاظت میں ضرب المثل تھے ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور حلوانی سے علم حاصل کیا ۵۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابواسحاق ابراہیم بن اسماعیل صفار، جو قاضی خاں کے استاد تھے اور ان کے آباؤاجداد سب کے سب بڑے فقہاء تھے بخارا میں ۵۳۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری صاحب خلاصۃ الفتاوی ماوراء النہر میں حنفیہ سے شیخ اور مسائل میں اجتہاد کرنے والوں میں بڑے مشہور لوگوں میں سے تھے ان کی تالیفات میں خزانۃ الواقعات ہے ۵۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہ بن عبد الرزاق ولوالجی ان کی فتاویٰ کی ایک کتاب ہے جو ولوالجیۃ کے نام سے مشہور ہے ۵۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۱۸) ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی جو ملک العلماء کے لقب سے ملقب تھے کتاب بدائع کے مؤلف ہیں جو ایک اچھی ترتیب کی کتاب ہے اور کتاب تحفۃ الفقہاء کی شرح لکھی ہے جو ان کے شیخ علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی نے لکھی تھی ۵۸۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی فرغانی جو قاضی خاں کے نام سے مشہور ہیں بہت بڑے امام ہیں فتاویٰ کی مشہور کتاب لکھی جس میں اور عام طور پر پیش آنے والے مسائل درج ہیں اس کے علاوہ واقعات امالی محاضر آپ کی تصانیف ہیں اور زیادات جامع صغیر اور ادب القضاۃ مصنفہ خصاف کی شرح لکھی اور اس کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں ۵۹۲ھ میں وفات پائی ان کا شمار مسائل میں اجتہاد کرنے والوں میں ہے اور قاسم بن قطلوبغا نے قدوری کی تصحیح میں لکھا ہے کہ قاضی خاں کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ خود فقیہ ہیں۔

(۲۰) علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فرغانی مرغینانی صاحب ہدایہ امام و فقیہ و حافظ تھے اور ان کی تصانیف کتاب منتقی نشر المذہب تجنیس مناسک الحج مختارات الفوازل کتاب الفرائض ہیں ۵۹۳ھ میں وفات پائی۔

مالکی مذہب کے بڑے فقہاء

(۱) محمد بن یحییٰ بن لبابہ اندلسی جو اپنے زمانہ میں مذہب کے بہت بڑے حافظ شروط باندھنے کے عالم اور اس کی علتوں کے ماہر تھے وہ فتویٰ اور فقہ میں مذہب کی پابندیوں سے آزاد رہا کرتے تھے فقہ میں ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے ایک منتخبہ اور ایک کتاب الوثائق ہے ابن حازم فارسی کا قول ہے کہ ان کی کتاب منتخبہ کے مقابلہ میں ہمارے اصحاب کی کوئی کتاب نہیں ہے اس کتاب کی تصنیف کا مقصد مسائل مدونہ کی شرح ہے ۳۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابو بکر بن علاء قشیری اصل میں بصرہ کے رہنے والے تھے پھر مصر کی طرف منتقل ہوئے قاضی اسماعیل کے شاگردوں سے فقہ حاصل کیا اور بڑی کتابیں تالیف کیں جن میں سے ایک کتاب الاحکام ہے جو اسماعیل بن اسحاق کی کتاب کا خلاصہ اور اس پر کچھ اضافہ ہے اور کتاب الاعلیٰ المزنی کتاب اصول فقہ اور کتاب قیاس وغیرہ بھی آپ کی تصانیف ہیں ۳۴۴ھ میں

وفات پائی۔

(۳) ابو اسحاق محمد بن قاسم بن شعبان عنسی، جو مصر میں اپنے وقت میں مالکی فقہاء کے رئیس اور ان میں سب سے زیادہ مالک کے مذہب کے حافظ تھے لیکن ان کی کتابوں میں مالک کے نادر اقوال اور قوم کے ایسے شاذ اقوال تھے جو ان کے شاگردوں میں مشہور نہ تھے۔ ان کے ثقات اصحاب نے روایت کی انھوں نے مذہب امام مالک کا استقرار کیا اور کتاب زاہی شعبانی فقہ میں تالیف کی ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔

(۴) محمد بن حارث بن اسد خشنی، جنھوں نے قیروان میں فقہ حاصل کیا پھر اندلس آئے اور وہاں کے علماء سے علم حدیث حاصل کیا اور قرطبہ کو وطن بنا لیا فقہ کے حافظ اور اس فن میں سبقت لے جانے والے فتاویٰ کے عالم اور مسائل میں بہتر قیاس کرنے والے تھے اور امام مالک کے مذہب میں اتفاق و اختلاف پر ایک کتاب لکھی ایک اور کتاب جس میں امام مالک کے اصحاب نے ان سے اختلاف کیا تصنیف کی اس کے علاوہ فتاویٰ کی کتاب اور دوسری کتابیں لکھیں ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابوبکر محمد بن عبداللہ معیطی اندلسی، فقہ کے حافظ اور امام مالک اور ان کے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے اور یہ وہی ہیں جنھوں نے ابی عمر اشبیلی کے ساتھ امیر المومنین حکم کے لئے کتاب استیعاب مکمل کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب حکم کے پاس پہونچی جس کو قاضی اسماعیل کے بعض اصحاب نے شروع کیا تھا، اور اس کی باب بندی کی اور اس کو ایک ایسی جامع کتاب مخصوص اقوال مالک کی بنائی تھی جس میں ان کے کسی شاگرد کا قول ان سے روایات کی اختلاف میں شریک نہ تھا اور مؤلف اس کے پانچ جزء لکھ چکے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا جب اس کتاب کو حکم نے دیکھا تو اس کو پسند آگئی اور اس کے تکمیل کی خواہش پیدا ہوئی اور اس کے لئے معیطی اور ابو عمر کو منتخب کیا جس کو ان دونوں نے ایک سو جلدوں میں مکمل کیا معیطی کا ۳۶۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۶) یوسف بن عمر بن عبدالبر، جو علماء اندلس کے شیخ تھے اور اپنے وقت میں ان کے بڑے محدثین سے تھے انھوں نے ایک کتاب جس کا نام "استذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من معانی الآثار" ہے تصنیف کی جس میں موطا کی ترتیب کے مطابق اس کی شرح اور فقہ میں ایک کتاب کافی لکھی اس کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں جو ان کے ماہر فن ہونے پر دلالت کرتی ہیں ۴۶۳ھ

میں وفات پائی۔

(۷) ابومحمد عبداللہ بن ابی زید عبدالرحمن نفزی قیروانی جو اپنے وقت میں مالکیوں کے امام اور ان کے رئیس تھے اور مذہب مالکؒ کے جامع اور ان کے اقوال کے شارح تھے اور اطراف عالم سے لوگ ان کے پاس آیا کرتے تھے ان کے برگزیدہ شاگردوں کی تعداد بہت تھی اور انھوں نے مذہب کو ملخص کیا وہ چھوٹے امام مالک کے نام سے مشہور تھے ان کی بہت سی تالیفات تھیں جن میں سے ایک نوادر ہے اور ایک زیادات تھی مدونہ اور ایک مدونہ کا خلاصہ ہے اور ایک عتبیہ کی تہذیب ہے اور کتاب الرسالۃ مشہور ہے اس کے علاوہ اور کتابیں ہیں ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابوسعید خلف بن ابی القاسم ازدی جو برادعی کے نام سے مشہور ہیں ابی محمد بن ابی زید اور قابسی کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں اور مذہب کے حفاظ میں سے ہیں اور اس مذہب میں ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں سے ایک کتاب التہذیب ہے جو مدونہ کا اختصار ہے جس میں ابومحمد کے اختصار کی طرز اختیار کی ہے لیکن انھوں نے اس کی ترتیب مدونہ کے طرز پر رکھی ہے اور جو ابومحمد نے اس کتاب میں اضافہ کیا تھا اس کو حذف کردیا ہے یہ کتاب مغرب اور اندلس معمول بہ رہی ہے۔ اور ان کی تالیفات میں کتاب التمہید بھی ہے جو مدونہ کے مسائل ابومحمد کے اختصار اور ان کی زیادات کے طرز پر ہیں اور ان کی ایک کتاب اختصار الواضحہ ہے۔

(۹) ابوبکر محمد بن عبداللہ ابہری جن کی کئی تصنیفات مذہب امام امام مالکؒ کے دلائل اور شرح میں ہیں اور مخالفین پر رد کی کتابیں بھی ہیں اور اپنے وقت میں اپنے اصحاب کے امام اور ثقہ ثابت قدم مشہور تھے بغداد میں فقہ حاصل کیا اور عبدالحکم کی مختصر کبیر اور مختصر صغیر کی شرح حسین لکھیں جو ان شہروں میں انہی کی وجہ سے امام مالک کا مذہب پھیلا اور عراق میں اپنے وقت میں امام مالک کی رائے کو قائم رکھنے والے تھے جامع منصور میں ساٹھ سال درس اور فتویٰ دیتے رہے اور مالکؒ کے تلامذہ میں عراق میں قاضی اسماعیل کے بعد ابہری کے مثل کوئی شاگرد پیدا نہیں ہوا اسی طرح ان دونوں کے طبقے میں دنیا کے کسی خطہ میں سحنون کے سوا ان دونوں کا کوئی مد مقابل نہ تھا بلکہ ان کے شاگرد سب سے زیادہ تھے اور اتباع کے لحاظ سے ان کے شاگرد دوسرے لوگوں سے افضل تھے اور ان کے طلبا سب سے زیادہ ممتاز تھے اور ابہری کی تالیفات میں مذکورہ بالا تالیفات کے علاوہ مزنی پر رد کی کتاب ہے اور

کتاب الاصول اور کتاب اجماع اہل مدینہ وغیرہ ہیں ان کی موت کے بعد امام مالکؒ کا مذہب عراق میں کمزور ہو گیا بغداد میں ۳۹۵ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

(۱۰) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف با بن ابی زمنین البیری بڑے فقہاء اور محدثین سے تھے "المغرب فی المدونہ" تصنیف کی اور اس کے اشکال کی شرح کی اور اس کے نکات میں جو تفقہ تھا اس کی وضاحت کی اور اس کے الفاظ پر غور و فکر کے بعد اس کی مرویات کو ضبط کیا مدونہ کی مختصرات میں اس کے مثل کوئی نہیں اور کتاب منتخب فی الاحکام اور کتاب مہذب وغیرہ تصنیف کیں ۳۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابو الحسن علی بن محمد بن خلف المعافری، جو ابن قابسی کے نام سے مشہور تھے، وسیع الروایۃ اور عالم بالحدیث تھے اور اس کے علل اور اس کے رجال کو جانتے تھے فقیہ اور صاحب اصول تھے کئی مفید تالیفات کیں جن میں سے ایک کتاب المہد فی الفقہ اور احکام دیانۃ اور کتاب مختصر موطا ہے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) قاضی عبد الوہاب بن نصر بغدادی مالکی، مناظرہ میں بہترین عمدہ تعبیر کرنے والے تھے ابہری کے بڑے شاگردوں سے فقہ حاصل کیا پھر بغداد میں جب ان کی مخالفت ہوئی تو مصر چلے گئے وہاں ان کی عزت کی گئی ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں ایک کتاب النصر لمذہب امام دار الہجرۃ اور المعونۃ لمذہب عالم المدینہ اور ایک کتاب الادلہ لمسائل الخلاف ہے اور رسالہ ابن ابی زید اور مدونہ کی شرحیں بھی لکھیں ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد الحضرمی المعروف بلبیدی افریقہ کے مشہور علماء سے ہیں، ابن ابی زید اور ابو الحسن قابسی سے فقہ حاصل کیا مذہب میں بہت بڑی کتاب تالیف کی جو بڑی بڑی دو سو جلدوں میں تھی جس میں مدونہ کے مسائل اور اس کی تفصیلات بھی تھی اور اس کی شاخیں نکالنے اور اصولی مسائل کی زیادتی اور نادر روایتوں میں ہے اور ایک کتاب مدونہ کے اختصار میں ہے جس کا نام ملخص ہے ۴۴۰ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

(۱۴) ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن یونس صقلی، امام و فقیہ علم فرائض کے عالم اور ہمیشہ جہاد میں مشغول رہتے بہت شجاع تھے علم فرائض میں ایک کتاب لکھی اور ایک کتاب جامع مدونہ لکھی جس میں اور اصولی مسائل درج کئے ۴۵۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابو الولید سلیمان بن خلف باجی، اندلس میں علم حاصل کیا پھر مشرق کی طرف گئے اور

وہاں بہت علم پھیلایا پھر اپنے وطن کو واپس ہوئے ابن حزم کے معاصر تھے اور ان کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں اور ابن حزم انہی کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ مالکی مذہب کے اصحاب میں قاضی عبد الوہاب کے بعد ابو الولید باجی کے مثل کوئی نہ تھا اور ان کی بہت سی تالیفات ہیں جیسے الموطا فی شرح الموطا اور کتاب المنتقی ہے کہ وہ بھی اسی کی شرح ہے دراصل وہ کتاب استیعاب کا خلاصہ ہے۔ کتاب السراج فی علم الحجاج اور کتاب مسائل الخلاف اور کتاب المہذب مدونہ کے اختصار میں ہے اور ایک کتاب شرح مدونہ ہے اور کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول وغیرہ سنہ ۴۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ابو الحسن علی بن محمد ربعی جو لخمی سے ملقب ہیں قیروان کے رہنے والے صفاقس میں آئے فقیہ فاضل تھے مدونہ پر بڑی تعلیق لکھی تھی جس کا نام تبصرہ رکھا جو بہت مفید اور اچھی ہے لیکن اس میں اکثر اختیار و تخریج سے کام لیا ہے اس لئے مذہب کے اختیارات سے نکل گئے سنہ ۴۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد قرطبی جو اپنے زمانہ میں فقہائے اندلس و مغرب کے سربرآوردہ سردار تھے ان کی صحت نظر اور عمدہ تالیف اور فقہ میں باریک بینی کا اعتراف کیا جاتا تھا ان پر روایت سے بڑھ کر درایت غالب تھی کتاب البیان والتحصیل لما فی المستخرجۃ من التوجیہ والتعلیل اور کتاب المقدمات لاوائل کتب المدونۃ لکھی اور یحییٰ بن اسحاق کی مولفہ کتابوں کا اختصار اور طحاوی کی کتاب مشکل الآثار کی تہذیب کا خلاصہ لکھا سنہ ۵۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر تمیمی مازری صقلی جو اہل افریقیہ اور اس کے علاوہ مغرب کے امام تھے اور شیوخ افریقہ میں تحقیق فقہ اور رتبہ اجتہاد اور باریک بینی کا شغل رکھنے والوں میں آخری تھے فقہ اور اصول میں شروح لکھیں اور کتاب مسلم کی شرح اور قاضی عبد الوہاب کی کتاب تلقین کی شرح لکھی۔ مالکی لوگوں کے لئے اس کتاب کی مثل کوئی کتاب نہیں اور امام حرمین کے کتاب برہان کی شرح لکھی جس کا نام محصول من برہان الاصول رکھا سنہ ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابو بکر محمد بن عبد اللہ، جو ابن عربی کے نام سے مشہور تھے معافری اشبیلی، جنھوں نے اپنے شہر میں تعلیم حاصل کی پھر بلاد مشرق کی طرف طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے ملاقات کی جن میں امام غزالیؒ بھی ہیں اور ان سے بہت فائدہ حاصل کیا اور مسائل اختلاف اور اصول و کلام کو عمدہ طور پر حاصل کیا پھر علم سے مالا مال ہو کر اندلس کو واپس ہوئے بہت سی تصانیف

کیں ان کی تصنیفات سے کتاب احکام القرآن اور کتاب المسالک فی شرح موطا مالکؒ ہے اور ایک کتاب محصول فی اصول الفقہ ہے ۵۴۳ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض یحصبی سبتی جو حدیث و تفسیر میں اپنے وقت کے امام تھے فقیہ صاحب اصول اور ان احکام کے بڑے واقف تھے جو شروط کو منعقد کرتی ہیں مذہب امام مالکؒ کے حافظ تھے۔ ان کے استادوں میں ابن رشد بھی ہیں جن کی بہت سی مفید تصنیفات ہیں جن میں سے ایک اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم اور شفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشارق الانوار فی تفسیر غریب الموطأ و بخاری و مسلم ہے اور کتاب ترتیب مدارک اور تقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک وغیرہ ہیں ۵۴۴ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) اسماعیل بن مکی عوفی، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اولاد میں سے ہیں جن کا خاندان سرحد اسکندریہ میں بڑا اور علم میں مشہور ہے اور وہی شرح تہذیب کے مؤلف ہیں جس کا نام عوفیہ ہے جس کی (۲۶) جلدیں ہیں۔ مؤلف دیباج اس کی ایک جلد پر واقف ہوا جو اس سے نقل کی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ وہ پچاس جلدوں کا ایک ٹکڑا ہے جو بڑی سائز میں ہیں جس کے ساڑھے پانچ کراسے (۲۰) سطری مسطر سے ہیں جس میں صرف سجدہ تلاوت کی بحث تھی (۷۰، ۲۹) سطر میں تھی انھوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد جو " " کے نام سے مشہور تھے ان پر روایت سے بڑھ کر درایت غالب تھی اندلس میں کوئی شخص ان کے مثل کمال علم و فضل میں پیدا نہیں ہوا اور ان کی عمدہ تالیفات میں سے کتاب بدایۃ المجتہد ورفقہ میں نہایت المقتصد ہے جس میں اختلاف کے وجوہ اور ان کی علتیں بیان کیں اور نہایت عمدہ اور مفید معلومات جمع کی ہیں اس لئے ان کے وقت میں ان سے زیادہ مفید اور بہتر طرز کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی اصول میں المستصفیٰ کا خلاصہ کیا ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابو محمد عبداللہ بن نجم بن شاس، جذامی سعدی جنھوں نے مذہب امام مالکؒ میں ایک نفیس کتاب تصنیف کی جس کا نام "الجواہر الثمینۃ فی مذہب عالم المدینۃ" رکھا اس کی ترتیب انھوں نے غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی "وجیز" کی ترتیب پر رکھی مصر میں مالکی حضرات اس کے حسن اور کثرت فوائد کی بنا پر اسی کتاب کی طرف مائل تھے ۶۱۰ھ میں وفات پائی۔

اور یہ وہ شافعی حضرات ہیں جنھوں نے اس زمانہ میں مذہب شافعیؒ تالیف اور ان کے مذہب

کو پھیلانے اور ان کے کتابوں کی اصلاح میں مشغول رہے اور اس میں امتیاز حاصل کیا ان اکثر اہل عراق
اور خراسان اور ما وراء النہر سے تعلق رکھتے ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱) ابو اسحاق ابراہیم بن احمد مروزی فتویٰ اور تدریس میں اپنے زمانہ کے امام تھے فقہ ابن
سریج سے حاصل کیا اور اس میں کمال حاصل کیا اور عراق میں ابن سریج کے بعد ریاست انہی
کو ملی بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور مزنی کی شرح لکھی اور بغداد میں ایک زمانہ تک درس و فتوی
دیتے رہے اور ان کے اصحاب میں بہت سے برگزیدہ اکابر پیدا ہوئے پھر آخر عمر میں مصر کی
طرف چلے گئے اور وہیں ۳۴۰ھ میں وفات پائی اور حضرت امام شافعیؒ کے مزار کے قریب
دفن ہوئے۔

(۲) ابو احمد محمد بن سعید بن ابی القاضی خوارزمی جو اہل علم کے خاندان سے تھے ابو بکر
صیرفی اور ابو اسحاق اور ان دونوں کے طبقوں کے علماء سے فقہ حاصل کیا اور وہ کتاب حاوی
اور عمدۃ القدیمین کے مصنف ہیں ماوردی اور فورانی نے یہ دونوں کتابیں خود انہی سے پڑھی ہیں
اور اصول میں ان کی ایک کتاب ہدایہ ہے ۳۴۰ھ کے چند سال بعد وفات پائی۔

(۳) ابو بکر احمد بن اسحاق ضبعی نیشاپوری نے فقہ میں بلند درجہ حاصل کیا اور کتاب الاحکام تصنیف
کی ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابو علی حسین بن حسین معروف بہ ابن ابی ہریرہ مشائخ شافعیہ اور ان کے ائمہ میں سے
تھے ابن سریج سے فقہ حاصل کیا اور مختصر کی شرح کی ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابو السائب عتبہ بن عبید اللہ بن موسی القاضی جو علماء ائمہ میں سے تھے اور شوافع میں
سب سے پہلے بغداد کے قاضی القضاۃ ہوئے ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۶) قاضی ابو حامد احمد بن بشر مروزی' ابی اسحاق کے شاگردوں میں سے تھے کتاب جامع
تصنیف کی جو اصول و فروع پر محیط ہے جس میں نصوص اور وجوہ مذکور ہیں شافعی حضرات کے
نزدیک یہ قابل اعتبار اور بہترین کتاب ہے مختصر مزنی کی شرح کی ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۷) محمد بن اسماعیل معروف بہ قفال کبیر شاشی جو ماوراء النہر میں شافعیوں کے بڑے فقہاء
میں سے تھے ان کی ایک کتاب اصول فقہ میں ہے اور رسالہ کی شرح کی ہے اور انہی کے ذریعہ
ماوراء النہر میں فقہ شافعی کی اشاعت ہوئی ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

(۸) ابو سہل محمد بن سلیمان صعلوکی' ابی اسحاق مروزی سے فقہ حاصل کی پھر نیشاپور واپس گئے

وہاں درس و فتوی دیتے رہے ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔

(۹) ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ داد کی جنھوں نے نیشاپور میں تعلیم حاصل کی اور ابی اسحق مروزی سے فقہ حاصل کیا اور انہی سے عام مشائخ بغداد نے علم حاصل کیا ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابوالقاسم عبدالواحد بن حسین صیمری، مذہب کے حافظ بہترین اور قابل مصنف تھے انہی سے ایک جماعت نے علم حاصل کیا ماوردی نے بھی ان سے علم حاصل کیا ان کی تصنیفات میں الافصاح فی المہذب اور کتاب الکفایۃ اور کتاب فی القیاس والعلل، اور آداب مفتی و مستفتی ہیں ایک کتاب الشروط میں ہے ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) ابوعلی حسین بن شعیب سنجی، خراسان کے بڑے عالم تھے سب سے پہلے انھوں نے ہی عراق اور خراسان کے دونوں طریقوں کو جمع کیا اور وہ قاضی حسین قفال کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں مختصر کی شرح لکھی اور اسی کا امام حرمین نے مذہب کبیر نام رکھا ابن القاص کی تلخیص اور ابن الحداد کے فروع کی شرح لکھی اور ۴۰۲ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) ابوحامد بن محمد اسفرائنی طریقہ عراق کے شیخ مذہب کے حافظ اور امام تھے مرزبانی سے سے فقہ حاصل کیا اور ائمہ کبار میں شمار ہوئے اور دین و دنیا کی ریاست بغداد میں انہی کو ملی مزنی کی شرح میں ان کی طرف سے تعلیقات لکھی گئی ہے یہ ابوعبداللہ صیمری کے معاصر تھے جو اپنے زمانہ میں اصحاب ابوحنیفہ کے امام تھے اور قدوری نے انہی کے حق میں لکھا ہے کہ وہ شافعیؒ سے زیادہ فقیہ اور صاحب نظر تھے ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوالحسن احمد بن محمد ضبی المعروف بہ ابن المحاملی شیخ ابوحامد کے بڑے شاگردوں میں سے تھے مجموع اور مقنع اور لباب وغیرہ تصنیف کیں اور شیخ ابی حامد کی طرف سے ان کی ایک تعلیق ہے جو انکی طرف منسوب ہے ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) عبداللہ بن احمد المعروف بہ قفال صغیر خراسان کے بڑے فقہاء میں سے ہیں اور ان کا طریقہ مذہب شافعی میں تہذیب کیا ہوا ہے جس کو ان کے شاگردوں نے ان سے سیکھا جو نہایت مضبوط اور تہذیباً واضح اور کثرت تحقیق کا ہے اور وہ خراسان میں ایسے ہی تھے جیسے ابی حامد اسفرائنی عراق میں تھے۔ ۴۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) ابواسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائنی جو ائمہ شافعیہ کے بڑے اماموں میں سے ہیں اصول فقہ میں اپنی تعلیق تصنیف کی نیشاپور میں ۴۱۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ابوالطیب طاہر بن عبداللہ طبری، بڑے امام ہیں بغداد میں علمی ریاست کا ان پر خاتمہ ہوا عراقیوں نے انہی سے علم حاصل کیا۔ مزنی کی شرح کی، اختلاف اور مذہب اور جدال کے بارہ میں بہت سی بے نظیر کتابیں تصنیف کیں قاضی صیمری کے بعد ربع کرخ کے قاضی ہوئے، ابی الحسن طالقانی اور قدوری کے ساتھ ان کے بہت سے مناظرے ہوئے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالحسن علی بن محمد ماوردی مصنف حاوی، واقناع فقہ میں احکام سلطانیہ وغیرہ، بصرہ میں صیمری کے پاس فقہ حاصل کی پھر شیخ ابی حامد اسفرائینی کے پاس گئے اور دونوں شہروں میں درس دیا اور ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸) ابوعاصم محمد بن احمد ہروی عبادی مصنف زیادات ومبسوط وہادی وادب قضاۃ جو مشکل عبارت اور پیچیدہ بات کرنے میں مشہور تھے اور اس میں وہ اپنے استاد ابی اسحاق کے نقش قدم پر تھے ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۹) ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد فورانی مروزی مصنف ابانہ وعمدہ وغیرہ تصانیف، جوابی بکر قفال کے بڑے شاگردوں میں سے تھے اور اہل مرو کے شیخ تھے ۴۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) ابوعبداللہ قاضی حسین مروروذی، انھوں نے قفال سے فقہ حاصل کیا حرمین میں استاذ تھے ۴۶۲ھ میں وفات پائی۔

(۲۱) ابواسحاق ابراہیم بن علی فیروزآبادی شیرازی جو فقہ میں تنبیہ وتہذیب کے مصنف تھے اور اختلاف میں نکت اور لمع اور اس کی شرح کے اور اصول فقہ میں تبصرہ کے اور جدال میں ملخص اور معونہ کے مصنف تھے اور فصاحت اور مناظرہ میں ضرب المثل تھے کہتے ہیں کہ وہ فقہ کے اصول بتانے اور اس کی فروع نکالنے میں ابن سریج کے قائم مقام تھے اور طلباء کی کثرت میں بھی انہی کی طرح تھے اور ابی عبداللہ دامغانی حنفی کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے ۴۷۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۲) ابونصر عبدالسید بن محمد ابن صباغ کے نام سے مشہور تھے اور شامل، کامل، عدۃ العالم طریق السالم، کفایۃ المسائل اور فتاوی کے مصنف تھے بغداد میں شافعیوں کی ریاست ان کو ملی اور وہ ابواسحاق شیرازی کے مثل تھے اور سب سے پہلے انھوں نے ہی نظامیہ بغداد میں درس دیا ۴۷۷ھ میں وفات پائی۔

(۲۳) ابوسعد عبدالرحمن بن مامون متولی مصنف تتمہ جس کو اپنے شیخ فورانی کی کتاب ابانہ

پر تصنیف کیا جس میں حدود تک پہونچے اور فرائض میں ان کی ایک مختصر کتاب ہے اور اختلاف میں ایک کتاب ہے شیخ ابی اسحاق کے بعد انھوں نے نظامیہ میں درس دیا ۴۸۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۴) ابو المعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی مشہور بہ امام الحرمین اپنے والد سے فقہ حاصل کی اور نیشاپور کے بلکہ پورے مشرق کے فقہ اور اصول اور کلام میں امام مانے گئے اور مکہ میں چار سال مجاورت کی اور یہیں سے آپ کو امام الحرمین کا لقب حاصل ہوا نیشاپور واپس گئے تو نظام الملک نے ان کے لئے مدرسہ نظامیہ بنایا اور ان کی تصنیفات میں سے فقہ میں نہایہ ہے ابن سبکی کے قول کے مطابق مذہب میں اس کی مثال نہیں ہے اور اصول فقہ میں برہان اور مذہب شافعی کی ترجیح میں مغیث الخلق تصنیف کی جس پر ان کے معاصر ابو اسحاق شیرازی نے بہت تعریف کی ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔

(۲۵) ابو المحاسن عبدالواحد بن اسماعیل رویانی مصنف بحر جو ائمہ مذہب میں سے ایک امام ہیں حفظ میں ضرب المثل تھے اور نظام الملک ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اور طبرستان اور اس کے دیہات میں سے رویان کے قاضی ہوئے ۵۰۲ھ میں قتل کئے گئے ان کی تصنیف بحر سے ماوردی کی حاوی مراد ہے البتہ اس کے ساتھ کچھ فروع جو اپنے والد اور دادا سے انھوں نے حاصل کیا تھا شامل کی ہیں۔

(۲۶) حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوس میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے امام الحرمین سے فقہ حاصل کی اور خوب کوشش کے بعد مذہب اختلاف اور جدال اصول فقہ و حدیث و منطق میں کمال حاصل کیا اور حکمت و فلسفہ پڑھا' امام الحرمین ان کی تعریف بحر زخار کے نام سے کرتے تھے امام الحرمین کی وفات کے بعد بغداد گئے اور نظامیہ کے متولی ہوئے فقہ میں مذہب میں بسیط و وسیط و وجیز و خلاصہ اور اصول فقہ میں مستصفی اور منخول اور بدایۃ الہدایہ اور خلافیات میں مآخذ' اور مسائل تعلیل کے بیان میں شفاء العلیل اور اس کے علاوہ مختلف علوم میں کتب تصنیف کیں[1]' طوس میں ۵۰۵ھ میں وفات پائی امام غزالی کے بعد ان کا مثل پیدا نہیں ہوا۔

(۲۷) ابو اسحٰق ابراہیم بن منصور بن مسلم عراقی فقیہ مصری شارح مہذب امام و خطیب جامع عتیق مصر' طلب علم میں پہلے عراق گئے پھر مصر آئے اسی لئے وہ عراقی مشہور ہوئے اور قاہرہ میں

---

[1] معلوم نہیں مصنف نے امام غزالی کی مشہور ترین کتب احیاء العلوم اکسیر ہدایت منہاج العابدین کا ذکر کیوں مناسب نہیں سمجھا حالانکہ یہ دنیا کی مشہور ترین کتب انہی کی تصانیف میں سے ہیں ۱۲ منہ محمد رشی۔

نہایت معظم و محترم سمجھے جاتے تھے وہاں کے فقہاء نے ان سے علم حاصل کیا ۵۹۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۸) ابوسعد عبداللہ بن محمد بن ہبۃ اللہ المعروف بہ ابن ابی عصبرون تمیمی موصلی دمشق میں آئے اور وہاں کے قاضی القضاۃ ہوئے موصل میں فقہ حاصل کی پھر بغداد میں پھر موصل میں درس دیا اور اخیر میں دمشق منتقل ہوئے اور وہاں ۵۷۳ھ میں قاضی مقرر ہوئے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے صفوۃ المذہب علی نہایۃ المطلب سات جلدوں میں ہے اور کتاب الانتصار و مرشد و ذریعہ فی معرفۃ الشریعۃ اور اختلاف میں تیسیر ہے اور ایک کتاب الارشاد فی نصرۃ المذہب ہے جس کی انھوں نے تکمیل نہیں کی اس کے علاوہ اور تصنیفات بھی ہیں

(۲۹) ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد قزوینی رافعی جنھوں نے العزیز فی شرح الوجیز لکھی جس کو بعض لوگ فتح العزیز بھی کہتے ہیں اور "محرر" تصنیف کی اور مسند شافعی کی شرح لکھی اور اس کے علاوہ اور کتابیں لکھیں۔ ان کی کتاب فتح العزیز ہی ان کے شرف کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ ان کتابوں میں سے ہے جس کی مثال نہیں واقعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے یگانہ لوگوں میں سے تھے اور فقہ میں عمدۃ المحققین تھے درجہ اجتہاد تک پہونچے ہوئے تھے ان کی وفات ۶۲۳ھ میں ہوئی۔

(۳۰) محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری نووی ۶۳۱ھ نوی میں پیدا ہوئے اور وہ محققین میں سے آخری تھے۔ اور شافعی کے اصحاب میں ان کا درجہ اجتہاد کا ہے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے انھوں نے کتاب روضہ تصنیف فرمائی جو رافعیؒ کے شرح کبیر کا اختصار ہے، اور اس سے اپنی کتاب منہاج کا خلاصہ کیا۔

چھٹا دور

بغداد کی فتح سے جو ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوئی اب تک

اور یہ دور تقلید محض کا ہے

سیاسی پس منظر

ترکی یا طورانی اقوام بہت بڑی قومیں اور مختلف قبائل سے مرکب ہیں اسلامی بلاد میں ان کے داخل ہونے کے اسباب مہیا ہوئے تو وہ اصلی شہروں کے علاوہ بہترین اسلامی مقامات پر قابض ہو گئے کوئی طاقت انکی پیش قدمی کو نہ روک سکی حتی کہ وہ بلاد شام تک پہونچ گئے پھر مصریوں نے عین جالوت پر ان کا مقابلہ کیا جن کی قیادت مظفر قطز کر رہا تھا جو ممالیک بحریہ کے بادشاہوں کا تیسرا بادشاہ تھا اس نے ان کو بری طرح شکست دی جس کی وجہ سے مصر و شام ان کے غلبہ سے محفوظ رہا باوجود ان کی مکمل فتح مندیوں اور اکثر اسلامی شہروں پر ان کے قبضہ کے قوتِ اسلام نے ان کو اپنا مطیع بنالیا اور وہ مسلمان ہو گئے مسلمان ہونے میں ان کی شمالی قسم جو نہراتل میں سرائے میں تھی اور قسم شمالی جو بغداد اور بلاد فارس میں تھی اور قسم غربی بغداد و ایران میں تھی مگر قسم اول اسلام کی طرف ایک صدی پیشتر سبقت کر چکی تھی اور مصر و شام پر جو عنصر غالب تھا وہ بھی ترکی عنصر ہی تھا اور وہی ممالیک کے نام سے مشہور تھے اور اسی بنار پر تمام بلاد اسلامیہ میں بجز بلاد مغرب کے جہاں مغربی برابرہ کی حکومت تھی ترکوں کی سلطنت ہو گئی اور آٹھویں صدی کے شروع میں ترکی ایشیا میں ایک شخص عظیم الہمۃ اور بہادر پیدا ہوا جس کا نام عثمان کحق تھا جو ترک قبیلہ کا سردار تھا اس نے اپنی قوم کے لئے آل سلجوق کے ویرانوں پر جو وسط ایشیا میں موجود تھے ایک حکومت کی بنیاد ڈالی اور وہ اور اس کی اولاد اس کے بعد اپنے پڑوس کے چھوٹے ممالک پر غالب ہوتے رہے حتی کہ ان کی ایک بڑی حکومت قائم ہو گئی پھر وہ بذات خود یورپ پر حملہ آور ہوئے اور اس کے بڑے حصہ پر قابض ہو گئے اور نویں صدی کے نصف پر ان کے ہاتھ پر شہر قسطنطنیہ فتح ہو گیا جو بعد میں ان کی حکومت کا دار الخلافہ بنا پھر انھوں نے اسلامی بڑی حکومتوں پر حملہ کیا جن میں سب سے بڑی حکومت مصر کی تھی جو خلافت اسلامیہ عباسیہ کا دار الخلافہ تھا اس پر بھی غالب آگئے اور آخر

خلفار عباسیین کو انھوں نے ہٹا دیا اور اس کے بعد ان کے بادشاہ خلفار کہلانے لگے اور اس طرح خلافت قاہرہ سے قسطنطنیہ منتقل ہو گئی اور مصر عثمانی حکومت کے تحت ہو کر ایک دم اپنے مقام سے سیاسی و علمی طور پر گر گیا لیکن دولت عثمانیہ بڑھنے لگی اور قوت اس کو مدد دینے لگی حتیٰ کہ اس کی سلطنت کے تحت بڑی اسلامی حکومتیں آگئیں اور اپنی عظمت کے بڑے زمانہ میں اسلام کا چراغ بلاد اندلس میں بجھ گیا جبکہ وہ تقریباً آٹھ صدی تک اس کو علم و ادب سے منور کر رہا تھا اور تیرھویں صدی کے شروع میں قضا و قدر نے مصر کے لئے ایک مرد مہیا کر دیا جو مرتبہ کے لحاظ سے بھی بڑا تھا اور انتہائی صائب الرائے تھا وہ محمد علی تھا مصر نے اس کو اپنا حاکم منتخب کر لیا اور اپنی کشتی کا ناخدا تجویز کر لیا اور اس وقت سے وہ اپنی طاقت کو واپس حاصل کرنے اور اپنی جگہ لوٹانے کی کوشش میں مصروف ہے اسی زمانہ میں یورپ نے اسلام کے غلبہ کا مقابلہ شروع کیا اور علم نے اکثر اس کے ارادوں کو کامیاب کر دیا اور اس جنگ کا سلسلہ جاری ہے اور ہم نہیں جانتے کہ آخری کامیابی کس کو حاصل ہوگی۔

اس زمانہ میں اجتہاد

اس زمانہ میں لکھنے کے لئے کوئی چیز مجھے صاف اور واضح نظر نہیں آتی۔ یہ واضح نہیں ہے کہ میں اس دور میں اجتہاد کی ہوائیں اس زمانہ میں رکی ہوئی ہیں اور اس میں وہ باتیں نہیں ملتیں جو لکھنے والے سے لکھوائیں اور یا کہنے والا اس کو کہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ پہلے دور میں تو اللہ تعالیٰ اپنی شریعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرما رہا تھا اور وہ ان احکام کی جو اللہ تعالیٰ نازل فرما رہا تھا تبلیغ فرما رہے تھے اور لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہے تھے اور دوسرے و تیسرے دور میں صحابہ اور تابعین استنباط کے طریقے اللہ کی کتاب اور سنت رسول اور رائے صحیح سے ظاہر کر رہے تھے اور چوتھے زمانہ میں بڑے بڑے علمار اور چوٹی کے فقہار اس پھل کو چن رہے تھے اور احکام شریعت کو مفصل طریقہ پر مدون کر رہے تھے اور پانچویں دور میں ترتیب و تہذیب اور اختیار و ترجیح ہو رہی تھی تو اس دور کے متعلق جو آخری ہے کہنے والا کیا کہے۔ اور اس میں امتیاز کی کوئی چیز نہیں لیکن جب ہم نے اس دور کو دیکھا کہ ہم کو اس میں اٹھنے اور اپنے سلف صالح کے اقتدار کی ضرورت ہے تو ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اس میں جو عیب ہیں ان کو ظاہر کر دیں اور جب عیوب ظاہر ہوں تو صاحبان فکر و قدرت کے لئے ممکن ہوگا کہ اس کے علاج کے لئے کھڑے ہوں۔

اس زمانہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ علمار کے نفوس میں تقلید محض کی روح

بیٹھ گئی ہے ان میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جاتا جس کے نفس نے اس کو اجتہاد کے رتبہ پر پہنچایا ہو بجز چند کے اور وہ بھی اس دور کے پہلے نصف میں تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ قاہرہ نے بغداد کی جگہ لی اور مملکت اسلامیہ کا مستقر اور خلافت عباسیہ کا دار الخلافہ بنا تو اس زمانہ میں ہر وقت ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو اس رتبہ پر پہونچے لیکن اس کے باوجود وہ مشہور و معروف ائمہ کی طرف منسوب ہونے سے آگے نہ بڑھ سکے لیکن نصف ثانی میں جو دسویں صدی کی ابتدا سے اس وقت تک کا ہے حال بدل چکا ہے اور نشانات میں تغیر واقع ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ کسی فقیہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی بات پسند کرے یا کسی کو ترجیح دے ان کا زمانہ گزر گیا اور لوگوں کے اور متقدمین کی کتابوں کے درمیان حدفاصل قائم ہو چکی ہے اور ان کو صرف ان کتابوں پر اکتفا کرنا چاہئے جو ان کے سامنے ہیں عنقریب ہم ذیل میں ان کا حال بیان کریں گے۔

جب ہم اس حالت کی طرف رجوع کرتے ہیں جب مصرانی مملکت کے سقوط اور اس سے خلافت منتقل ہونے کے پہلے تھا تو ہم کو حسب ذیل نام ملتے ہیں عز ابن عبد السلام۔ ابن حاجب۔ ابن دقیق العید۔ ابن رفعۃ۔ ابن تیمیہ سبکی اور ان کے فرزند اور ابن قیم اور بلقینی اور اسنوی اور کمال ابن ہمام اور جلال الدین محلی اور جلال الدین سیوطی یہ چاروں مذاہب کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ پھر ہم اس کے بعد نظر دوڑاتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ کسی بڑے عالم یا بڑے فقیہ یا محترم مؤلف کو ہی نہیں پاتے بلکہ ہم ایک قوم کو پاتے ہیں جس پر فقہ میں قناعت نے غلبہ حاصل کیا اس میں بہت ہی کم ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے مذہب کے علاوہ مشغلہ رکھتے ہوں اور جب اپنے مذہب کا مشغلہ رکھے گا تو انہی کتابوں پر اکتفا کریگا جو اس قدر مختصر ہیں گویا کہ وہ سمجھنے کے لئے ہی نہیں لکھی گئیں گویا سیاسی سقوط علم پر گرا اور خصوصاً دینی علم کو انتہائی گہرے غار میں گرا دیا اور جب مصر اپنی بزرگی واپس لینے لگا تو اس کو وہ مواقع پیش آئے جو ہم عنقریب بیان کریں گے۔

اسلامی شہروں کے علماء کے درمیان تعلقات کا انقطاع گزشتہ زمانوں میں کسی فقیہ کو فقیہ کا لقب پورے طور پر نہ ملتا تھا اور نہ اس کا کامل احترام ہوتا تھا جب تک کہ وہ سفر نہ کرے اور اپنے شہر کے علماء کے علاوہ دوسرے شہروں کے علماء سے ملاقات نہ کرے اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو ان کے شہروں میں رہنے کے باوجود ان کی جلالت قدر علمی تبحر کا اعتراف کیا گیا ہو دیکھو جلیل القدر ائمہ و محدثین کو کہ تم ان سب کو سیاحان عالم میں سے پاؤ گے آج کسی شہر میں ہیں تو کل حدیث و فقہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے شہر میں ہیں غرض علم کی پیاس بجھانے کے لئے شہر شہر پھرتے مکہ مکرمہ ان کو موسم حج میں جمع کر دیتا

تھا تاکہ ہر ایک دوسرے سے اس کے پاس جو کچھ حدیث وفقہ اور رائے کا علم ہے حاصل کر سکے اور اسی بنا پر ایک زمانہ کے تمام علماء میں تعارف مکمل ہو جایا کرتا تھا اور یہ ان کے معلومات میں اضافہ کا اور آپس میں محبت کی تقویت کا باعث ہوتا باوجودیکہ اس میں ان کو سفر کی شدتیں برداشت کرنا پڑتیں لیکن اس دور میں خصوصاً آخری زمانہ میں تمام شہروں کے علماء میں تعلقات کٹ گئے چنانچہ ایک مصری عالم ہندوستانی عالم کا نام نہیں سن سکتا تھا اور یہ مغربی عالم کو نہیں جانتا تھا اور اسی طرح ہر شخص، البتہ ان میں سے جس کی کتاب نقل کی جائے تو اس وقت وہ اس کا نام سنتا بعض اوقات ان کی کتاب مشہور ہو جاتی اور بہت زیادہ واقعات موسم حج میں اس کے ہوتے کہ بعض علماء جو مختلف شہروں کے ہوتے وہ ایک دوسرے سے ملاقات کا اہتمام نہ کرتے یا اس سے روایت کی پروا نہ کرتے اور اس طرز عمل نے علوم اسلامیہ شرعیہ پر بلکہ متقدمین کے ان علوم پر جن میں روایت اور ملاقات کی ضرورت ہوتی ضعف ڈال دیا، یہ کافی نہیں کہ کسی عالم کی کتاب سے کوئی فائدہ حاصل کر سکے اس لئے کہ کتاب خاموش اور بیجان چیز ہے لیکن ملاقات ذہن کو تیز اور فکر کو بار آور کر دیتی ہے کیونکہ اس میں بحث اور گفتگو کرنے کا موقع ملتا ہے، ہم اس وقت دس صدی پہلے کی حرکت علمیہ کا وہ حال جانتے ہیں جس سے کم مثلاً اس وقت ہندوستان میں نہیں جانتے۔

ہمارے اور ائمہ کی کتابوں میں تعلقات کا انقطاع

یہ بڑی کتابیں جن کو قضا و قدر نے باقی رکھا ہے یہ اسلاف کی کتابیں ہیں اور یہ آثار قدیمہ کی ایک نشانی رہ گئی ہیں کہ زمانہ قدیم سے نہ کوئی اس کی پروا کرتا ہے اور نہ اس کا درس دیا جاتا ہے یہ کتب محمد بن حسنؒ اور محمد بن ادریس شافعیؒ اور مالک بن انسؒ جیسے ائمہ اور ان کے شاگردوں کی کتابیں ہیں بلکہ پانچویں صدی تک کے ائمہ کی کتابیں ہیں اور یہ کتابیں وہ ہیں جو روح کو غذا پہونچاتی ہیں اور ہمت کو بلند کرتی ہیں اور فقیہ کو کامل بناتی ہیں بہت کم کسی عالم کو پاؤ گے کہ وہ اس کے درس کا التزام کرتا ہو یا اس کی اطلاع بھی رکھتا ہو بلکہ تم بڑے علماء کو پاؤ گے کہ ان کے نام بھی نہیں جانتے اور ان کتابوں میں سے کوئی کتاب اگر تمہارے ہاتھ میں آ بھی جائے تو ان میں سے کوئی بہت کم اس کے پڑھنے کا اہتمام کریگا اور انھوں نے ان کتابوں پر قناعت کر لی جو تنزل کے زمانہ میں لکھی گئی ہیں اس لئے ہمارے اور ان علماء کی کتب کے درمیان انقطاع تعلق ہو گیا صحیح و مفید روایت کے حاصل کرنے میں سوائے اس کے کہ کسی انسان کو اس کی ہمت و توجہ دلائے کہ وہ عام یا خاص کتب خانوں میں ان سے واقفیت حاصل کرے حالانکہ جب تم ان کتابوں اور متداول کتابوں کو ملا کر دیکھو گے تو تم عبارت کے سلیس ہونے اور تحریر کی پاکیزگی اور ماخذ کی سہولت میں بہت بڑا فرق پاؤ گے لیکن ہمتوں کے فتور اور ارادوں کے ضعف نے ہم کو بٹھا دیا اور عجب نہیں کہ ہم کو یہ امر

تباہ کردے۔

مجھ سے شیخ محمد محمود بن تلامیذ ترکزی شنقیطی نے جبکہ میں نے ان سے پہلی بار ملاقات کی سوال کیا تھا کہ تم نے کس سے ادب عربی سیکھی تو میں نے انکو جواب دیا کہ یا سیدی کتابوں سے تو فرمایا کہ کتابیں معلم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تو میں نے ان سے کہا یا سیدی میں کیا کروں کیونکہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہیں تو اب نہ کوئی معلم رہا اور اسناد کا پہونچانے والا لیکن جب کہ میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کو کافی سمجھا تو شیخ کا چہرہ میرے جواب سے چمک اٹھا اور فرمایا انشاء اللہ انشاء اللہ انشاء اللہ اور اگر شیخ رحمۃ اللہ تھوڑا سا غور فرما لیتے تو ہمارے لئے اس عذر کو قبول فرما لیتے اس لئے کہ اندھیری کا زمانہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے علم کے درمیان حائل ہو گیا ہے بجز اس تھوڑے کے جو پیاس کو بجھاتا ہے اور نہ بیماری کو شفا دیتا ہے لہذا ہم کس قدر اس ہمت کے محتاج ہیں جو ان کتب کو ان کی خواب گاہوں سے اٹھائے اور رخ ان کی طرف پھیر دے تاکہ علوم اسلامیہ میں ہمارے مدارج بلند ہوں اور اگر ہم سے یہ ہو سکا تو ہم کہہ سکیں گے کہ ہم بھی علماء ہیں۔

اختصار کی وجہ سے مطالب میں خلل

اختصار صرف اسی زمانہ کی بدعتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ چوتھے دور میں بھی موجود تھی کیونکہ ائمہ کے شاگردوں نے ان کے کلاموں کا اختصار کیا اور اختصار کا طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ ان مسائل کو جن کی زیادہ ضرورت نہ ہوتی انکو حذف کر دیا اور ائمہ نے جن مسائل کو غیر مرتب لکھا تھا اس کو مرتب کر دیا اور جلیل القدر علماء نے بھی اس معاملہ میں ان کی تقلید کی لیکن اسی دور کے آخر میں اختصار کی ایک نئی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ شکل یہ تھی کہ بہت سے مسائل کو تھوڑے الفاظ میں جمع کر دیا جاتا اور چونکہ عربی کلام کا ان کو پورا سلیقہ نہ تھا اس لئے ان کا کلام ایک معمہ یا چیستان بن کر رہ گیا گویا مؤلف ان مسائل کو اس لئے نہیں جمع کرتا تھا کہ سمجھا جائے بلکہ محض اس لئے کہ مسائل جمع کر دے اور اس اختصار کا نمونہ دکھانے کے لئے میں ایک فصل تین کتابوں سے ایک ہی موضوع پر نقل کرتا ہوں یہ تینوں کتابیں ان مشہور کتابوں سے ہیں جو طالبان علم فقہ کی مشہور اور متداول رہی ہیں اور یہ موضوع اس پانی کے متعلق ہے جس سے طہارت جائز ہے یا نہیں۔ خلیل اپنی مختصر میں لکھتے ہیں

• ناپاکی اور نجاست کا حکم مطلق سے اٹھ جاتا ہے اور وہ وہ ہے جس پر پانی کا نام صادق آجائے بغیر کسی قید کے تو اگر شبنم سے جمع کرے یا اس کے جمنے کے بعد پگھل جائے یا جانور کا یا

حائضہ کا یا ناپاک کا جھوٹا ہو یا ان دونوں کی طہارت سے بچا ہوا ہو یا بہت ہو اور ایسی نجاست سے مل گیا ہو جس نے اس کو بدل دیا ہو یا اس کے بدلنے والے میں اس کا شک ہو کہ وہ نقصان کرتا ہے یا نہیں یا چپکنے والے تیل کی قربت سے بدل گیا ہو یا تارکول کی بو سے جو کسی مسافر کا برتن ہو یا اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز سے یا اس کے تہ نشین میں یا کسی ڈالی ہوئی چیز سے خواہ وہ قصداً ہی کیوں نہ ہو مٹی یا نمک سے اور زیادہ راجح نمک سے "سلب" ہے نہ اس چیز سے جو رنگ یا مزہ یا بو کو بدلنے والی ہو اس چیز سے جو غالباً اس سے جدا ہو خواہ طاہر ہو یا نجس جیسے ملا ہوا تیل یا مصطگی کا دھواں اور اس کا حکم مثل اس کے بدلنے والے کے ہے اور اس کو نقصان کرتا ہے آب کشتی کے اونٹ کی رسی سے بدلنا جیسے حوض جانور کے گوبر سے یا کنواں درخت کے پتوں یا گھاس سے اور جنگل کے کنوئیں ان دونوں سے جواز ظاہر ہے اور موافق ملنے والے کو مخالف کے مثل بنانے میں تامل ہے اور اس پانی سے پاکی ہے جو منہ میں ڈالا گیا ہو دو قول ہیں اور حدث میں جو پانی استعمال کیا گیا ہے اس سے پاکی کرنا مکروہ ہے اور اس کے غیر میں تردد ہے اور تھوڑا پانی جیسے غسل و وضو کا برتن ایسے نجس سے جس نے تغیر نہ کیا ہو یا اس میں کتے نے منہ ڈال دیا ہو اور ٹھیرا ہوا پانی جس میں غسل کیا جاتا ہو اور شراب پینے والے کا جھوٹا اور جس میں اس کا ہاتھ پڑ گیا ہو اور جو نجس پانی سے بے میل نہ ہو اس سے بچنا مشکل ہو تو نہیں یا وہ کھانے کی قسم سے ہو جیسے کشمش اور اگر اس کے استعمال کے وقت اس کے منہ پر سیرابی حاصل کی جائے تو اس پر عمل کیا جائیگا اور اگر جنگلی جانور جس کا خون بہتا ہو کسی ٹھیرے ہوئے پانی میں مر جائے اور وہ پانی متغیر نہ ہو تو ان دونوں کے برابر پانی کا نکالنا مستحب ہے اگر وہ مرنے کے بعد گرے اور اگر نجاست کا تغیر زائل ہو جائے نہ کہ مطلق کثرت کی وجہ سے تو طہارت اس سے مستحسن ہے لیکن اس سے طہارت نہ کرنا زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔ اور خبر واحد قبول کی جائیگی اگر اس کی وجہ ظاہر کرے یا یہ کہ دونوں متفق المذہب ہوں ورنہ کہا کہ اس کا ترک مستحسن ہے اور نجاست پر پانی کا آنا اس کے عکس کے مثل ہے۔

اور زکریا انصاری اس مسئلہ کو اپنی منہج میں اس طرح لکھتے ہیں۔ بہنے والے مطلق پانی سے طہارت کی جائے گی اور وہ وہ ہے جس کو پانی کہا جاتے بغیر کسی قید کے تو جو پاک ملنے والی چیز سے متغیر ہو جائے جس سے تغیر مستغنی نہ ہو تو وہ نام کو بدل دیگا اور پاک کرنے والا نہ ہوگا نہ کہ مٹی اور پانی کا نمک اگرچہ اس میں ڈال دئے جائیں اور مکروہ ہے سخت گرمی اور سردی والا اور دھوپ کا پانی اس کے شروط کے ساتھ اور فرض میں مستعمل پاک کرنے والا نہ ہوگا اگرچہ قلیل ہو۔ اور پانی کے دو قلے نجس

نہیں ہوتے تھے اور وہ دو قلے تقریباً پانچسو رطل بغدادی ہیں کسی نجس کے ملنے سے تو اگر وہ اس کو متغیر کر دے تو نجس ہے تو اگر اس کا تغیر بنفسہ زائل ہو جائے یا کسی پانی سے تو پاک ہو جائیگا۔ اور ان کے سوائے نجس ہوگا۔

مرنے سے جس کا خون نہ بہتا ہو اور نہ ڈالا گیا ہو[1] یہ وہ تین کتابیں ہیں جو ہمارے زمانے کے تینوں مذاہب میں سے کسی ایک میں طالب علم کو عالم بناتی ہیں جن کو تعبیر کے لحاظ سے دیکھو تو وہ خود تنہا سمجھ میں نہیں آتیں۔ اسی لئے وہ شروح کی محتاج ہوگئیں اور شروح حاشیہ کی محتاج ہوئی۔ اور تمہارے دل میں یہ خیال نہ گزرے کہ اس موضوع کو دو ہفتوں سے کم میں پڑھا جا سکتا ہو اور یہ وقت بھی مصنف کے مقاصد کے سمجھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتابیں دلائل سے خالی نہیں اسی لئے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ میں سوائے اس فرق کے کچھ نظر نہیں آتا کہ تعلیم یافتہ وہ مسائل جانتا ہے جو غیر تعلیم یافتہ نہیں جانتا لیکن یہ کہ امام نے مسئلہ کس دلیل سے لیا ہے تو اس سے وہ کورے رہیں گے۔ حالانکہ فقہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور بلحاظ ضرورت ان میں کوئی اثر تمام ائمہ کے خلاف کے لئے نہ پاؤ گے اور یہ چیز طالب العلم پر جس فہم کا دروازہ بند کر دیتی ہے اور اسی چیز نے فقہا کو ہمارے درمیان کم درجہ کر دیا ہے بلکہ وہ عوام سے قریب ہو گئے ہیں حنفیہ کی بعض متداول کتابیں جیسے ہدایہ اور اس کی شروح ہدایہ ان میں بلاشبہ دلائل اور اختلافات سے بحث کی گئی ہے۔ لیکن شوافع اور مالکی مذہب کی کتابوں میں یہ بات نہ ملے گی۔

کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کی حد پر ٹھہر گئے تو اس سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں رہا اور فقہ کی تعلیم پانے والے کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کتنا ہی عالی مرتبت کیوں نہ ہو جائے لیکن اپنے امام سے بڑھ سکے اور مذہب میں اگر دو قول ہوں تو کسی کو ترجیح دے سکے کیونکہ ترجیح دینے والوں کا بھی زمانہ گزر چکا تو پھر دلیلوں میں مشغول ہونے یا دوسرے ائمہ کی رایوں پر اطلاع حاصل کرنے سے کیا فائدہ۔

ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت بہتر ہوتا جبکہ طالب معرفت عوام سے ہوتا جو احکام میں سے کسی حکم کو جاننا چاہیں لیکن جو لوگ فقہاء بننا چاہیں تو ان کا درجہ یہ ہے کہ وہ جان لیں کہ ان کے امام نے حکم کہاں سے لیا اور اگر وہ اپنے مخالف کی رائے اور ماخذ اور استنباط کا طریقہ

---

[1] یہ بالکل غیر مفہوم اور معلق عبارتیں ہیں اسلئے ہم یہاں بقیہ ایک کتاب کا ترجمہ چھوڑ رہے ہیں۔ مترجم۔

بھی معلوم کرلیں تو اس طرح ان کی معلومات اور علم میں بھی ترقی ہوگی تو ان کا درجہ ان کے سلف سے کون کم کر سکتا ہے جو اپنے لئے انہی اقوال کو منتخب کر لیا کرتے تھے جس کو اس مذہب کے لوگوں نے کہا جس کی وہ تقلید کرتے اور فقیہ کا درجہ جب اس مرکز پر ٹھہر گیا جس پر عوام ہیں تو وہ یقیناً قانون شرعی کے ضعف کی دعوت دے گا اس لئے کہ ایسی فقہ کو جاننے والوں کی نہ کوئی فکر ہوگی نہ رائے اور یہ بات جیسا کہ ہم آثار دیکھ رہے ہیں اس کے حقیقت کی گواہی دیتے ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی اگر وہ تمام کتابیں جو اسلامی رفعت کے زمانہ میں لکھی گئی ہوں یعنے جو چوتھے اور پانچویں دور میں لکھی گئی ہوں وہ گم ہوگئی ہوں اور طالبان کے ہاتھوں میں کچھ نہ باقی رہے سوائے ان کتابوں کے جو زوال اور زبان عربی کے ضعف کے زمانہ میں لکھی گئی ہوں تو طلبار کے لئے اس کی اصلاح ضروری ہوگی جبکہ وہ خلوص سے کام لیں جس کے لئے ان کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے اسلاف کے آثار سے استفادہ کے لئے بیدار ہوں اور ایسے آثار الحمد للہ بہت ہیں اور ان میں سے اکثر ترقی یافتہ زبان میں لکھا ہوا موجود ہے جو طالب علم کو اپنے لہجہ کے درست کرنے اور اپنے فکر کی ترقی کے لئے مدد دیں گے۔ قلم اس وقت حیران و پریشان ہو کر ٹھیر جاتا ہے جبکہ اس سے ان برے آثار کو واضح کرنے کا ارادہ کیا جائے جو طالب العلم کے دل میں فقہ کی موجودہ متداول کتابوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس وقت دو مانع ہیں جو ہمارے ہیں فقیہ کو پیدا کرنے میں حائل ہیں۔

اول تو یہی کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں جن کا ہم نے تفصیلاً ذکر کر دیا ہے۔

دوم۔ طریق تعلیم کیونکہ پہلے زمانوں ہیں جو فقہ حاصل کرنا چاہتا اس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ہیں جن باتوں سے احکام کا استنباط کیا جاتا اس کا احصار کرلے پھر اس کا زیادہ وقت اس میں گزرتا کہ اس کے امام نے اس بارہ میں کیا فتویٰ دیا اور جب وہ تعلیم میں آگے بڑھتا تو اس بات سے واقفیت حاصل کرتا کہ اس کے مذہب کے ائمہ کی وہ رائیں کیا ہیں جن میں ان کے امام کی مخالفت کی گئی اور اس مخالفت کے وجوہ کیا ہیں۔ اور جب یہ مکمل کر لیتا تو دوسرے ائمہ کے رایوں کے متعلق بحث کرتا تاکہ وہ دونوں میں مقابلہ کر سکے اس تیسرے درجہ کے گزرنے کے بعد ہی وہ صاحب اقتدار فقیہ ورصاحب ترجیح عالم ہوتا۔ لیکن ہمارے یہاں مبتدی اور منتہی میں بجز کثرت مسائل و علت کے کچھ فرق نہیں اور یہی وہ بات ہے جو مذہب شافعی میں ابو شجاع کے منہج کی

امتیازی خصوصیت ہے لیکن کثرت مسائل ہی وہ چیز نہیں کہ انسان میں فقہ کی روح پیدا کر سکے۔

تیسرے درجہ کا طالب فقہ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا یہ درجہ منتہی کا ہوتا تھا کیونکہ وہ سوائے فقہ کے اور کسی علم میں مشغول نہ ہوتا تھا۔ اور دوسرے علوم کو فقہ کے ساتھ مخلوط نہ کرتا تھا۔ لیکن ہمارا نظام ایسا ہے کہ جس میں مبتدی و منتہی برابر ہیں جیسا کہ پہلا یعنی مبتدی، بہت سے علوم کی ابتدائی کتابوں میں مشغول رہتا ہے دوسرا بھی اسی میں مشغول ہو گیا۔ پس جب آخر میں میدان امتحان میں اس کو کامیابی حاصل ہو جاتی تو نہ وہ فقیہ رہتا ہے نہ ادیب اور نہ فلسفی بلکہ اس نے تو ہر علم کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیں کہ فقہ کو نحو اور حساب سے کچھ زیادہ نہیں جانتا اور اس میں تمام ادارے جو دینی تعلیم میں مشغول ہیں برابر ہیں۔ اور یہ خیال نہ کر لینا چاہیے کہ ان میں سے جب کوئی سند حاصل کر لیتا ہے تو اس کے بعد وہ اپنے علم میں اضافہ اور اختلافات فقہاء کے جاننے کی کوشش کرتا ہو بلکہ وہ اس حالت پر قائم رہتا ہے جو اس کی امتحان کے وقت تھی اور یہ ایک بہت بڑا عیب ہے۔

میں اس وقت مورخ کی حیثیت میں ہوں جس کا کام حقایق کا نقشہ پیش کرنا ہے لیکن اگر مجھے کسی مطالبہ کے پیش کرنے کا موقع ملتا ہے تو میں دینی تعلیم کے لئے حسب ذیل مطالبہ پیش کرتا۔

(۱) ابتدائی تعلیم صرف ان احکام کی تعلیم کی حد تک محدود رہے جس کو امام مذہب نے قرار دیا ہو۔ اور یہ کسی آسان کتاب سے ہو جو اس کے لئے منتخب کر لی جائے۔

اور دوسرے درجہ میں ایسی مبسوط کتاب رکھی جائے جس میں مذہب کے دوسرے ائمہ کی رائیں درج ہوں جنھوں نے ان کے امام کی مخالفت کی ہو یا کسی رائے کو ترجیح دی ہو یا کسی قول کو اختیار کیا ہو ہر فریق کی دلیلیں اس کے ساتھ قائم کی جائیں اور اس کے لئے مذہبی اختلاف کی کتابوں میں سے کوئی کتاب منتخب کر لی جائے۔ اور ایسی کتابیں ہر مذہب میں بہت ہیں اور ساتھ ہی تفسیر و حدیث بھی پڑھائی جائے۔

اور منتہی کی تعلیم فقہ اور اس کے اصول اور کتاب و سنت سے جو احکام کے ساتھ متعلق ہوں ان تک محدود رکھی جائے اور اس میں ائمہ کے اختلافات اور ان کے استدلال کے طریقے کی بھی تعلیم دی جائے۔

اور فقیہ کی سند صرف اس کو دی جائے جو دو چار مسئلوں پر ایک تحریر میں ان مسائل

کے متعلق فقہاء کے اختلافات کی تشریح کرے اور اختلافات کے اسباب اور وہ اصولی قواعد بتائے جن پر اس کے قائل نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے۔

اور یہ کام اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک علماء درس کے لئے ان کتب کے انتخاب پر آمادہ نہ ہوں جو چوتھے اور پانچویں دور کے علماء نے تصنیف کی ہیں۔

اس طرح دلوں میں فقہ کی روح اور اس میں وسعت پیدا ہوگی۔ اور ہم اسلاف کے قدم بقدم چلیں گے اور دین میں تفقہ کا ملکہ حاصل کریں گے اور ہم میں سے مستقبل میں ایسے فقہا نکلیں گے جن پر ہم بھروسہ کریں گے اور ان کے اقوال اعتبار کے قابل ہونگے۔ اور جب ہم ہر سال اس طرز کے تھوڑے علماء پیدا کریں گے تب یہ ممکن ہوگا کہ ہم سابقہ زمانوں پر اپنے علماء و فقہاء سے فخر کر سکیں۔

اور جن بڑے علماء کو ہم جانتے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر وہ اخلاص سے کام کریں تو اپنی قوم کو اس منزل پر پہونچا سکتے ہیں لیکن ہم کو ان کے ناموں کے ذکر کی ضرورت نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم سب کو اپنے دین اور اپنے شریعت کے خدمت کی توفیق دے تاکہ وہ اپنی حیات عالیہ کا فائدہ حاصل کرے۔ اس کے کوئی معنیٰ نہیں کہ ہم ہر چیز کو دائمی ترقی میں دیکھیں اور کھڑے رہیں اور سوائے قیل و قال کے ہمارا کوئی مقصد زندگی نہ ہو ہمارے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے ماضی کی طرف لوٹیں۔ اور شوق اور امنگ کی شمع سے اپنے مستقبل کو روشن کریں۔

ہر متفقہ فی الدین کی خدمت میں

میں نے یہ کتاب آپ کے لئے لکھی ہے اور اس سے میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ کو سلف صالح کی زندگی کی تصویر دکھا کر انکی تقلید و اتباع پر آپ کو آمادہ کروں۔ اس کتاب کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ایک اور کتاب لکھنے کا ارادہ ہے جن میں تفصیلی مسائل اور ان کے اختلاف کی مکمل تاریخ کا ذکر کرونگا۔ کیونکہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ صرف مثال اور نمونہ کے لئے لکھا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو اور آپ کو نیکی کی اور اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے کیونکہ وہی دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔

تمت